مجموعہ

تربیتی مضامین

مرتبہ

میاں غلام رسول اعوان

پیش لفظ

بزرگوارم میاں غلام رسول اعوان صاحب ان خوش نصیب' نیک فطرت لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے تحقیق حق کے نتیجہ میں عین جوانی میں قبول احمدیت کی توفیق پائی۔ اور اپنی فطری سعادت کے طفیل مہدی دوراں کے علمی و روحانی خزانوں سے پہلے خود فیضیاب ہوئے اور پھر اپنی قلمی خدمات کے ذریعہ ایک دنیا کو سیراب کیا۔

ہر چند کہ آپ علمی میدان کے شہسوار نہ تھے اور محض میٹرک کر کے 1924ء میں محکمہ آبپاشی میں ایک محرر کی حیثیت سے ملازمت کا آغاز کیا مگر آپ کے شوق علم اور مطالعہ کی داد دیجئے کہ 1966ء میں ملازمت سے فارغ ہو کر تعلیمی' تربیتی اور اخلاقی مضامین لکھنے کا شغل اختیار کیا۔ یہ مضامین روزنامہ "الفضل" میں شائع ہوتے رہے۔ آپ سالہا سال بڑے استقلال سے لکھتے رہے اور یوں معاشرہ کی ایک اہم ضرورت پوری کی۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء

عام قاری کے ماحول اور سطح سے قریب تر ہونے کے باعث سلاست اور سلاست آپ کی تحریر کی نمایاں خصوصیت ہے۔ آپ نے خالص دینی

اور اخلاقی موضوعات پر قلم اٹھایا ہے۔ اور یہ تحریرات بلاشبہ آپ کی اپنی دینی اور اخلاقی کیفیات کی بھی ترجمان ہیں۔

اللہ تعالیٰ میاں صاحب موصوف کو جزائے خیر دے کہ آپ نے اپنے کم و بیش پون صد تربیتی مضامین کا یہ مجموعہ افادہ عام کیلئے شائع فرما دیا ہے۔ انشاء اللہ یہ کتاب نہ صرف نافع الناس ثابت ہوگی بلکہ میاں صاحب کیلئے "صدقہ جاریہ" بھی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر و صحت میں برکت دے۔ آپ کا وسیع خاندان (جسے آپ کے طفیل احمدیت کی برکات نصیب ہیں) آپ کی پاکیزہ اقدار اور نیک اخلاق کو جاری و ساری اور زندہ رکھنے والا ہو۔ آمین

والسلام

خاکسار

حافظ مظفر احمد

ایڈیشنل ناظر اصلاح و ارشاد (دعوت الی اللہ)

فہرست مضامین

تعلق باللہ

حدیث شریف میں آتا ہے اللہ تعالیٰ ماں باپ سے ستر حصہ زیادہ مہربان ہے ماں باپ کے دل میں محبت تو اسی نے پیدا کی ہے۔ بلکہ یوں کہو کہ ان کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت کا پر تو ہے تاکہ اس کا بندہ ماں باپ کے ذریعہ سے پرورش پاکر بڑا ہو جائے اور اپنے رب کو شناخت کرے اور وہ تمام تقاضے پورے کرے جو اس کے خیالات کے ہیں۔ اسی طرح جو بچہ مرجائے اس کے والدین چند دنوں کے بعد چپ ہو جاتے ہیں لیکن جب کسی کا بچہ گم ہو جائے یا بچھڑ جائے تو زخم ہمیشہ ہرا رہتا ہے کہ ہمارا بچہ کہاں ہوگا اور کس حال میں ہوگا۔ اس غم میں وہ گھلتے رہتے ہیں۔ یہی حال اللہ تعالیٰ کی بھٹکی ہوئی مخلوق کا ہے۔ گمراہ مخلوق بھی بچھڑی ہوئی مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ کو بھی ان کے متعلق بہت فکر رہتا ہے کہ کب میرا بندہ گناہوں کو چھوڑ کر میرے پاس آوے گا۔ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا بندہ تائب ہو کر خدا تعالیٰ کے حضور آتا ہے اور اعتراف گناہ کر کے ندامت کے آنسو بہاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس پر اتنی خوشی ہوتی ہے جیسا کہ کسی کو جنگل میں کھویا ہوا اونٹ مل جائے۔ کہتے ہیں وہ کون سا گناہ ہے جو ماں معاف نہیں کر سکتی یعنی ماں جب سارے جرم اور گستاخیاں معاف کر دیتی ہے تو رب تعالیٰ کیوں نہیں معاف کر دیتا ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ نادم ہو کر آئندہ کے لئے ان سے بچنے کا اقرار کرے۔

حضرت نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندے کو نعمتیں دے کر اتنا خوش ہوتا ہے جتنا کہ بندے لے کر خوش نہیں ہوتا۔ اس کا معاملہ تو ماں کی ممتا کی طرح ہے بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ۔ جیسے ماں بچے کو کھلا پلا کر نہلا کر اور کپڑے پہنا کر خوش ہوتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی دے کر خوش ہوتا ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ بندہ فرمانبردار ہو اپنے رب کی اطاعت سے نکل جانے والا نہ ہو۔ ناخلف اولاد سے جیسا کہ ماں باپ ناراض ہو جاتے ہیں اسی طرح اللہ بھی بندہ سے ناراض ہو جاتا ہے۔ جب کہ وہ نافرمانی کرتا ہے یا بات نہیں مانتا تو ماں باپ گو شکل کرتے ہیں کہ بچہ سدھر جائے یہی حال اللہ تعالیٰ کا ہے۔ وہ اپنی مخلوق پر بے حد مہربان ہے۔ اس کی رحمت

دوسری صفات پر غالب ہے۔ لیکن کبھی کبھی گوشمالی کے طور پر سزا بھی دیتا ہے تاکہ بندہ اپنی اصلاح کر کے خدا کا اطاعت گزار اور نوع انسانی کا غمگسار بن جائے۔ اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں یوں بیان فرماتا ہے فاذکروا اللہ کذکرکم اباءکم میں اپنے پیدا کرنے والے رب کو ماں باپ کی طرح مہربان سمجھ کر یاد کیا کرو بلکہ ان سے بھی زیادہ جس طرح ماں اپنے اپنے بچوں کے لئے سراسر رحمت اور شفقت ہیں۔ اسی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ خدا اپنے بندوں پر رحمت اور شفقت کرنے والا ہے۔ یاد رکھو کہ ماں' باپ سے تعلق تو اس زندگی کے بعد ٹوٹ جاتا ہے لیکن خدا تعالیٰ سے بندہ کا تعلق ایسا ہے جو مر کر بھی نہیں ٹوٹتا۔ پس ایسی شفیق ذات سے مضبوط تعلق رکھنا اور اس کی اطاعت اور بندگی میں محو رہنا انسان کی خوش نصیبی ہے اور یہی مقصد حیات انسانی ہے۔

سب غیر ہیں وہی ہے اک دل کا یار جانی
غیروں سے دل لگانا جھوٹی ہے سب کہانی

پس غور کرو کہ جب اللہ تعالیٰ جیسی شفیق ذات بندہ کی نگران اور متکفل ہے تو اسے کیا غم ہے لیکن یہ اس وقت ہے جب بندہ کا اس سے مضبوط تعلق قائم ہو جائے۔ پھر وہ اس کی ضروریات کا متکفل ہو جاتا ہے۔ ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ پھر اسے کسی قسم کا فکر نہیں ہوتا جیسا کہ چھوٹا بچہ جب ماں باپ کی کفالت میں ہوتا ہے تو وہ اپنی ضروریات سے غافل اور بے فکر رہتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انسان کا ہر ایک دکھ اور سکھ خدا تعالیٰ سے وابستہ ہے۔ خدا تعالیٰ کے بغیر انسان دکھ سے ہرگز محفوظ نہیں رہ سکتا اور نہ اسے کوئی آرام اور راحت مل سکتی ہے۔ پس انسان کو چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرے ورنہ اس کا حال اس بچہ کی طرح ہوگا جسے اپنی ماں کا پتہ نہ ہو۔ غیر مومن کی مثال اس بچے کی سی ہے جس کی ماں نہ ہو اور مومن کی مثال اس بچہ کی سی ہے جس کی ماں ہر وقت اس کے پاس ہو۔ بزرگوں کا مقولہ "خدا داری چہ غم داری" بالکل صحیح ہے۔

جاننا چاہیئے کہ مومن کی نشانی یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور محبت میں بڑھتا چلا جائے۔ اسے کوئی چیز ملے یا نہ ملے اس کا تعلق خدا سے نہ ٹوٹے۔ اس کی محبت میں فرق نہ آئے اور یہ مقام حاصل ہو جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں میں

شامل ہو جاتا ہے جس کے لئے وہی ذات ہر طرح سے متکفل ہو جاتی ہے۔ حضرت مصلح موعود نے اپنے رب سے تعلق کا یوں اظہار فرمایا..... اگر میں خدا تعالیٰ سے ٹھیکہ کرنے بیٹھ جاتا اور اس سے کہتا کہ پہلے میری تنخواہ مقرر کی جائے پھر میں کام کروں گا اور اللہ تعالیٰ خواب یا الہام کے ذریعہ سے پوچھتا کہ بتا تجھے کتنا روپیہ چاہیئے تو میں اس زمانہ کے لحاظ سے جب میری ایک بیوی اور دو بچے تھے زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتا تھا کہ سو روپیہ بہت ہوگا۔ مجھے ایک سو روپیہ ماہوار دیا جائے۔ لیکن اگر میں ایسا کرتا تو آج کیا کرتا جب کہ میری چار بیویاں اور بائیس بچے ہیں اور بہت سے رشتہ دار ایسے ہیں جو اس بات کے محتاج ہیں کہ میں ان کی مدد کروں۔ میرے وہ رشتہ دار جن کا اب بھی میرے سر پر بوجھ ہے ساٹھ ستر کے قریب ہیں۔ اگر سو روپیہ میں اپنے لئے مانگتا تو ان کو ڈیڑھ روپیہ بھی نہ آسکتا تھا۔ پھر میں روٹی کہاں سے کھاتا۔ کپڑے کہاں سے بنواتا اور بچوں کو تعلیم کس طرح دلواتا اور اپنے خاندان کے افراد کی پرورش کس طرح کرتا۔ بہرحال میں نے خدا تعالیٰ سے یہ بھی سوال نہیں کیا کہ تو مجھے کیا دے گا اور خدا تعالیٰ نے بھی میرے ساتھ کبھی سودا نہیں کیا۔ میں نے خدا تعالیٰ سے یہی کہا کہ مجھے ملے یا نہ ملے میں تیرا بندہ ہوں اور میرا کام بھی یہ ہے کہ میں تیرے دین کی خدمت کروں اور اس کے بعد خدا تعالیٰ نے بھی یہی کہا کہ یہ سوال نہیں کہ تیری قابلیت کیا ہے۔ یہ سوال نہیں کہ تیری لیاقت کیا ہے۔ ہم بادشاہ ہیں اور ہم اپنے بادشاہ ہونے کے لحاظ سے تجھے اپنی نعمتوں سے ہمیشہ متمتع کرتے رہیں گے۔

اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بھی حضرت مصلح موعود سے انتہائی کریمانہ سلوک کیا۔ دین کی نعمت کے علاوہ دنیا کی نعمتیں بھی بے انداز دیں اور اس بات کا اندازہ اس سے لگ سکتا ہے کہ حضور خدمت دین کے لئے جس قدر چندہ سال بھر دیا کرتے تھے جماعت کا مالدار سے مالدار آدمی بھی اتنا نہ دے سکے۔

غرض خدا تعالیٰ سے تعلق رکھنے والا انسان ہمیشہ آرام میں رہتا ہے۔ اصل چیز یہی ہے کہ بندے کا اپنے مولیٰ سے مضبوط رشتہ جڑ جائے جو حوادث سے نہ ٹوٹے اور نہ کمزور ہو۔ پھر برکات کا نزول ہوتا ہے۔ دیکھو پھل وہی پکتے ہیں جن کا تعلق شاخ سے قائم رہتا ہے۔ جو پھل ہوا اور آندھی سے گر جائیں وہ بے قیمت ہو جاتے ہیں لیکن یہ بھی یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ

تعلق پیدا کرنے کی بھی ایک راہ رکھی ہے۔ وہ راہ کیا ہے؟ نبی کریم ﷺ کی سچی اتباع اور قرآن کریم پر پورا عمل۔ ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله اور اگر ہم قرآن کریم کی تعلیم پر سچا عمل اور نبی کریم ﷺ کی سچی پیروی نہیں کرتے تو ہم اللہ تعالیٰ سے سچا تعلق پیدا نہیں کر سکتے۔ جو اس راہ سے بھٹکتا ہے وہ خدا تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتا کیونکہ اس کے سوا اور کوئی راستہ کھلا ہوا نہیں ہے۔ لیکن خدا کی بات تو یہ ہے کہ ہم چھوٹی چھوٹی نفسانی خواہشات کے لئے احکام الٰہی کو چھوڑتے چلے جاتے ہیں۔ فرار کی راہیں ڈھونڈ لیتے ہیں اور اسوہ رسول اللہ ﷺ سے منہ موڑ لیتے ہیں تو پھر یہ تعلق کیونکر قائم رہ سکتا ہے۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ کے احکام کی کماحقہ اطاعت کریں گے پھر ہدایت ملے گی ورنہ بے نصیب رہیں گے۔ ان تطیعوہ تھتدوا یاد رکھیں کہ جب خدا تعالیٰ کو اپنا الٰہ مان لیا تو پھر اس سے وفاداری کا تعلق ٹوٹنے نہ پائے۔ مومن وہی ہے جو اپنے ایمان پر قائم ہے۔ اب خدا اسے جس حال میں رکھے اسی میں خوش رہے۔ جب اس کی اطاعت کا جوا اپنی گردن میں ڈال لیا تو اس سے گریز کیوں۔ اب تو ہمارے حال اور قال سے یہی نکلے۔

رشتہ در گردنم از کندہ دوست
مے برد آنجا کہ خاطر خواہ اوست

محبت الٰہی اور اس کی اہمیت

انسان کی پیدائش کی غرض اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔ ایسی عبادت اور اطاعت جس کی بنیاد محبت پر ہو۔ یہ حقیقت ہے کہ جس عمل کے پیچھے محبت اور اخلاص نہ ہو وہ قابل پذیرائی نہیں اللہ تعالیٰ کی نگاہ تو دل پر ہوتی ہے وہی جانتا ہے یہ شخص عمل کس جذبہ سے کر رہا ہے۔ اگر عمل اس کی رضا کے لئے ہے تو وہ قبول ہو جاتا ہے ورنہ رد کر دیا جاتا ہے۔ اسی لئے فرمایا لن ینال اللہ لحومھا ولا دماءھا ولکن ینالہ التقوی منکم یعنی تمہاری قربانیاں اور گوشت مجھ تک نہیں پہنچتے۔ صرف وہی کیفیت مجھ تک پہنچتی ہے جس کے زیر اثر تم وہ عمل کر رہے ہوتے ہو۔ پس ہر جگہ اخلاص اور صدق کی قدر ہے۔ یہی بات ایک اور طرح سے بھی سمجھ میں آسکتی ہے۔ ایک شخص جو اجرت کے لئے کام کر رہا ہو۔ اس کی طرف محبت کا التفات نہیں ہوتا۔ یہی سمجھا جاتا کہ یہ شخص مزدوری حاصل کرنے کے جذبہ سے خدمت کر رہا ہے۔ مگر ایک اور شخص جو محبت کے جذبہ سے خدمت کر رہا ہو۔ اس کا مقصود اجرت یا مزدوری نہ ہو۔ محض مالک کی رضا ہو۔ اور وہ ہر وقت جاں نثار کرنے کے لئے بھی تیار ہو تو ایسا شخص نوکر نہیں بیٹا یا دوست سمجھا جاتا ہے۔ اسی کی خدمت قابل قدر ہے۔ اقبال نے کہا ہے۔

جس کا عمل ہے بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے
حور و غلام سے گزر بادہ و جام سے گزر

محبت بھی دو قسم کی ہوتی ہے ایک صفاتی اور دوسری ذاتی۔ صفاتی تو وہ ہے کہ جب تک صفت رہے محبت بھی رہے ورنہ ختم ہو جائے۔ لیکن ذاتی محبت مٹ نہیں سکتی اور یہی اصل محبت ہے اگر محبت ذاتی ہو جائے تو چاہے محبوب تغافل کرے یا ستم کرے۔ محبت میں کمی نہیں آتی وہ تغافل کو کرم اور جفا کو عطا سمجھتا ہے اور اس کا جذبہ عشق اور تیز ہو جاتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جنتیوں سے پوچھیں گے کہ بتاؤ تم میں سے کون ہے جو دنیا میں واپس جانا چاہتا ہے۔ جنتی کہیں گے خدایا اب دنیا میں جا کر کیا کریں گے۔

اب وہاں کیا رکھا ہے۔ مشکل سے تیرا قرب ملا ہے۔ اب وہاں جانے کا کیا کام' لیکن شہید کہیں گے' خدایا ہم دنیا میں جانا چاہتے ہیں یہی آرزو ہے کہ دنیا میں جائیں اور پھر تیری راہ میں قربان ہوں' پھر زندہ ہوں' پھر شہید ہوں۔ پھر زندہ ہوں' پھر شہید ہوں۔ غرض یہی دور چلتا رہے۔ کیونکہ تیری راہ میں جان دیتے وقت جو مزا ملتا تھا وہ کسی اور چیز میں نہیں۔ اس وقت جو ہمارا اعزاز و اکرام ہوا تھا۔ اور جس محبت کی نظر سے تو نے اس وقت دیکھا تھا۔ وہ ہمیں بھول نہیں سکتا۔ دل چاہتا ہے کہ وہ کیفیت ہمیشہ تازہ رہے۔

پس محبت ہی ہے جو قرب عطا کرتی ہے دنیا کی نظر میں فاصلے ہوں تو ہوں لیکن عشق کے آگے فاصلے کا کوئی سوال نہیں۔ جو وجود نگاہوں میں بس رہا ہو دل میں جا گزیں ہو' خیالات میں ہو' تصورات میں ہو۔ وہ دور کیسے ہو سکتا ہے۔ وادئ نجد ہزار دور سہی لیکن قیس اس بعد کو تسلیم نہیں کرتا۔ اس کے لئے منزل لیلیٰ دور نہیں۔ اور یہ سچ ہے کہ

اگر دل محرم راز جمال یار ہو جائے
یہیں اک طور بن جائے یہیں دیدار ہو جائے

انسان دنیا میں اس لئے بھیجا گیا ہے کہ وہ محبوب ازل کی تلاش کرے۔ اور اس سے محبت کرے۔ قرآن حکیم میں ہے۔ والذین امنوا اشد حبا للہ۔ یعنی مومن کو تو شدید محبت اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے اور یہی علامت اس کے مومن ہونے کی ہے اگر اللہ تعالیٰ کی محبت اس کے دل پر غالب ہے تو وہ سچا مومن ہے۔ ورنہ نہیں۔ اسی لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اگر دنیا میں کسی اور کے لئے محبت جائز ہوتی تو میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے محبت کرتا۔ مگر محبت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے۔ باقی مخلوقات کے لئے اخوت اور برادری ہے۔

پس اللہ تعالیٰ انسان سے یہ چاہتا ہے کہ وہ اس سے خالص محبت کرے اور اسی کا ہو جائے۔ وہ غیر مشروط اطاعت اور محبت چاہتا ہے۔ وہ اپنی محبت میں کسی کو شریک نہیں کرنا چاہتا۔ کیونکہ اس کی غیرت شرکت کو گوارا نہیں کرتی۔ جس دل میں اللہ تعالیٰ کے ، اکسی اور کی محبت ہو۔ وہ رد کر دیا جاتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ انسان کے دل سے یہ آواز آئے ان صلوتی ونسکی و محیای ومماتی للہ رب العلمین اور جب تک یہ کیفیت نہ ہو۔ انسان کسی قدر کے لائق نہیں۔ دل تو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے بنایا ہے۔ اگر اسی دل میں غیر کا سودا ہو یا دنیاوی

خواہشات ہوں تو وہ کس طرح قبول ہو سکتا ہے وجہ تخلیق آدم تو اللہ تعالیٰ کی محبت اور معرفت ہے انسان کے خمیر میں اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت پوشیدہ کر رکھی ہے اور وہ اسی جذبہ کے ماتحت حسن ازلی کی تلاش میں رہتا ہے۔ اور جب وہ اسے نہیں پاتا تو اپنے ذوق تسکین کے لئے دوسری مخلوقات سے محبت کرنے لگ جاتا ہے وہ مجاز کو حقیقت سمجھ لیتا ہے اور اسی میں لذت پاتا ہے۔ اور یہ سچ ہے کہ محبت میں جو لذت ہے وہ دنیا کی کسی اور چیز میں نہیں۔ اس لذت کو وہی سمجھتے ہیں۔ جو اس کوچہ کے آشنا ہیں۔

غرض اللہ تعالیٰ کی محبت تو ایک پاکیزہ اور بہت بلند چیز ہے۔ اور جسے حاصل ہو جائے اس کی خوش قسمتی میں کیا شک ہے لیکن ادنیٰ مخلوق کی محبت کو بھی انسان آسانی سے نہیں چھوڑ سکتا۔ انسان ایک ادنیٰ مخلوق کی محبت میں جو سراسر عارضی اور بے بنیاد ہے لذت پاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی محبت میں جو پاکیزہ اور دائمی ہے کتنی لذت ہو گی۔ پس کتنا مبارک اور خوش قسمت ہے وہ انسان جسے اللہ تعالیٰ سے ذاتی محبت ہو جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس شخص کو زندگی میں صرف ایک بار ہی اللہ تعالیٰ کی محبت کا جلوہ نظر آجائے تو وہ ساری عمر اس سے مست رہے یہی وجہ ہے کہ اہل اللہ اور عارفین جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی محبت کو پالیا ہوتا ہے ہر وقت اسی میں سرشار رہتے ہیں۔ اور ان کے لئے خدا کی راہ میں جان دینا آسان ہو جاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ محبت ہی تمام اعمال کا سرچشمہ ہے عقل گریز کی راہیں تلاش کرتی ہے لیکن عاشق نافرمانی نہیں کر سکتا۔ بلکہ محبوب کے ہر حکم پر مٹنے کو تیار ہو جاتا ہے اسے لٹ کر اور مٹ کر مزا آتا ہے۔ عاجزی اس کا شیوہ اور اطاعت اس کی زندگی بن جاتی ہے۔ محبت کی فطرت ہی یہی ہے کہ وہ ہر چیز محبوب کی راہ میں قربان کرنے کے لئے بیقرار رہتی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ محبت میں کچھ نثار کرنے کے بعد بھی مطمئن نہیں ہوتی یہی چاہتی ہے کہ ہزار جان ہوتی تو نثار کر دی جاتی۔

انسان کا مقصد حیات تو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کا وصال ہے۔ مگر اس کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ نفس امارہ ہے۔ یہ بڑا سرکش اور فتنہ ساماں ہے اس کا زیر کرنا بے حد مشکل ہے یہ صحیح ہے کہ جب تک نفس نہ مرے دل زندہ نہیں ہوتا۔ اور جب تک دل زندہ نہ ہو اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا نہیں ہو سکتی۔ پس نفس کو مارنے کا صرف ایک ہی علاج ہے اور وہ محبت ذات باری ہے۔ محبت ہی دل میں عاجزی اور مسکینی پیدا کر دیتی ہے۔ اور جب عاجزی اور فروتنی پیدا ہو

جائے تو نفس خود بخود مر جاتا ہے مولانا روم نے صحیح کہا ہے کہ عشق ہی نفس کی کل بیماریوں کا علاج ہے۔

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما
اے طبیب جملہ علت ہائے ما

اگر انسان کے دل میں محبت الٰہی پیدا ہو جائے تو تمام برائیاں خود بخود مٹ جاتی ہیں فروتنی اور عاجزی آجاتی ہے۔ اور یہی عجز و نیاز محبت کا دوسرا نام ہے۔

کنجی جمال یار کی ہے عجز و انکسار
سب سے بڑا حجاب سر پر غرور ہے

(مصلح موعود)

مبارک ہے وہ دل جو اللہ تعالیٰ کی محبت سے سرشار ہے اور بقول حضرت مسیح موعود۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اس کی تسبیح اور اس کے احسانات کو بار بار یاد کرنے سے پیدا کی جا سکتی ہے۔

دنیا میں عشق تیرا باقی ہے سب اندھیرا

انسان دنیا میں اس لئے آیا ہے کہ وہ اپنے رب محسن کی معرفت حاصل کر کے اس سے محبت کرے اور اسی کا ہو جائے۔ اسی مقصد کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یوں بیان فرمایا ہے والذین امنوا اشد حبا للہ (بقرہ: 125) یعنی مومن بندے اللہ تعالیٰ سے شدید محبت رکھتے ہیں اور یہی ان کے ایمان کی علامت ہے۔ پس اللہ تعالیٰ بھی انسان سے یہی چاہتا ہے کہ وہ اس سے خالص محبت کرے اور اسی کا ہو جائے۔ وہ غیر مشروط اطاعت اور محبت چاہتا ہے۔ وہ اپنی محبت میں کسی کو شریک نہیں کرتا کیونکہ اس کی غیرت شرکت کو گوارا نہیں کرتی۔ جس دل میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی محبت ہو وہ قبولیت کے لائق نہیں ہوتا اور یہی شرک ہے۔ پس بندہ اس کی ذات میں، اس کی صفات میں اور محبت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

اس میں شک نہیں کہ انسان کے خمیر میں اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت پوشیدہ رکھی ہے اور وہ اسی جذبہ کے ماتحت حسن ازل کی تلاش میں رہتا ہے اور جب وہ اسے نہیں پاتا تو اپنے ذوق کی تسکین کے لئے دوسری مخلوقات سے محبت کرنے لگ جاتا ہے۔ وہ مجاز کو حقیقت سمجھ لیتا ہے اور اسی میں لذت پاتا ہے اور یہ سچ ہے محبت میں جو لذت ہے وہ دنیا کی کسی اور چیز میں نہیں۔ اس لذت سے وہی آگاہ ہیں جو اس کوچہ سے آشنا ہیں۔۔۔۔ غرض اللہ تعالیٰ کی محبت تو ایک پاکیزہ اور بلند شے ہے اور جسے حاصل ہو جائے اس کی خوش قسمتی میں کیا شک ہو سکتا ہے لیکن ادنیٰ مخلوق کی محبت کو بھی انسان آسانی سے نہیں چھوڑ سکتا۔ انسان جب ادنیٰ مخلوق کی محبت میں جو سراسر عارضی اور بے بنیاد ہے لذت پاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی محبت میں جو پاکیزہ اور دائمی ہے کتنی لذت ہوگی۔

پھر یہ بھی ہے کہ انسان کا اللہ تعالیٰ سے ایک فطری تعلق ہے۔ بچہ ماں سے اس لئے محبت کرتا ہے کہ وہ اس کے پیٹ سے نکلا ہے۔ انسان کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے بنایا ہے۔ اس لئے فطرتاً وہ اس سے محبت کرتا ہے۔ پس ذکر سے انسان کو خدا سے محبت ہو جاتی

ہے۔ حضرت اقدس فرماتے ہیں:۔

"ہر وقت اپنی زبانوں کو خدا کی یاد سے تر رکھو کیونکہ ذکر سے محبت اور محبت سے اطاعت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور جب اطاعت محبت کے جذبہ سے ہو تو اس میں ایک لذت آتی ہے اور یہی جنت ہے۔ انسان دنیا کی چیزوں میں عبث راحت ڈھونڈتا ہے۔ دنیا کی چیزیں تو سچی خوشحالی نہیں دے سکتیں۔ حقیقی مسرت تو محبوب کی ملاقات ہے۔"

اس رخ کو دیکھنا ہی تو ہے اصل مدعا
جنت بھی ہے یہی کہ ملے یار آشنا

(براہین احمدیہ حصہ پنجم)

اگر غور کیا جائے تو محبت کے جو محرکات ہیں ایک وہ حسن میں ہیں۔ یہ ممکن نہیں کہ حسن ہو اور اپنا اثر نہ کرے۔ حسن خواہ انسان میں ہو یا مناظر قدرت میں اپنا اثر دکھائے گا۔ دنیا میں ہر طرف حسن کے جلوے ہیں۔ سبزہ زار، آب رواں، پہاڑ، چرند، پرند، انسان، حیوانات سب میں حسن ہے۔ اس عالم کی جملہ اشیاء کا حسن خود بخود نہیں۔ خالق کائنات کا پیدا کردہ ہے۔ ان اشیاء نے اسی ذات سے حسن مستعار لیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ان کا حسن اس کے حسن کا پرتو ہے۔ حضرت اقدس نے فرماتے ہیں:۔

چشم مست ہر حسیں ہر دم دکھاتی ہے تجھے
ہاتھ ہے تیری طرف ہر گیسوئے خمدار کا
تو نے خود روحوں پہ اپنے ہاتھ سے چھڑکا نمک
اس سے ہے شور محبت عاشقان زار کا

(سرمہ چشم آریہ)

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس ذات نے یہ حسن پیدا کیا ہے وہ کتنی حسین ہوگی۔ دوسروں کو حسن بخشنے والا بھلا کیا خود حسین نہ ہوگا۔ کیا کوئی فقیر بھی کسی کو غنی کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اگر دنیا کی حسین و جمیل چیزوں کا حسن ہم کو اپنی طرف کھینچ سکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ حسن ازل بندوں کو اپنی طرف نہ کھینچے۔ کھینچتا ہے اور خود کھنچتا ہے لیکن حسن کی عزت اسی میں ہے کہ وہ پردہ میں رہے تاکہ اشتیاق بڑھے۔ اگر وہ بے نقاب ہو کر اپنے آپ کو دکھلا دے تو تمام مخلوق اس

کے حسن کی تاب نہ لا کر غش کھا کر گر پڑے۔ اس دنیا میں وہ ہم کو اس لئے نظر نہیں آتا کہ وہ لطیف ہے اور ہم کثیف۔ عالم آخرت میں جب اس روح کو لطیف جسم ملے گا تو وہ اس کے جلوے سے بھی مشرف ہوگی۔ کسی اہل دل نے اس کی پردہ نشینی کا کس عمدگی سے ذکر کیا ہے۔

عیاں ہو کر بھی وہ پردہ نشیں ہے
ادا اس کی یہ کتنی دلنشیں ہے
قصور اپنی نظر کا ہے وگرنہ
کہاں وہ ذات جلوہ گر نہیں ہے

تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے ایک عورت حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کے پاس آئی اور کہا کہ اے جنید۔ میری مدد فرما۔ فرمایا کیسی مدد۔ کہا میرا خاوند دوسری عورت سے بیاہ کرنا چاہتا ہے۔ اسے روک کہ یہ اس کے لئے مناسب نہیں۔ فرمایا مائی! جب خدا نے مرد کو چار بیویوں کی اجازت دے رکھی ہے تو میں کون ہوں جو اس کو منع کروں۔ کہنے لگی کہ وہ بدصورت ہے۔ اس میں اور بھی کوئی خوبی نہیں بھلا اس سے شادی کر کے وہ کیا کرلے گا۔ فرمایا۔ مائی! میں ایسا نہیں کر سکتا۔ شریعت نے اسے اجازت دے رکھی ہے۔ وہ مختار ہے۔ میں کیا کر سکتا ہوں۔ کہنے لگی جنید! اگر شریعت کی رکاوٹ نہ ہوتی تو میں بے پردہ ہو کر آپ کو دکھا سکتی کہ میں کتنی حسین ہوں۔ کیا وہ اس قدر حسین بیوی رکھتے ہوئے دوسری عورت سے پیار کر سکتا ہے۔ یہ بات سن کر جنید تڑپ گئے اور ان پر رقت طاری ہو گئی۔ اور کہا کہ یہ عورت سچ کہتی ہے کہ خدا تعالیٰ بھی یہ فرماتا ہے کہ اگر دنیا کی مخلوق مجھے بے پردہ دیکھ سکتی تو وہ کسی اور سے کیسے محبت کر سکتی۔ پس جہاں حسن ہے وہاں عشق ہے۔ پھر یہ کہ حق تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی حسین و جمیل نہیں کیونکہ وہ حسن کا سرچشمہ ہے۔

دوسری چیز محبت کی احسان ہے۔ اگر آپ پر کوئی شخص احسان کرے تو ظاہر ہے کہ آپ کے دل میں اس کی محبت پیدا ہوگی کیونکہ انسان بندہ احسان ہے اور یہ سچ ہے کہ اس کی عطا اور بخشش میں کوئی کمی نہیں۔ اصل معطی تو وہی ہے۔ انسان کے پاس جس قدر نعمتیں ہیں وہ اس کی عطا کردہ ہیں۔ صحت ہو، مال ہو، اولاد ہو، علم و فضل ہو غرض ہر چیز جو انسان کو اس دنیا میں ملی ہے یا مل رہی ہے وہ اس کی عطا کردہ ہے۔ پس انسان کا ذرہ ذرہ اس کی نعمتوں اور احسانات کے نیچے دبا ہوا ہے

یاد رکھو کہ صرف مادی ہی اس کی نعمتیں نہیں شکستگی، رنج و غم، حزن والم بھی اس کی نعمتیں ہیں جو انسان کو اس کے در پر لے جاتی ہیں جن سے وہ بازیاب ہو جاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ انسان اپنے اعمال کے زور سے اس کی رضا حاصل نہیں کر سکتا اور نہ جنت کا حقدار بن سکتا ہے۔ اس کا نفس اسے بدیوں کی طرف مائل کرتا رہتا ہے۔ اس کی حرص اور نفسانیت اسے دنیاوی خواہشات کی طرف لگائی رہتی ہے اور اس وجہ سے وہ خدا سے دور ہوتا جاتا ہے کیونکہ ہر گناہ خدا اور بندے کے درمیان حجاب ہے، دوری ہے لیکن خدا تعالیٰ کی رحمت اس کی دستگیری کرتی ہے اور اسے کسی چھوٹے سے ابتلاء میں ڈال کر اس کا تزکیہ کر دیتی ہے جس سے وہ اس کی رضا کی جنت کا حقدار بن جاتا ہے اور یہی رحمت اس کی بے پناہ محبت کی آئینہ دار ہے۔

دنیا میں عشق تیرا باقی ہے سب اندھیرا
معشوق ہے تو میرا عشق صفا یہی ہے

انسان دنیا میں اس لئے آیا ہے کہ وہ اپنے رب محسن کی معرفت حاصل کرے۔ اس سے محبت کرے اور اسی کا ہو جائے۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یوں بیان فرمایا والذین امنوا اشد حبا للہ یعنی مومن اللہ تعالیٰ سے شدید محبت رکھتے ہیں اور یہی ان کی علامت ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا ہے:۔

"حقیقی محبت تو خدا کے لئے خاص ہے۔ اگر کسی اور کے لئے ہوتی تو میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے محبت کرتا"۔

باقی مخلوقات کے لئے تو اخوت اور برادری ہے۔ پس اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ انسان اسی کا ہو جائے۔ وہ غیر مشروط محبت چاہتا ہے۔ وہ اپنی محبت میں کسی کو شریک نہیں کرنا چاہتا کیونکہ اس کی غیرت شرکت کو گوارہ نہیں کرتی۔ جس دل میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی محبت ہو وہ قبولیت کے لائق نہیں ہوتا اور یہی شرک ہے۔ پس بندہ اس کی ذات میں صفات میں اور محبت میں کسی کو شریک نہ کرے کیونکہ خدا سے بڑھ کر انسان کی محبت کا دوسرا کوئی حق دار نہیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ انسان کا اللہ تعالیٰ سے فطری تعلق ہے۔ بچہ ماں سے اس لئے محبت کرتا ہے کہ وہ اس کے پیٹ سے نکلا ہے۔ انسان کو بھی خدا تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے بنایا ہے۔ اس لئے فطرتاً محبت کرتا ہے۔ اس کے علاوہ خدا تعالیٰ نے بھی انسان کے خمیر میں اپنی محبت پوشیدہ رکھی ہے اور وہ اسی جذبہ کے ماتحت حسن ازل کی تلاش میں رہتا ہے۔ پس خدا کو یاد کرنے اور اس کا ذکر کرنے سے اس کی ذات کریم سے محبت ہو جاتی ہے۔ حضرت اقدس فرماتے ہیں کہ:۔

"ہر وقت اپنی زبانوں کو خدا کی یاد سے تر رکھو کیونکہ ذکر سے محبت اور محبت سے اطاعت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور جب اطاعت محبت کے جذبہ سے ہو تو اس میں ایک لذت

آتی ہے اور یہی جنت ہے"۔

اسی لئے فرمایا کہ مومن کے لئے دو جنتیں ہیں۔ ایک دنیا کی جنت جو محبت اور اطاعت کی ہے اور دوسری آخرت کی جنت جو دید دوست کی ہے..... لیکن انسان عبث دنیا کی چیزوں میں راحت دیکھتا ہے۔ دنیا کی چیزیں جو بھی خوشحالی نہیں دے سکتیں۔ حقیقی مسرت تو محبوب کی ملاقات میں ہے اور اس کے سوا سب ہیچ ہے۔ کسی نے بالکل سچ کہا ہے کہ۔

"یکدم باخدا بودن بہ از ملک سلیمانی"

اور جس دل میں اس کا سودا ہو وہی اسے پسند ہے۔ اس کے سامنے ظاہر کچھ چیز نہیں۔ اس کی نگاہ دل پر ہے۔ وہ باطن کو دیکھتا ہے اور اسی کے مطابق اس کا سلوک ہوتا ہے۔ اسی لئے فرمایا ان اکرمکم عند اللہ اتقکم (حجرات) یعنی جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے ڈرتا ہے اور اس کی محبت میں سرشار ہے وہی اس کا مقرب ہے اور اسی کی قدر ہے۔ پس من کی دنیا کو اس کی محبت اور یاد سے آباد کرو اور ماسوا اس سے دل نہ لگاؤ۔ یہی صراط مستقیم ہے۔

اگر غور کیا جائے تو محبت کے دو محرکات ہیں۔ ایک حسن اور دوسرا احسان حسن انسان کو بالطبع مرغوب ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ حسن ہو اور وہ اپنا اثر نہ کرے۔ حسن خواہ انسانوں میں ہو یا مناظر قدرت میں اپنا اثر ضرور دکھائے گا۔ دنیا میں ہر طرف حسن کے جلوے ہیں۔ سبزہ زار' آب رواں' پہاڑ' چرند' پرند' حیوانات سب ہی حسن ہے۔ پھر عالم کی جملہ اشیاء کا حسن خود بخود نہیں خالق کائنات کا پیدا کردہ ہے۔ ان اشیاء نے اسی ذات سے حسن مستعار لیا ہے۔ ان کا حسن اس کے حسن کا پرتو ہے۔ حضرت اقدس نے کیا خوب فرمایا ہے۔

چشم مست ہر حسیں ہر دم دکھاتی ہے تجھے
ہاتھ ہے تیری طرف ہر گیسوئے خمدار کا

تو نے خود روحوں پہ اپنے ہاتھ سے چھڑکا نمک
اس سے ہے شور محبت عاشقان زار کا

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس ذات نے یہ حسن پیدا کیا وہ خود کتنی حسین ہوگی۔ دوسری کو حسن بخشنے والا بھلا کیا خود حسین نہ ہوگا۔ کیا کوئی فقیر بھی کسی کو غنی کر سکتا ہے۔ اگر دنیا کی حسین و جمیل اشیاء کا حسن ہم کو اپنی طرف کھینچ سکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ حسن ازلی بندوں کو اپنی

طرف نہ کھینچے کھینچتا ہے اور ضرور کھینچتا ہے۔ اگر وہ بے نقاب ہو کر اپنی جھلک دکھادے تو تمام مخلوق اس کے حسن کی تاب نہ لا کر غش کھا کر گر پڑے گی۔ اس دنیا میں وہ ہم کو اس وجہ سے نظر نہیں آتا کہ وہ لطیف ہے اور ہم کثیف۔ عالم آخرت میں جب روح کو لطیف جسم ملے تو ہم اس کے جلوے سے مشرف ہوں گے۔ تذکرۃ اولیاء میں لکھا ہے کہ:۔

"ایک عورت حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کے پاس آئی اور کہا کہ اے شیخ میری مدد فرما۔ فرمایا کیسی مدد۔ کہا میرا خاوند دوسری عورت سے بیاہ کرنا چاہتا ہے۔ اسے روک یہ اس کے لئے مناسب نہیں۔ فرمایا مائی خدا نے جب مرد کو چار عورتوں کی اجازت دے رکھی ہے تو میں اس کس طرح منع کر سکتا ہوں۔ کہنے لگی کہ وہ بدصورت ہے۔ اس میں کوئی اور خوبی نہیں۔ بھلا اس سے شادی کر کے وہ کیا لے گا۔ فرمایا مائی میں ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ شریعت نے اسے اجازت دے رکھی ہے۔ وہ مختار ہے میں کیا کر سکتا ہوں۔ کہنے لگی اے جنید! اگر شریعت کی رکاوٹ نہ ہوتی میں بے نقاب ہو کر آپ کو دکھا سکتی کہ میں کتنی حسین ہوں۔ کیا وہ اس قدر حسین بیوی رکھتے ہوئے دوسری بیوی سے پیار کر سکتا ہے۔ یہ بات سن کر جنید تڑپ گئے اور ان پر رقت طاری ہو گئی۔ ذرا سنبھلے تو مریدوں سے کہا یہ عورت ٹھیک کہتی ہے۔ خدا تعالیٰ بھی یہی فرماتا ہے کہ اگر دنیا کی مخلوق مجھے بے پردہ دیکھ سکتی تو وہ کسی اور سے کیسے محبت کر سکتی ہے"۔

پس جہاں حسن ہے وہاں عشق ہے۔ نیز یہ کہ حق تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی حسین و جمیل نہیں کیونکہ وہ حسن کا سرچشمہ ہے۔

دوسری چیز محبت کی احسان ہے۔ اگر آپ پر کوئی شخص احسان کرے تو آپ کے دل میں بھی اس کی محبت پیدا ہو گی۔ کیونکہ انسان بندہ احسان ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ "تم خدا سے اس لئے محبت کرو کہ وہ تمہیں ہر صبح اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے"۔ (ترمذی)

اور یہ سچ ہے کہ اس کی عطاء اور بخشش کی کوئی کمی نہیں۔ اصل معطی وہی ہے۔ انسان کے پاس جس قدر نعمتیں ہیں وہ اس کی عطا کردہ ہیں۔ صحت ہو' مال ہو' اولاد ہو' علم و فضل ہو غرض ہر چیز جو انسان کو اس دنیا میں ملی ہے یا مل رہی ہے اس کی عطا کردہ ہے۔ غرض اس کا ذرہ ذرہ اس کی نعمتوں اور احسانات کے نیچے دبا ہوا ہے۔ لیکن یاد رکھو کہ صرف مادی نعمتیں ہی اس کی نعمتیں

نہیں۔ شکستگی' حزن' رنج والم بھی اس کی نعمتیں ہیں جو انسان کو اس کے در پر لے جاتی ہیں اور اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔ رومی نے سچ کہا ہے۔

در حقیقت ہر عدو داروئے تست
کیمیا و نافع و دلجوئی تست
کہ ازو اندر گریزی در خلا
استعانت جوئی از فضل خدا

اور یہ حقیقت ہے کہ انسان اپنے اعمال کے زور سے اس کی رضا حاصل نہیں کر سکتا اور نہ جنت کا حقدار بن سکتا ہے۔ اس کا نفس اسے بدیوں کی طرف مائل کرتا رہتا ہے۔ اس کی حرص دنیاوی خواہشات کی طرف لگائی رہتی ہے۔ اس وجہ سے وہ خدا سے دور ہوتا جاتا ہے کیونکہ ہر گناہ خدا اور بندے کے درمیان حجاب ہے۔ دوری ہے لیکن ان کی رحمت بندہ کی دستگیری کرتی ہے اور اسے کسی چھوٹے ابتلاء میں ڈال کر اس کے نفس کا تزکیہ کر دیتی ہے۔ جس سے وہ اس کی رضا کی جنت کا حقدار بن جاتا ہے اور یہی رحمت اس کی بے پناہ محبت کی علامت ہے۔ پس کتنی عظیم اور احسان کرنے والی وہ ذات ہے جس کا انسان اندازہ ہی نہیں کر سکتا نہ حق شکر ادا کر سکتا ہے۔ کیا وہ ذات اس بات کی حقدار نہیں کہ اس سے شدید محبت کی جائے۔ وہ قدر دان ہے۔ شکور و رحیم ہے۔ وہ بڑھ چڑھ کر بدلہ دینے والا ہے۔ وہ بندہ نواز ہے اور نوازنا اس کا کام ہے۔ اس کی رحمت بے حساب ہے اور اس کے انعامات کی کوئی حد نہیں۔ وہ بندے کی محبت اور اخلاص کو دیکھ کر اس کی لغزشوں کو معاف کر دیتا ہے اور جتایا بھی نہیں کرتا۔ وہ اتنا کریم ہے کہ پچھلے سیئات کو حسنات میں بدل دیتا ہے اور ان کو نیکیاں شمار کر لیتا ہے۔ بتاؤ ایسے کریم سے منہ موڑنا اس کو بھول جانا کہاں کی دانشمندی ہے۔ پس اسی سے محبت کرو۔ اس کے بغیر سب کچھ بیکار ہے۔ حضرت اقدس نے سچ کہا ہے۔

دنیا میں عشق تیرا باقی ہے سب اندھیرا
معشوق ہے تو میرا عشق صفا یہی ہے
(درثمین)

خدا داری چہ غم داری

انسانی زندگی مصائب سے خالی نہیں غریب ہو امیر ہو۔ تاجر ہو یا مزدور ہو مصائب سب پر آتے ہیں۔ دنیا کی وضع ہی اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسی بنائی ہے۔ کہ دکھ اور سکھ ساتھ ساتھ چلتے ہیں ان مع العسر یسرا مگر انسان بالطبع یہ چاہتا ہے کہ اس کی زندگی راحت و آرام سے گزرے اور اسے دنیا میں مشکلات نہ آئیں۔ لیکن یہ الٰہی سنت کے خلاف ہے سنت اللہ اسی طرح ہے کہ دکھ کے بعد سکھ اور سکھ کے بعد دکھ ضرور آئیں گے دیکھو انسان صحت کی قدر اس وقت کرتا ہے جب بیمار ہوتا ہے۔ مال کی قدر اس وقت کرتا ہے جب تہی دست ہو جاتا ہے۔ اسی طرح امن کی قدر خوف کے بعد کھانے پینے کی قدر بھوک اور پیاس کے بعد۔ عزت کی قدر ذلت کے بعد اور راحت و آرام کی قدر رنج و معیبت کے بعد ہوتی ہے۔ لیکن انسان کی خواہش یہی رہتی ہے کہ اس کی زندگی ہمیشہ سکھ اور آرام سے گزرے۔ حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں کہ۔

"جو شخص چاہتا ہے کہ صحت و عافیت بھی رہے۔ مال و دولت میں بھی ترقی ہو اور ہر طرح کے عیش و عشرت کے سامان اور مالی جانی آرام بھی ہوں۔ کوئی ابتلاء بھی پیش نہ آئے پھر یہ کہ خدا بھی راضی ہو جائے وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔"

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے تو موت و حیات یعنی دکھ اور سکھ اس لئے بنائے ہیں تا تمہیں آزمائیں کہ کون اس میں کامیاب ہے۔ خلق الموت والحیوۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا دوسری جگہ فرمایا۔ احسب الناس ان یترکوان یقولوا امنا وھم لا یفتنون پس ان سے ثابت ہے کہ انسان دنیا میں نیک کام کرنے کے لئے آیا ہے۔ اس کی آزمائش سکھ دے کر بھی ہوگی اور دکھ دے کر بھی ہوگی۔

دراصل دیکھا جائے۔ تو انسان پر دکھوں اور مصائب کا آنا اس کی اصلاح کا موجب بنتا ہے۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ اگر انسان کو ہر طرح کا سکھ اور آرام مل جائے تو وہ اپنا مقصد زندگی بھول جاتا ہے اور انسانی خواہشات کی تکمیل میں لگ کر فسق و فجور کی راہ اختیار کر لیتا ہے۔ پس مصائب اس لئے آتے ہیں کہ وہ اپنی اصلاح کرلے اور اپنی کمزوریوں کو دور کرلے یہ حقیقت ہے

کہ مصیبت سے قلب میں وہ کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ جو سینکڑوں مجاہدوں سے بھی پیدا نہیں ہوتی برسوں کے مجاہدات سے باطن کو وہ نفع نہیں پہنچتا۔ جو ایک ساعت کے حزن سے پہنچتا ہے ہر ناکامی میں ایک حکمت ہے۔ دل مضطر مجبوراً خدا کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ جب مصیبت آتی ہے تو انسان کی فطرت اسے اللہ تعالیٰ کا دروازہ کھٹکھٹانے پر مجبور کرتی ہے مصائب اور تکالیف کا نہ آنا۔ انسان کو سرکش اور مغرور بنا دیتا ہے اور یہ سچ ہے کہ صرف راحت ہی اللہ تعالیٰ کا انعام نہیں۔ شکستگی، بے بسی درد و الم بھی اس کا کرم ہے۔

دراصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی بندہ کا سچا مونس اور غمگسار ہے اللہ کے سوا اور کون ہے جو اس کے غم کا مداوا کر سکے طاقت کا اصل سرچشمہ تو وہی ہے۔ انسان تو کسی کام کا نہیں۔ پس پچی اور آخری بات تو یہ ہے کہ اگر انسان اپنا تعلق اور رشتہ اپنے رب سے مضبوط کر لے۔ یعنی اس کے حکموں کے آگے سر تسلیم خم کر دے اور اس کی نافرمانی سے بچ جائے تو وہ امن میں آجائے اور مشکل سے بچنے کی راہ خود بخود نکل آئے۔ ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا دوسرے لفظوں میں انسان متقی بن جائے تو بیڑا پار ہے۔ ہر ایک غم اور دکھ سے اسے نجات مل جائے۔ دیکھو جب بچہ ماں کی تولیت میں ہوتا ہے تو اسے کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوتی۔ ماں ہی اس کی حفاظت کرتی ہے۔ اور اسے خوش رکھنے کی فکر کرتی ہے۔ وہ ان دنوں ہر غم سے بے نیاز ہوتا ہے گویا اسے غم چھوتا ہی نہیں۔ یہی حال بندہ اور اللہ تعالیٰ کا ہے۔ جب اس کا بندہ متقی اور صالح بن جاتا ہے تو وہ اس کی تولیت میں آجاتا ہے ھو یتولی الصالحین بندہ کی تولیت تو ناکافی اور کمزور ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی تولیت میں تو کوئی خطرہ نہیں۔

اس میں شک نہیں کہ ہر مصیبت انسان کا امتحان لینے آتی ہے کہ اس کی ایمانی حالت کیسی ہے اور اس کا اپنے رب کے ساتھ کتنا تعلق ہے۔ اگر مشکلات نہ آئیں تو ترقیات بھی نہ ہوں کیونکہ بغیر امتحان کے ترقی نہیں ملتی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

"ترقی ہمیشہ مصائب اور تکالیف کے بعد ہوتی ہے۔ ایمانی حالت کا پتہ اس وقت لگتا ہے جب تکالیف اور مصائب آویں۔ مومن کا جوہر تو مصائب اور تکالیف کے بعد کھلتا ہے۔"

پس مومن تو مصائب میں اپنا قدم راہ خدا میں اور آگے بڑھاتا ہے اور ان کو بلندی درجات کا سبب سمجھتا ہے اور یہ سچ ہے کہ بغیر مشکلات کے آزمائش میں سے گزرنے کے اس کا وصال

ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور تمام حسن کا منبع ہے لہٰذا جمال کی لذتیں تو اس کے لئے ہیں۔ جو اس کی قیمت ادا کر سکے۔ پس قیمت جمال یار کی تو جان ہے اور اس کی راہ میں مصائب کا برداشت کرنا ہے۔ جو مصائب سے گھبراتا ہے وہ جمال یار سے کیسے لطف اندوز ہو سکتا ہے۔ جن خوش قسمت وجودوں کو وہ ملا۔ مصائب اور جان دینے کے بعد ملا۔

عاشق جو ہیں یار کو مر مر کے پاتے ہیں
جب مر گئے تو اس کی طرف کھنچے جاتے ہیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دنیا میں سب سے زیادہ مصائب مجھ پر آئے اس لئے جمال کی لذتیں بھی حضور کو سب سے زیادہ ملیں (اللھم صلی علی محمد) پس سب سے زیادہ مصائب انبیاء پر اور ان کے بعد درجہ بدرجہ صلحاء اور اتقیاء پر آتے ہیں اور اسی لحاظ سے ان کے درجات ہیں جس کسی نے جیسا رتبہ پایا اسی نسبت سے مصائب سے گزرنے کا امتحان بھی دیا۔ پس اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو وفا' صدق اور اخلاص کی قدر ہے اور اسی لحاظ سے رتبے ملتے ہیں وفا کا امتحان مصائب کی بھٹی میں ڈال کر لیا جاتا ہے۔

یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو نہیں ملتا جو آرام و آسائش کی زندگی بسر کرتے ہیں یا جو عیش کوش ہیں بلکہ وہ تو ان کو ملتا ہے جو تہی دستان عشرت ہیں۔

کہ مے خواہد نگار من تہی دستان عشرت را

پس وہ یار ازل صوفوں میں لیٹنے والوں' ایئر کنڈیشنڈ کوٹھیوں میں رہنے والوں اور نیز ہر قسم کے آرام و راحت کے سامان اکٹھا کرنے کی تگ و دو میں جان ہلکان کرنے والوں کو نہیں ملا کرتا اس کے ملنے کا راستہ تو وہی ہے جو ابرار و اخیار کا ہے۔ اور اسی راستہ سے اس کی تلاش ہوگی۔ اس کے بغیر کامیابی ممکن ہی نہیں۔ اگر دنیا میں آرام و راحت سے زندگی بسر کرنے کی خواہش ہے تو خیال یار کو ترک کرنا پڑے گا۔ ارشاد ربانی ہے والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا اس میں لفظ مجاہدہ لگاتار کوشش اور مصائب کو چاہتا ہے کیونکہ اس کے بغیر منزل مراد ہاتھ میں نہیں آتی۔ صوفیاء کہتے ہیں کہ جو مزا جستجو اور تلاش یار میں ہے وہ وصال میں کہاں کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ۔

لذت صحرا نوردی دوری منزل میں ہے

اور یہ سچ ہے کہ جو مزا اللہ تعالیٰ کی راہ میں رنج و غم اٹھانے کا ہے وہ راحت و آرام میں کہاں حضرت رابعہؓ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو غم کب ہوتا ہے۔ فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوئی غم نہ ہو۔ صحابہ کرام ﷺ کی حالت پر نظر کی جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشنودی کا سرٹیفکیٹ اس وقت ملا جب انہوں نے خدا کی راہ میں اپنا مال و جان، عزت و آبرو سب کچھ قربان کر دیا۔ اور ہر مشکل کو قبول کیا۔

پس خدا کی راہ میں بندہ کو جو مشکلات پیش آئیں چاہے مالی ہوں یا جانی۔ عزیزوں کے متعلق ہوں یا دوستوں کے متعلق۔ تو ان سے گھبرانا نہیں چاہئے بلکہ ان کو ترقی کے لئے زینہ سمجھنا چاہئے۔ مومن تو مصائب میں پڑ کر اپنا رشتہ اللہ تعالیٰ سے اور مضبوط کر لیتا ہے اور انعامات کا حقدار بنتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "مصائب اور تکالیف تو...... بندے کو اپنے رب سے ملاتے ہیں"۔ ایک اور موقعہ پر فرمایا کہ

"ایمان کامل کا مزہ تو ہم و غم کے دنوں میں آتا ہے۔ خدا تعالیٰ جب کسی کو اپنی طرف کھینچتا ہے تو اس کا راستہ ابتلاؤں سے ہو کر گزرتا ہے۔ ابتلاء مومن کے ایمان کو مضبوط کرنے کا ذریعہ ہے۔ کیونکہ اس وقت روح میں عجز و نیاز اور دل میں سوزش اور جلن پیدا ہو جاتی ہے۔ جس سے وہ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے۔"

پھر غم غم نہیں رہتا انسان کا مستقل تعلق تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ حضرت مسیح موعود بھی اکثر فرمایا کرتے تھے۔

خدا داری چہ غم داری

یعنی جب خدا ہمارا ہو تو پھر کس چیز کا غم ہے۔ پس ضروری ہے کہ انسان اپنے اندر جذبہ شکر گزاری پیدا کرے اور ہر حال میں راضی برضا رہے۔

کوئی راہ نزدیک تر راہ محبت سے نہیں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:۔

"خدا تعالیٰ نے اس گروہ کو اپنا جلال ظاہر کرنے اور اپنی قدرت دکھلانے کے لئے پیدا کرنا اور ترقی دینا چاہا ہے تا محبت الٰہی دنیا میں پھیلے۔"

ان ملفوظات کے پیش نظر اس جماعت کا پیدا ہونا خدا تعالیٰ کے جلال کے ظہور اور اس کی قدرت نمائی کے لئے ہے تا دنیا والوں کو خدا تعالیٰ کی ہستی کا یقین ہو جائے اور وہ جان لیں کہ ان کا خدا بے انداز قدرتوں کا مالک ہے۔ اور صرف اس کی ذات ہی محبت کے لائق ہے۔ پس اس جماعت کا قائم ہونا اور عظیم مخالفتوں کے باوجود بتدریج بڑھتے چلے جانا خدا تعالیٰ کی قدرت کا ایک نشان ہے۔ دشمنوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ اس پودہ کو مسل ڈالیں۔ لیکن اس قدرت والے خدا نے اس کو قائم رکھا۔ اس کی نشو و نما کی اور اب یہ پودہ بڑھتے بڑھتے ایک تناور درخت بن گیا ہے۔ اب اس کا کاٹنا کسی کے بس کا روگ نہیں بلکہ یہ درخت اب ساری دنیا پر محیط ہو جائے گا اور وہ وقت قریب ہے کہ قومیں اس کے سایہ دار پھلوں سے مستفیض ہوں گی۔ زمین و آسمان ٹل سکتے ہیں لیکن خدا کی باتیں ٹل نہیں سکتی۔ مامور من اللہ کا کلام ہے جو حرف بحرف پورا ہو گا اور کوئی نہیں جو اسے روک سکے۔ اگر دنیا کی ساری قومیں اس کے مقابلہ کے لئے کھڑی ہو جائیں تو وہ ناکام ہونگی۔ اور احمدیت دنیا میں پھلے گی اور پھیلے گی۔

پس اب ضرورت ہے صرف اس امر کی ہے کہ ہم لوگ جو اس جماعت سے وابستہ ہیں اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں اور تقویٰ اور طہارت اخلاص و وفا میں بڑھتے چلے جائیں تا خدا تعالیٰ کی محبت دنیا میں پھیلے۔ ہم خدا تعالیٰ سے محبت کرنے والے اور اس کے رضا کی راہوں کو ڈھونڈنے والے ہوں۔ اور ہمارا مقصود اور مطلوب وہی ہو۔ غیر اللہ کا خیال دل سے نکل جائے اور صحیح معنوں میں ہمارے اندر لا الٰہ الا اللہ آجائے۔ یعنی سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کچھ نہ رہ جائے۔ ہم صحیح معنوں میں خدا پرست بن جائیں۔ دنیا پرست' ہوس پرست یا نفس پرست نہ

ہوں۔ پس ضروری ہے کہ ہم تقویٰ طہارت اور دیانت میں بڑھتے بڑھتے محسنین بن جائیں کیونکہ تقویٰ انسان کو محسن 'اہل سرور اور اہل حسن و عشق بناتا ہے اور نفس کو منکرات سے بچا کر نفس مطمئنہ بنا دیتا ہے۔ اور جب نفس مطمئنہ بن جائے تو وہ بارگاہ جمال کی بزم میں پہنچ جاتا ہے جہاں سرور حسن کے جلوے۔ قرب و جوار حضور کی سعادت اور ہمکلامی کا شرف ملتا ہے۔ پس دید دوست زندگی بھی ہے اور حاصل زندگی بھی کسی نہ کیا صحیح کہا ہے کہ۔۔۔

جسے تیری محبت مل گئی ہے
اسے دنیا میں جنت مل گئی ہے

لیکن اصل چیز تو خدا اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت اور اسی سے انسان قرب کی منزل طے کرتے کرتے انعام یافتہ گروہ میں شامل ہو جاتا ہے یاد رکھو کہ جسے خدا اور رسول ﷺ کی اطاعت میں لذت ملے اور نفس کی خواہشات مٹ جائیں تو سمجھ لو کہ وہ کامیاب ہو گیا بامراد ہو گیا۔ کیونکہ اطاعت سے معرفت 'معرفت سے محبت اور محبت سے عشق پیدا ہوتا ہے جو حاصل زندگی ہے اللہ والے سچ کہتے ہیں کہ عشق محرم راز ہے اور عقل تماشائی ہے۔۔

بو علی اندر غبار ناقہ گم
دست رومی پردہ محمل گرفت

لوہا جب آگ میں ڈالا جاتا ہے تو وہ آگ کی گرمی سے اپنے وجود کو مٹا کر آگ بن جاتا ہے۔ اور اس سے آگ کے خواص ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ صوفیاء کہتے ہیں کہ جب عاشق پر عشق کا غلبہ ہوتا ہے۔ تو وہ محبوب کی ذات میں فنا ہو جاتا ہے۔ کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ اپنے وجود کو کھو کر یک رنگ ہو جاتا ہے یہی عشق کی علامت ہے۔ انسان جب اللہ تعالیٰ کی محبت میں فنا ہو جاتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی صفات کا پرتو پڑتا ہے جس سے وہی صفات ظاہر ہونا شروع ہوتے ہیں۔ جو خدا تعالیٰ کے ہیں یہی وجہ ہے کہ عاشقان الٰہی جو بات بھی منہ سے کہہ دیتے ہیں وہ اسی طرح ہو جاتی ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دوست جب دعا کی درخواست کرتے تو حضور فرماتے اچھا دعا کریں گے۔ تو وہ بات اسی طرح ہو جاتی ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ صرف توجہ سے خدائی تقدیر اسباب کا رنگ پکڑ لیتی اور وہ کام ہو جاتے۔

حضرت منشی ظفر احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کپور تھلہ والے حضور کے پسندیدہ غلاموں میں

سے تھے اور ان چند خوش نصیب انسانوں میں سے تھے۔ جن کو حضور کی صحبت نے کندن بنا دیا تھا فرماتے ہیں کہ ایک دن میں اور منشی اروڑہ خان اکٹھے قادیان آئے ہوئے تھے۔ سخت گرمی کا موسم تھا بارش رک گئی تھی جب ہم رخصت ہونے لگے تو منشی اروڑہ خان صاحب نے حضرت صاحب کو عرض کی۔ کہ حضور گرمی سخت ہے ایسی دعا فرما دیں کہ ایسی بارش ہو کہ بس اوپر بھی پانی ہو اور نیچے بھی پانی ہو۔ حضرت صاحب نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ اچھا اوپر بھی پانی ہو اور نیچے بھی پانی ہو۔ میں نے ساتھ ہی ہنس کر یہ عرض کیا کہ حضور یہ دعا ان کے لئے کریں میرے لئے نہ کریں۔ (میں ذرا بے تکلف تھا) آپ اس پر مسکرا دیئے۔ جب ہم قادیان سے باہر نکلے بادل کا نشان نہ تھا۔ یکلخت بادل آیا اور بارش شروع ہوئی کہ سب جل تھل ہو گیا۔ راستے میں کنارے کے گڑھے پر ہو گئے ہمارا یکہ خندق کے پاس سے گزر رہا تھا ایسا ہوا کہ وہ یکلخت الٹ گیا۔ اور اتفاق ایسا ہوا کہ منشی صاحب خندق کے درمیان میں جا گرے اور میں اوپر۔ منشی صاحب کے اوپر بھی پانی اور نیچے بھی پانی اور میں بچ گیا۔ دونوں کو چوٹ نہ آئی۔ میں نے ہنس کر کہا کہ لو اوپر بھی پانی اور نیچے بھی پانی۔ اس قسم کی دعا اور بھی کرا لو۔ پھر سارا راستہ ہنستے مسکراتے ہوئے گزارا روی سچ کہتا ہے۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود

گرچہ از حلقہ عبداللہ بود

ما رمیت از رمیت کے بھی یہی معنی ہیں۔ حضور کی ذرا سی توجہ سے خدا تعالیٰ کی قدرت کا ظہور ہوا اور وہ بات پوری ہو گئی جو ان دونوں نے کہی تھی۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ منشی ظفر احمد صاحب سناتے ہیں کہ میں کپور تھلہ کی ایک عدالت میں اپیل نویس تھا۔ یہ عارضی ملازمت تھی اور تنخواہ بھی قلیل تھی۔ بظاہر میری ترقی کی کوئی امید نہ تھی ایک دفعہ میں حضور کے پاؤں دبا رہا تھا۔ عرض کیا کہ "حضور مجھے اپیل نویس ہی رہنے دینا ہے۔"

حضور نے فرمایا کہ اس میں آزادی ہے آپ اکثر ہمارے پاس آ جاتے ہیں اور زیادہ عرصہ تک جاتا ہے۔ پھر کچھ وقفہ کے بعد فرمایا۔ اچھا یوں ہو کہ منشی اروڑہ خان کہیں اور چلے جائیں (وہ سرشتہ دار تھے) اور آپ ان کی جگہ ملازم ہو جائیں۔ خدا کی شان کی بات من و عن اس طرح

پوری ہوئی۔ حضور کی زندگی تک تو میں اپیل نویس رہا اور حضور کی خدمت میں کثرت سے حاضر رہا۔ وصال کے بعد منشی اروڑہ خان صاحب نائب تحصیلدار ہو گئے اور میں سرشتہ دار لگ گیا۔ پھر رفتہ رفتہ ترقی کرتے کرتے ہائی کورٹ کا رجسٹرار ہو گیا وہ یوں ہوا کہ جس جج کے ساتھ میں کام کرتا تھا وہ آہستہ آہستہ ججی کے عہدہ سے ترقی کر کے چیف جج بن گیا۔ اور وہ مجھے بھی ساتھ لے گیا۔

سبحان اللہ و بحمدہ

تیری نگاہ سے ذرے بھی مہر و ماہ بنے
گدائے بے سروساماں جہاں پناہ بنے

یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کتنا شاندار مظاہرہ ہے۔ کہ جو کچھ حضور نے فرمایا وہی پورا ہوا پس جب اللہ تعالیٰ کا بندہ محسنین کے گروہ میں شامل ہو جاتا ہے تو اس کی ہر بات حسین بن جاتی ہے۔ اور اس سے خدائی صفات ظاہر ہونے لگتی ہیں۔ اس بات کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور رنگ میں سمجھا دیا ہے کہ جب بندہ اپنے مولیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے نوافل کے ذریعہ سے اس کی اطاعت میں بڑھتا ہے۔ یعنی صرف فرائض کی بجا آوری سے اس کی تسکین نہیں ہوتی۔ زوائد کو بھی اپنا شعار بناتا ہے اور اطاعت اور محبت میں بڑھتا چلا جاتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کی زبان بن جاتا ہے جس سے وہ بولتا ہے۔ ہاتھ بن جاتا ہے جس سے پکڑتا ہے۔ پاؤں بن جاتا ہے جن سے چلتا ہے۔ آنکھیں بن جاتا ہے جن سے وہ دیکھتا ہے گویا تخلقوا باخلاق اللہ کے رنگ میں رنگین ہو کر خدائی صفات کا مظہر بن جاتا ہے اور یہ عبادت کا کمال ہے۔

پس اے جماعت احمدیہ کے پاک گروہ سے تعلق رکھنے والو اپنے آپ کو بقول حضرت مسیح موعود اللہ تعالیٰ کا جلال ظاہر کرنے والا اور اس کی قدرت دکھانے والا بنو اطاعت اور اخلاص و وفا میں اس قدر ترقی کر لو کہ حضور کی یہ بات بھی ثابت ہو جائے کہ تم ہی وہ لوگ ہو جن کے متعلق حضور نے یہ علامت بتلائی اور جب یہ بات ہو گی۔ تو اللہ تعالیٰ کے غلبہ کا دن بھی قریب آ جائیگا۔ انشاء اللہ

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما
اے طبیب جملہ علت ہائے ما

حضرت نبی کریم ﷺ کو جب نیا پھل بطور تحفہ پیش کیا جاتا تو حضور ﷺ اس کو چومتے اور آنکھوں سے لگاتے اور فرماتے کہ یہ میرے رب کی طرف سے تازہ تحفہ ہے۔ یہ سچ ہے کہ محبوب کی چیز بھی محبوب ہوتی ہے اور انسان اس سے پیار کرتا ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ انسان اس دنیا میں اس لئے آیا ہے کہ وہ اپنے رب محسن کی معرفت حاصل کر کے اس سے محبت کرے۔ قرآن کریم میں آیا ہے والذین امنوا اشد حبا للہ یعنی مومن کو تو شدید محبت اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے اور یہی علامت اس کے مومن ہونے کی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی محبت اس کے دل پر غالب ہے تو وہ سچا مومن ہے ورنہ نہیں۔ اسی لئے سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ اگر دنیا میں کسی اور کے لئے محبت جائز ہوتی تو میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے محبت کرتا۔ مگر محبت خدا تعالیٰ کے لئے خاص ہے باقی مخلوقات کے لئے اخوت اور برادری ہے۔

پس اللہ تعالیٰ انسان سے یہ چاہتا ہے کہ وہ اس سے خالص محبت کرے اور اسی کا ہو جائے وہ غیر مشروط اطاعت اور محبت چاہتا ہے۔ وہ اپنی محبت میں کسی کو شریک نہیں کرنا چاہتا کیونکہ اس کی غیرت شرکت کو گوارا نہیں کرتی۔ جس دل میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی محبت ہو وہ رد کر دیا جاتا ہے۔ اس میں بھی شرک ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ انسان کے دل سے یہ آواز آئے ان صلوتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العلمین اور جب تک یہ کیفیت نہ ہو انسان کسی قدر کے لائق نہیں دل تو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے بنایا ہے اگر اسی دل میں غیر کا سودا یا دنیاوی خواہشات ہوں تو وہ کس طرح قبول ہو سکتا ہے۔ وجہ تخلیق آدم تو اللہ تعالیٰ کی محبت اور معرفت ہے۔ انسان کے ضمیر میں تو اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت پوشیدہ رکھی ہے اور وہ اسی جذبہ کے ماتحت حسن ازلی کی تلاش میں رہتا ہے اور جب وہ اسے نہیں پاتا تو اپنے ذوق کی تسکین

کے لئے دوسری مخلوقات سے محبت کرنے لگ جاتا ہے۔ وہ مجاز کو حقیقت سمجھ لیتا ہے اور اسی میں لذت پاتا ہے اور یہ سچ ہے کہ محبت میں جو لذت ہے وہ دنیا کی کسی اور چیز میں نہیں اس لذت کو وہی سمجھتے ہیں جو اس کوچہ سے آشنا ہیں۔ غرض اللہ تعالیٰ کی محبت تو ایک پاکیزہ اور بلند چیز ہے اور جسے حاصل ہو جائے اس کی خوش قسمتی میں کیا شک ہے۔ لیکن ادنیٰ مخلوق کی محبت کو بھی انسان آسانی سے نہیں چھوڑ سکتا۔ لکھا ہے کہ جب قیس لیلیٰ کی محبت میں پاگلوں کی طرح پھرنے لگا تو اس کے باپ کو بہت غم ہوا وہ اسے مکہ لے آیا اور خانہ کعبہ کے دامن میں پکڑ کر اس نے کہا کہ اے قیس! خدا سے دعا مانگ کہ وہ تمہارے گناہ معاف کرے اور لیلیٰ کی محبت کو دل سے نکال دے۔ قیس نے رو کر کہا۔ خدایا میں ہر گناہ سے توبہ کرتا ہوں لیکن عشق لیلیٰ سے توبہ نہیں کرتا اسے اور بڑھا دے کیونکہ یہ میری زندگی بھی ہے اور حاصل زندگی بھی۔

الٰہی تبت عن کل المعاصی
ولاکن حب لیلیٰ لا اتوب

پس انسان جب ایک ادنیٰ مخلوق کی محبت میں جو سراسر عارضی اور بے بنیاد ہے لذت پاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی محبت میں جو پاکیزہ اور دائمی ہے کتنی لذت ہوگی۔ پس کتنا مبارک اور خوش قسمت ہے وہ انسان جسے اللہ تعالیٰ سے ذاتی محبت ہو جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "جس شخص کو زندگی میں صرف ایک بار ی اللہ تعالیٰ کی محبت کا جلوہ نظر آجائے اور اس سے ہمکلامی کا شرف مل جائے تو وہ ساری عمر اس میں مست رہے گا"۔ یہی وجہ ہے کہ اھل اللہ اور عارفین جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی محبت کو پالیا ہے ہر وقت اس میں سرشار رہتے ہیں اور ان کے لئے خدا کی راہ میں جان دینا آسان ہو جاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ محبت ہی تمام اعمال کا سرچشمہ ہے۔ عقل گریز کی راہیں تلاش کرتی ہے لیکن عاشق نافرمانی نہیں کر سکتا بلکہ محبوب کے ہر حکم پر مرمٹنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ اسے لٹ کر اور لٹا کر کتنا مزا آتا ہے عاجزی اس کا شیوہ اور اطاعت اس کی زندگی بن جاتی ہے محبت کی فطرت ہی یہی ہے کہ وہ ہر چیز محبوب کی راہ میں قربان کرنے کے لئے بیقرار رہتی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ محبت سب کچھ نثار کرنے کے بعد بھی مطمئن نہیں ہوتی یہی چاہتی ہے کہ ہزار جان ہوتی تو نثار کر دی جاتی۔

یک جان چہ کنند سعدی مسکین کہ دو صد جان

سازیم فدائے سگ دربان محمد

یاد رہے کہ محبت بھی دو قسم کی ہوتی ہے ایک صفاتی اور دوسری ذاتی۔ صفاتی محبت تو وہ ہے کہ جب تک وہ صفت رہے۔ محبت بھی رہے ورنہ ختم ہو جائے۔ لیکن ذاتی محبت مٹ نہیں سکتی اور یہی اصل محبت ہے اگر محبت ذاتی ہو جائے تو چاہے محبوب تغافل کرے یا ستم کرے محبت میں کمی نہیں آتی۔ وہ ستم کو کرم اور جفا کو عطا سمجھتا ہے اور اس کا جذبہ عشق اور تیز ہو جاتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جنتیوں سے پوچھیں گے بتاؤ تم میں سے کون ہے جو دنیا میں واپس جانا چاہتا ہے۔ جنتی کہیں گے۔ خدایا! اب دنیا میں جا کر کیا کریں گے اب وہاں کیا رکھا ہے مشکل سے تیرا قرب ملا ہے اب وہاں جانے کا کیا کام۔ لیکن شہید کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم دنیا میں جانا چاہتے ہیں یہی آرزو ہے کہ دنیا میں جائیں اور پھر تیری راہ میں قربان ہوں۔ پھر زندہ ہوں' پھر شہید ہوں' پھر زندہ ہوں' پھر شہید ہوں۔ غرض یہی دور چلتا رہے کیونکہ تیری راہ میں جان دیتے وقت ہمیں جو مزا ملا تھا وہ کسی اور چیز میں نہیں پایا جاتا اس وقت جو ہمارا اعزاز و اکرام ہوا تھا اور جس محبت کی نظر سے تو نے اس وقت دیکھا تھا وہ ہمیں بھول نہیں سکتا دل چاہتا ہے کہ وہ کیفیت ہمیشہ تازہ رہے۔

"پس محبت ہی ہے جو قرب عطا کرتی ہے دنیا کی نظر میں فاصلے ہوں تو ہوں لیکن عشق کے آگے فاصلے کا کوئی سوال نہیں جو ہستی نگاہوں میں بس رہی ہو۔ دل میں جاگزین ہو' خیالات میں تصورات میں ہو وہ دور کیسے ہو سکتی ہے۔ وادی نجد ہزار دور سہی لیکن قیس اس بعد کو تسلیم نہیں کرتا اس کے لئے منزل لیلیٰ دور نہیں اور یہ سچ ہے کہ۔

اگر دل محرم راز جمال یار ہو جائے
یہیں اک طور بن جائے یہیں دیدار ہو جائے

پس انسان کا مقصد حیات تو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کا وصال ہے لیکن اس کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ نفس امارہ ہے۔ یہ بڑا سرکش اور فتنہ ساماں ہے اس کا زیر کرنا بے حد مشکل ہے۔ جب تک نفس نہ مرے دل زندہ نہیں ہوتا اور جب تک دل زندہ نہ ہو اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا نہیں ہو سکتی۔ پس نفس کو مارنے کا صرف ایک ہی علاج ہے اور وہ محبت ذات باری ہے۔ محبت ہی دل میں عاجزی اور فروتنی پیدا کر دیتی ہے اور جب دل میں عاجزی اور مسکینی پیدا

ہو جائے تو نفس خود بخود مر جاتا ہے۔ مولانا روم نے صحیح کہا ہے کہ عشق ہی نفس کی کل بیماریوں کا علاج ہے۔

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما
اے طبیب جملہ علت ہائے ما

اگر انسان کے دل میں محبت الٰہی پیدا ہو جائے تو تمام برائیاں خود بخود مٹ جاتی ہیں انسان ہر حکم کی اطاعت کے لئے کمربستہ ہو جاتا ہے اور اس میں فروتنی اور عاجزی آجاتی ہے اور یہی عجز و نیاز محبت کا دوسرا نام ہے۔

سرائی جمال یار کی ہیں عجز و انکسار
سب سے بڑا حجاب سر پر غرور ہے
(مصلح موعود)

پس مبارک ہے وہ دل جو خدا تعالیٰ کی محبت میں پر ہے مبارک ہے وہ آنکھ جو خدا تعالیٰ کے غم میں تر ہے اور مبارک ہے وہ جان جو رب کریم کی اطاعت میں محو ہے۔

عشق حقیقی کے کرشمے

انسان کا مقصد حیات تو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور محبت ہے اور محبت کی علامت بندگی اور نیاز ہے۔ محبت میں محب اپنی رضا کو محبوب کی رضا پر قربان کر دیتا ہے اور وہ ہر عمل کرنے کو تیار ہوتا ہے جس سے اس کا محبوب خوش ہو جائے۔ محبت کا منبع دل ہے دماغ نہیں لیکن ہوش اور خواہشات کی باگ ڈور تو عقل کے ہاتھ میں ہے جو مفاد پرست ہے۔ عقل نے ہمیشہ اپنے مفاد کو ملحوظ رکھا ہے اور محبت کے پیش نظر محبوب کو رضا ہی ہے۔ محبت رضاء دوست کے لئے قربانی دے کر جھومنے لگتی ہے۔ ایثار کے بعد اسے یہ احساس رہتا ہے کہ مال و جان کی محبوب اسے حقیر جان کو قابل التفات نہ سمجھے۔ لیکن عقل کی یہ عادت نہیں۔ وہ ہر میدان میں ترازو لے کر پہنچتی ہے۔ چاہتی ہے کہ اس کا پلڑا بھاری رہے اور محبت جان دے کر بھی سودا کرتی ہے تو سمجھتی ہے کہ سستا ہے۔ ازل سے اس کا نعرہ یہ ہے۔

ہووے
اگر قیمت نہ جاں ہووے چہ

عقل اپنے لئے سہولتیں تلاش کرتی ہے اس لئے کہ وہ سہل انگار ہے۔ عشق جفا پیشہ ہے وہ سہولتیں تلاش نہیں کرتا۔ مشکلات کو آسان بنا کر چھوڑتا ہے اپنا نام و نشان مٹا کر محبوب کی عظمتوں کو اجاگر کرنا عشق و محبت کی سب سے بڑی آرزو ہوتی ہے اور عقل ہر جگہ اپنی ہی برتری چاہتی ہے۔ رزم ہو یا بزم دونوں جگہ وہ اپنا بھلا چاہتی ہے۔

عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے
حکیم
عشق بیچارہ ہے نہ ملا

محبت اپنی...... کی پاکیزگی کی وجہ سے واصل منزل ہے اور عقل کے مقدر میں گمراہی کے اندھیرے ہیں۔ یہ کامیاب ہو کر بھی ناکام رہتی ہے اور محبت ناکامیوں میں بھی وہ مزے لوٹتی ہے جو کامیابیوں سے ہمکنار ہونے والوں کو نصیب نہیں ہو سکتے۔ نصیب اپنا اپنا ہے۔ ایک کے مقدر میں ظلمتیں لکھ دی گئی ہیں اور ایک سراپا نور، محرم راز اور تجلی کا پیغام ہے۔ دنیا کے فلسفی

اندھیروں اور ظلمتوں میں بھٹکتے رہتے لیکن خرقہ پوش محبت کرنے والوں کو حسن ازل ملا اور وہ داخل لذت ہو گئے۔

پس حاصل چیز تو قربانی ہے جو بارگاہ حسن میں بہ ناپڑتی ہے۔ قربانی دیئے بغیر بندے کی رضا بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ ایک دوست کی رضا حاصل کرنے کے لئے بھی بسا اوقات سخت سے سخت ترین مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ جانی اور مالی نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے اور کبھی آبرو کو لاحق ہونے والے خطرات برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ محبت چیز ہی ایسی ہے کہ قربانی کا مطالبہ کرتی ہے یہ پودا ہی ایسا ہے جس کی آبیاری کے لئے آرزوؤں اور تمناؤں کا خون درکار ہوتا ہے اس پر بہار آ ہی نہیں سکتی جب تک اس کی خون سے آبیاری نہ کی جائے۔ بعض جگہ جان قربان کرنے سے بھی ذوق کی سیرابی نہیں ہوتی۔ جی یہی چاہتا ہے کہ ہزار جانیں ہوتی تو قربان کر دیتا۔

یک جان چہ کند سعدی مسکیں کہ دو صد جاں
سازیم فدائے سگ دربان محمد

انسان میں مسکینی بھی محبت ہی پیدا کر سکتی ہے۔ عقل سرفرازوں کی گردن کو اونچا کر سکتی ہے۔ لیکن جھکا نہیں سکتی۔ یہ اعزاز محبت ہی کو حاصل ہے کہ وہ ساری سرفرازیاں محبوب کی بارگاہ میں قربان کر دینے کو اپنے لئے موجب فخر سمجھتی ہے۔ عقل لوٹنا جانتی ہے۔ لٹنا صرف محبت کا شیوہ ہے اسے لٹ کر مزا آتا ہے۔ پروانے نے ادائے جاں نثاری کسی حکمت میں رہ کر نہیں سیکھی۔ سوز اس کی فطرت میں موجود تھا۔ شمع کو دیکھا تو جل گیا۔ حضرت صدیقؓ نے شمع رسالت ﷺ کو دیکھا تو ادائے جاں نثاری سے صدیق کے رتبے کو پہنچ گئے۔ یہ سب محبت کی کرشمہ سازیاں ہیں۔

لکھا ہے کہ ایک مرتبہ صحابہؓ کی جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھی۔ ایک جگہ قیام کیا تو حضور ﷺ نے دیکھا کہ اونٹوں پر جو چادریں پڑی ہیں ان میں سرخ ڈورے بھی ہیں۔ حضور ﷺ نے صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ:

"میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ سرخی تم پر غالب آ رہی ہے"۔

زبان نبوت ﷺ سے یہ الفاظ سن کر صحابہؓ اس بے تابی کے ساتھ اونٹوں سے چادریں اتارنے کے لئے دوڑے کہ ان کا اضطراب دیکھ کر اونٹ بھی بدک ~~گئے~~ صحابہؓ کو اس وقت چین

آیا جب انہوں نے چادریں اتار دیں۔
محبت کی فطرت ہی یہ ہے کہ وہ محبوب کی رضاء کو اپنی رضاء پر مقدم جانتی ہے۔ چادروں میں سرخ ڈوری کا ہونا بظاہر کوئی بری بات نہ تھی۔ لیکن صحابہؓ نے جب دیکھا کہ ان کی یہ ادا حضور ﷺ کو پسند نہیں تو وہ قیل و قال میں پڑنے کی بجائے چادریں اتارنے کے لئے دوڑ پڑے۔ عقل اس موقع پر کئی حیلے تراش سکتی تھی کہا جا سکتا تھا کہ سرخ ڈورے والی چادروں کا ہمارے دل پر کوئی اثر نہیں۔ یہ محض اونٹوں کی زیبائش کے لئے ڈالی گئی ہیں۔ لیکن صحابہؓ کے پاس حیلے تراشنے والی عقل نہ تھی۔ ان کے پاس محبت سے لبریز دل تھا۔ محبت کی دنیا میں عقل کے فیصلے نہیں ہوتے۔ یہاں دل کی حکمرانی ہوتی ہے۔ دل کے مفتی نے اقلیم محبت میں کبھی غلط فیصلہ نہیں دیا۔ یہ ہمیشہ صحیح رہنمائی کرتا ہے۔ یہ جو صحابہؓ چادریں اتارنے کے لئے دوڑے تو کیا یہ عقل کی مطابقت تھی؟ عقل والہانہ انداز سے اطاعت کے لئے کب دوڑ سکتی ہے؟ وہ تو گریز کی راہیں ڈھونڈتی ہے۔ چادریں اتارنے کے لئے صحابہؓ کی دوڑ معلوم ہوتی تھی۔ لیکن درحقیقت یہ محبت کی دوڑ تھی۔ وہی محبت جو صحابہؓ کی رگوں میں خون بن کر رواں تھی۔ محبت نہ ہو تو والہانہ پن کا صدور ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ تو ساری محبت کی ادائیں ہیں محبت کے فیوض ہیں اور محبت کے کرشمے ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

سب کرشمے ہیں تمہاری جلوہ گاہ ناز کے
ولولے بڑھتے ہیں اپنی وسعت پرواز کے
عشق دیوانہ ہے دنیا کو دیوانہ کرے
کھیل کیا کیا ہیں تیری چشم کرشمہ ساز کے
دل کی دنیا ہی بدل دی اک نگاہ ناز نے
ہم تو قائل ہی نہ ہوتے تھے کسی اعجاز کے

حضرت ہاجرہؓ کے دل میں بیٹے کی محبت تھی جس نے انہیں صفاء اور مروہ کے درمیان دوڑنے پر مجبور کر دیا۔ اسماعیل علیہ السلام کے قدموں میں جو چشمہ پھوٹ نکلا وہ کیا تھا؟ وہ ہاجرہ کی محبت کا پرتو ہی تو تھا۔ بیٹے کے لئے پانی کی تلاش میں دوڑنے والی ماں کی محبت بارگاہ جلال میں قبول ہو گئی اور ہر سال اس گھر میں آنے والوں کے لئے یہ لازم قرار دے دیا گیا کہ وہ اسی طرح دوڑیں جس

طرح ہاجرہ دوڑی تھی۔ اتنے ہی چکر کاٹیں جتنے ہاجرہ نے کاٹے تھے۔ انہی پہاڑوں میں والہانہ پن کا اظہار کریں جہاں محبت نے اضطراب کی شکل اختیار کی تھی۔

محبت کا اضطراب چونکہ ایک نعمت ہے اس لئے اسے مٹنے نہیں دیا۔ اس کی مستقل یادگار قائم کردی گئی۔ شاہ ہو یا گدا اسے وادی محبت میں پہنچ کر دوڑنا ہی پڑے گا۔ ہاجرہ کی تقلید کرنی ہی پڑے گی۔ وہی ادائیں دکھانی ہوں گی جو محبت نے دکھائی تھیں ورنہ حج قبول نہ ہوگا۔ بارگاہ جمال میں مقبولیت حاصل نہ ہوگی۔ کیونکہ محبت کی بارگاہ سے ٹھکرائے ہوئے انسان کو نہ سکون ملتا ہے نہ پناہ۔ عقل کیا سکون بخشے گی وہ تو خود مضطرب ہے۔ پریشان ہے۔ عقل جتنی بڑھتی جاتی ہے۔ اضطراب میں اسی قدر اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ لیکن جب محبت جان و دل دے کر معراج کمال حاصل کرلیتی ہے تو تسکین روح کا سامان بن جاتی ہے۔ پس محبت زندگی بھی ہے اور حاصل زندگی بھی اور یہ حسن حقیقی سے ہو تو یہ دولت لازوال اور مسرت بے مثال ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے محبوب حقیقی کو غلبہ عشق میں کس والہانہ انداز سے پکارا تھا۔

تیرے کوچہ میں • کن راہوں سے آؤں
وہ خدمت کیا ہے جس سے تجھ کو پاؤں
محبت ہے کہ جس سے کھینچا جاؤں
خدائی ہے خودی جس سے جلاؤں
محبت چیز کیا کس کو بتاؤں
وفا کیا راز ہے کس کو سناؤں
میں اس آندھی کو اب کیونکر چھپاؤں
یہی بہتر کہ خاک اپنی اڑاؤں
کہاں ہم اور کہاں دنیائے مادی
فسبحان الذی اخذی الاعادی

سب غیر ہیں وہی ہے۔ اک دل کا یار جانی

(مسیح موعود)

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو نعمتیں دے کر اتنا خوش ہوتا ہے کہ جتنا کہ بندہ لیکر خوش نہیں ہوتا۔ اس کا معاملہ تو ماں کی مامتا کی طرح ہے بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ ہے۔ جیسے ماں بچے کو کھلا پلا کر نہلا کر اور کپڑے پہنا کر خوش ہوتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی خوش ہوتا ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ بندہ فرمانبردار ہو۔ اپنے رب کی اطاعت سے نکل جانے والا نہ ہو۔ ناخلف اولاد سے جیسا کہ ماں باپ ناراض ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی بندہ سے ناراض ہو جاتا ہے۔ جب کہ وہ نافرمانی کرتا ہے تو اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں یوں بیان فرماتا ہے۔ واذا کروالله کذکرکم ابالکم...... یعنی اپنے پیدا کرنے والے رب کو ماں باپ کی طرح مہربان اور محبت کرنے والا سمجھ کے یاد کیا کرو بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ یعنی جس طرح ماں باپ اپنے بچوں کے لئے سراسر رحمت اور شفقت ہیں اسی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ خدا اپنے بندوں پر رحمت اور شفقت کرنے والا ہے یاد رکھو کہ ماں باپ سے تعلق تو اس زندگی کے بعد ٹوٹ جاتا ہے لیکن خدا تعالیٰ سے بندہ کا تعلق ایسا ہے جو مر کر بھی نہیں ٹوٹتا۔ پس ایسی شفیق ذات سے مضبوط تعلق رکھنا اور اس کی اطاعت اور فرمانبرداری میں محو رہنا انسان کی خوش نصیبی ہے اور یہی مقصد حیات انسانی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ۔

"سب غیر ہیں وہی ہے اک دل کا یار جانی"

بالکل صحیح ہے۔

یاد رہے کہ دنیا میں انسان کو مصائب سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے کیونکہ ان کے بغیر انسانیت کی تکمیل نہیں ہوتی لیکن ان کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی رحمت...... ترقی ہے۔ بچہ جب ضد کرتا ہے یا بات نہیں مانتا۔ تو ماں، باپ کو شکل کرتے ہیں کہ بچہ سدھر جائے یہی حال اللہ تعالیٰ کا ہے وہ اپنی

مخلوق پر بے حد مہربان ہے اس کی رحمت دوسری صفات پر غالب ہے لیکن کبھی کبھی گوشمالی کے طور پر وہ سزا بھی دیتا ہے کہ تاکہ بندے اپنی اصلاح کر کے خدا کے اطاعت گزار بندوں کے ہمکسار بن جائیں۔

ایک اور جگہ حدیث شریف میں یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ ماں باپ سے ستر حصہ زیادہ مہربان ہے ماں باپ کے دل میں محبت تو اسی نے پیدا کی ہے بلکہ یوں کہو کہ ان کی محبت رب تعالیٰ کی محبت کا پر تو ہے تاکہ اس کا بندہ ماں باپ کے ذریعہ سے پرورش پا کر بڑا ہو جائے اور اپنے رب کو شناخت کرے اور وہ تمام تقاضے پورے کرے جو اس کی حیات کے ہیں۔ اسی طرح جو بچہ مرجائے اس کے والدین چند دنوں کے بعد چپ ہو جاتے ہیں لیکن جب کسی کا بچہ گم ہو جائے یا بچھڑ جائے تو زخم ہمیشہ ہرا رہتا ہے۔ دن رات ماں باپ کو اس کا فکر رہتا ہے کہ ہمارا بچہ کہاں ہو گا اور کس حال میں ہو گا اس غم میں وہ گھلتے رہتے ہیں۔ یہی حال اللہ تعالیٰ کو بھی ان کے متعلق بہت فکر رہتا ہے کہ کب میرا بندہ گناہوں کو چھوڑ کر میرے پاس آوے گا۔ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا بندہ تائب ہو کر خدا تعالیٰ کے حضور آتا ہے اور اعتراف گناہ کر کے ندامت کے آنسو بہاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس پر اتنی خوشی ہوتی ہے جیسا کہ کسی کو جنگل میں کھویا ہوا اونٹ مل جائے۔ کہتے ہیں کہ وہ کون سا گناہ ہے جو ماں معاف نہیں کر سکتی یعنی ماں جب سارے جرم اور گستاخیاں معاف کر دیتی ہے تو رب تعالیٰ کیوں نہیں معاف کر دیتا۔ کرتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ نادم ہو کر آئندہ کے لئے ان سے بچنے کا اقرار کرے۔

پس غور کرو کہ جب اللہ تعالیٰ جیسی شفیق ذات بندہ کی نگران اور متکفل ہے تو اسے کیا غم ہے لیکن یہ اس وقت ہے۔ جب بندہ کا اس سے مضبوط تعلق ہو جائے۔ پھر وہ اس کی ضرورت کا متکفل ہو جاتا ہے۔ ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ پھر اسے کسی قسم کا فکر نہیں رہتا۔ جیسا کہ چھوٹا بچہ جب ماں باپ کی کفالت میں ہوتا ہے تو وہ اپنی ہر ضروریات سے غافل اور بے فکر رہتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انسان کا ہر ایک دکھ اور سکھ خدا تعالیٰ سے وابستہ ہے خدا تعالیٰ کے بغیر انسان دکھ سے ہرگز محفوظ نہیں رہ سکتا اور نہ اسے کوئی آرام اور راحت مل سکتی ہے۔ پس انسان کو چاہئے کہ خدا تعالیٰ کے

ساتھ تعلق پیدا کرے ورنہ اس کا حال اس بچہ کی طرح ہو گا جسے اپنی ماں کا پتہ نہ ہو۔ غیر مومن کی مثال اس بچے کی سی ہے جس کی ماں نہ ہو اور مومن کی مثال اس بچے کی کی سی ہے جس کی ماں ہر وقت اس کے پاس ہو۔ غرض لوگوں کا یہ مقولہ "خدا داری چہ غم داری" بالکل صحیح ہے۔

جاننا چاہیے کہ مومن کی مثال یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور محبت میں بڑھتا چلا جائے اسے کوئی چیز ملے یا نہ ملے۔ اس کا تعلق خدا سے نہ ٹوٹے۔ اس کی محبت میں فرق نہ آئے اور جب یہ مقام حاصل ہو جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے اس کا ہر طرح سے متکفل ہو جاتا ہے۔

حضرت مصلح موعودؓ کو اپنے رب سے راز و نیاز کا مقام حاصل تھا ایک بار ۱۹۴۹ء میں واقفین زندگی کو خطاب کرتے ہوئے اپنے رب کے تعلق کا یوں اظہار فرمایا۔

"اگر میں خدا تعالیٰ سے ٹھیکہ کرنے بیٹھ جاتا اور اس سے کہتا کہ پہلے میری تنخواہ مقرر کی جائے۔ پھر میں کام کروں گا اور اللہ تعالیٰ خواب یا الہام کے ذریعہ سے پوچھتا کہ بتا تجھے کتنا روپیہ چاہیے تو میں اس زمانہ کے لحاظ سے جب میری ایک بیوی اور دو بچے تھے۔ میں زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتا تھا کہ سو روپیہ بہت ہو گا مجھے ایک سو روپیہ ماہوار دیا جائے لیکن اگر میں ایسا کرتا تو آج کیا کرتا۔ جب کہ میری چار بیویاں اور بائیس بچے ہیں اور بہت سے رشتہ دار ایسے ہیں جو اس بات کے محتاج ہیں کہ میں ان کی مدد کروں گا۔ میرے وہ رشتہ دار جن کا اب بھی میرے سر پر بوجھ ہے۔ ساٹھ ستر کے قریب ہیں اگر سو روپیہ بھی نہ آ سکتا تھا پھر میں روٹی کہاں سے کھاتا کپڑے کہاں سے بنواتا اور بچوں کو تعلیم کس طرح دلواتا اور اپنے خاندان کے افراد کی پرورش کس طرح کرتا۔ بہرحال میں نے خدا تعالیٰ سے یہ کبھی سوال نہیں کیا کہ تو مجھے کیا دے گا اور خدا تعالیٰ نے بھی میرے ساتھ کبھی سودا نہیں کیا میں نے خدا تعالیٰ سے یہی کہا کہ مجھے ملے نہ ملے۔ میں تیرا بندہ ہوں اور میرا کام یہی ہے کہ میں تیرے دین کی خدمت کروں اور اس کے بعد خدا تعالیٰ نے بھی یہی کہا کہ یہ سوال نہیں کہ میری لیاقت کیا ہے یہ سوال نہیں کہ تیری قابلیت کیا ہے۔ ہم بادشاہ ہیں اور ہم اپنے بادشاہ ہونے کے لحاظ سے تجھے اپنی نعمتوں سے ہمیشہ متمتع کرتے رہیں گے"

غرض اس سے تعلق رکھنے والا انسان ہمیشہ نفع میں رہتا ہے۔ اصل چیز یہی ہے کہ بندے کا

اپنے مولیٰ سے مضبوط رشتہ جڑ جائے جو حوادث سے نہ ٹوٹے اور نہ کمزور ہو۔ پھر برکات کا نزول ہوتا ہے۔ دیکھو پھل وہی پکتے ہیں جن کا تعلق شاخ سے قائم رہتا ہے جو پھل ہوا اور آندھی سے گر جائیں وہ بے قیمت ہو جاتے ہیں لیکن یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ تعلق پیدا کرنے کی بھی ایک راہ رکھی ہے وہ راہ کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اتباع اور قرآن کریم پر پورا عمل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ اور یہی آیت حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر بھی الہاماً اتری اور اب حضرت مسیح علیہ السلام کی سچی پیروی کے بغیر خدا تعالیٰ کی محبت حاصل نہیں ہو سکتی اب اس کے سوا تمام راستے بند ہیں۔ جھوٹا ہے وہ شخص جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیروی کے بغیر اپنے رب کا پیار حاصل کرنے کا دعویٰ کرتا ہے اب تمام سعادتوں کا سرچشمہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذات ہے اور خدا ان کے ذریعہ سے ہی مل سکتا ہے دنیا یہ بات سمجھ سکے یا نہ لیکن یہ ایک حقیقت ہے آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیار کا سلوک ہم عاجز بندوں پر دونوں جہان میں جاری رکھے۔ آمین

خدائے رحمن کی مہربانیوں کا اعتراف
اور اس کی سپاس گزاری

قرآن کریم میں ہے فاذکروا آلاء اللہ لعلکم تفلحون (اعراف:70)۔ کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بار بار یاد کرو۔ اس سے خدا کی محبت بڑھے گی اور تم فلاح پا جاؤ گے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تذکرہ خدا کی محبت کو بڑھاتا اور اس کا شکر گزار بندہ بناتا ہے۔ انسان فطرتاً اپنے محسن سے محبت کرتا ہے اور اس کے احسان کے بدلہ میں نیکی کرنا چاہتا ہے اور اگر یہ مقام نہ ہو تو ہر جگہ اس کی تعریف کرتا ہے۔ اس کے گن گاتا ہے اور یہی اس کی حمد اور شکر گزاری ہے۔

اس میں ذرہ بھر بھی شک نہیں کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو اتنی نعمتیں دے رکھی ہیں کہ وہ ان کو شمار بھی نہیں کر سکتا اور نہ اس کے وہم میں آ سکتی ہیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ وہ جو کچھ مانگتا ہے دیتا چلا جاتا ہے۔ وآتاکم من کل ما سألتموہ (ابراہیم:35)۔ مگر باوجود ان باتوں کے وہ ناشکرا بن جاتا ہے اور اس کی نظر ان نعمتوں کی طرف نہیں جاتی۔

پہلی نعمت صحت

اس کی بے بہا نعمتوں میں سے ایک بے بہا نعمت صحت ہے۔ مثلاً انسان پیدل چل رہا ہوتا ہے اور یہ وہم نہیں گزرتا کہ پیدل چلنا اس کا احسان ہے۔ دل میں خیال آتا ہے کہ اس کے پاس سواری ہوتی تو وہ پیدل چلنے سے بچ جاتا۔ لیکن وہ یہ نہیں سوچتا کہ اگر اس سے چلنے کی طاقت چھین لی جائے تو اس کا کیا حال ہو۔ ایک فالج زدہ شخص کی طرف نظر کرو کہ وہ کس حسرت سے پیدل چلنے والوں کو تکتا ہے کہ کاش! اسے پھر سے ٹانگیں مل جائیں اور وہ پیدل چل سکے۔ وہ اس طاقت کو حاصل کرنے کے لئے کیا کیا جتن کرتا ہے کتنا خرچ کرتا ہے اور کتنی دعائیں مانگتا ہے لیکن اب وہ محروم ہے۔ میرا ایک دوست تھا وہ کسی شدید مرض کی وجہ سے چلنے سے محروم ہو گیا وہ کہتا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ اسے چلنے پھرنے کی طاقت پھر سے دے دے تو وہ زندگی بھر سواری پر نہ چڑھے گا۔ ہمیشہ پیدل ہی چلے گا چاہے کتنی دوری

کیوں نہ جاتا ہو۔

بے خوابی کا مرض ہو جائے تو جان پر بن جاتی ہے۔ دنیا میں کتنے لوگ ہیں کہ وہ نیند کے لئے جتن کرتے ہیں۔ لیکن ان کو بھی نیند میسر نہیں آتی۔ بھلا ہم میں سے کتنے ہیں کہ نیند کو خدا کی ایک نعمت سمجھ کر اس کا شکر کرتے ہیں۔ گزشتہ موسم میں میں نے آنکھ کے موتیا کا آپریشن کرایا۔ اس میں دو دن اور دو راتیں چت لیٹنا پڑا اس وقت میں کہتا تھا کہ اٹھ بیٹھنا اور پہلو بدلنا بھی خدا تعالیٰ کی نعمت ہے۔ غرض خدا تعالیٰ کے کتنے احسان ہیں جو ہماری سمجھ میں نہیں آتے اور ہم ان سے صرف نظر کئے ہوئے ہیں۔ اسی طرح ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیز دنیا میں اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اور وہ ربوبیت کے تقاضے سے ہمیں دے رہا ہے۔ کسی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ مفلس کیسے شکر کرے۔ وہ تو تہی دست ہے۔ فرمایا کہ صرف دولت ہی اللہ تعالیٰ کی نعمت نہیں۔ گرم روٹی ٹھنڈا پانی اور ٹھنڈی چھاؤں بھی خدا تعالیٰ کی نعمتیں ہیں ان کو پاؤ تو شکر ادا کرو۔

دوسری بڑی نعمت والدین

پھر دیکھو ماں باپ کتنی بھاری نعمت ہیں۔ اگر انسان غور کرے کہ کس ہستی کا اس دنیا میں احسان ناقابل فراموش ہے تو وہ والدین ہیں۔ ان کے احسان اتنے ہیں کہ قلب و نظر ان کی مہربانیوں اور محبتوں کے آگے جھک جاتے ہیں اور ناممکن ہے کہ انسان ان کی شفقت اور محبت کا صلہ دے سکے۔ پیدا ہوا تو ماں نے اپنے کلیجہ کے خون سے اسے پالا۔ باپ نے اس کے سکھ اور آرام کے لئے سامان مہیا کئے۔ ہر لحہ اس کا فکر اور اس کی نگہداشت کی۔ پھر جب کچھ بڑا ہوا تو اس کی تعلیم و تربیت کا اہتمام اور متواتر کئی برس تک اس دور کی تکمیل کی۔ جوان ہوا تو روزگار کے وسائل کا انتظام کیا کہ باعزت زندگی گزار سکے۔ پھر شادی بیاہ کرکے اپنی دولت بھی لٹا دی۔

غرض ان جیسا خیر خواہ دنیا میں کہاں ملے گا۔ غائبانہ ان کے لئے دعائیں کرنے والے ان کے دکھ پر اپنا سکھ قربان کرنے والے کہاں ملیں گے۔ ان کو دیکھو تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اس نے اس بے بہا دولت سے نوازا ہے۔ ان کی خدمت کو سعادت سمجھو اور ان کے وجود کو اپنے لئے نعمت غیر مترقبہ جانو۔ جن کی آنکھیں کھلی ہوں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی جلوہ گری ان دو وجودوں میں دیکھ سکتا ہے۔ لیکن جو بصیرت سے محروم ہو۔ وہ نہ عکس دیکھ سکتا ہے نہ جمال۔

تیسری نعمت نیک اور باوفا بیوی

پھر بیوی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے۔ بندہ کو ایک مونس اور مددگار مل گیا ہے۔ خاوند کی ہر خدمت کے لئے تیار ہے اور اس کے لئے ہی جیتی ہے۔ اس کا دکھ اس کے لئے دکھ اور اس کا سکھ اس کے لئے سکھ ہے۔ مضطرب دیکھتی ہے تو بے چین ہو جاتی ہے۔ تسکین کے لئے ہر سامان بہم پہنچاتی ہے۔ اس کی باورچن' دھوبن اور بچوں کو پالنے کے لئے خادمہ ہے۔ اس کا کھانا تیار کرنا۔ اس کے کپڑوں کو استری کرنا اور اس کے جوتوں تک کو پالش کرنا اپنے لئے سعادت سمجھتی ہے۔ جب کھانا تیار کر لیتی ہے تو اس وقت تک آپ نہیں کھاتی جب تک کہ اس کا خاوند نہ آ جائے چاہے اسے کتنی ہی دیر انتظار کیوں نہ کرنی پڑے۔ تو دیکھو خدا تعالیٰ نے اس کے وجود سے کتنی راحتیں انسان کے لئے مہیا کر دی ہیں۔ اس کا بدل دنیا میں کہاں مل سکتا ہے۔ سراسر محبت' وفا اور اخلاص کا پیکر۔ مشکل سے مشکل حالات سے گزرنے والی اور شوہر سے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے سے دریغ نہ کرنے والی۔ اس کی غیر حاضری میں عزت' مال اور اولاد کی حفاظت کرنے والی۔ غرض اتنی خوبیاں اور صفات رکھنے والی ہستی کہاں مل سکتی ہے۔ لیکن وہ لوگ جو اس عظیم نعمت کو رکھتے ہوئے ناشکر گزار ہوں ان کا سلوک اس سے غیر ہمدردانہ اور غیر مہذبانہ ہو۔ تو بتاؤں ایسے لوگ کبھی بھی خوشحالی پا سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں اس نعمت کی قدر تو ان لوگوں سے پوچھو جن کے ساتھی بچھڑ گئے ہوں اور اولاد خوردہ سال ہو۔ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن۔ نہ بیاہ کر سکیں اور نہ پال سکیں۔

غرض جو لوگ اس سنگین ابتلاء میں پھنس جاتے ہیں تو وہ خون کے آنسو روتے ہیں۔ نعمت مل کر چھن جائے تو پھر اس کی قدر ہوتی ہے۔ لیکن انسان اکثر ناقدری کرتا ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر بگڑ بیٹھتا ہے۔ خادمہ سمجھتا ہے۔ اپنے آپ کو اس کا پالنہار جانتا ہے۔ بد زبانی اور غیر مہذبانہ سلوک کر گزرتا ہے۔ قدر نہیں کرتا۔ بھلا چند ہزار روپے حق مہر اس کی قیمت ہے۔ نہیں بلکہ اس کی قیمت تو اس دنیا سے بھی زیادہ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ دنیا میں جسے چار چیزیں ملیں وہ جنت کا حظ اسی دنیا میں اٹھاتا ہے۔ ان چاروں چیزوں میں سے ایک چیز باوفا اور نیک بیوی ہے۔ درحقیقت یہ جنت کے میووں میں سے ایک میوہ ہے۔ حضرت آدم کو جب اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تو اسے جنت میں رکھا۔ لیکن اس کا دل جنت میں نہ لگتا تھا اداس تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حوا کی

صورت میں ساتھی دے دیا۔ پھر وہ خوش ہو گیا۔ پھر جب اس سے لغزش ہوئی تو اسے جنت سے نکل جانے کا حکم ہوا تو اس نے کہا کوئی غم نہیں۔ میں تیری دنیا کو اس کے ساتھ مل کر جنت بناؤں گا۔ تو یہ ایک حقیقت ہے کہ نیک بیوی گھر میں ہو تو وہ گھر جنت سے کم نہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب رسالت کے کام سے تھک جاتے تو گھر جا کر حضرت عائشہؓ سے کہتے ارحنا یا عائشہ اے عائشہ مجھے راحت پہنچا۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کو مرد کے آرام کے لئے بنایا ہے۔ وہ سراسر مودت اور رحمت ہے۔ اسی کی طرح اشارہ کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ ورحمہ (روم: ۲۲) سچ پوچھو تو اس کے غصہ میں بھی ایک حلاوت ہے۔ مزہ ہے اور پیار ہے۔

چوتھی نعمت نیک اولاد

پھر نیک اولاد بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ انسان کے پاس دنیا کی تمام نعمتیں ہوں مگر اولاد نہ ہو تو وہ ہر وقت اپنی قسمت کو کوستا رہتا ہے کہ میں سب سے زیادہ بد نصیب ہوں۔ ادنیٰ ہو کر اعلیٰ امیر ہو کر غریب۔ غرض بادشاہ تک اس نعمت کی محرومی کے سبب غمگین رہتے ہیں۔ عورت جو بے اولاد ہو کتنے جتن کرتی ہے کہ اولاد ہو جائے۔ علاج معالجہ' آپریشن' ٹونے ٹوٹکے بلکہ اسی جدوجہد میں جان تک بھی دے دیتی ہے۔ تو دیکھو یہ کتنی بڑی نعمت ہے۔ اس نعمت کا حال ان سے پوچھو جو محروم ہیں یا نعمت مل کر چھن گئی ہے۔

غرض اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان ہے کہ ان کے رزق کا ذمہ دار تو اللہ تعالیٰ ہے۔ لیکن اولاد اسے خدمت گزاری کے طور پر مل جاتی ہے۔ کہ جب بوڑھا ہو جائے تو اس کی خدمت کرے۔ جوانی میں بھی اس کے کام میں ہاتھ بٹاتی ہے کہ وہ عبادت کے لئے زیادہ وقت نکال سکے۔ غرض اللہ تعالیٰ کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ فبای الاء ربکما تکذبن وہ دیتا چلا جاتا ہے اور اس کی نعمتوں کا سلسلہ بند نہیں ہوا۔ دنیاوی آقا اگر نوکر میں غفلت یا بے پرواہی دیکھتا ہے تو نان و نفقہ بند کر دیتا ہے۔ لیکن اس محسن ذات نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ کوئی اس کا شکر کرے یا نہ کرے۔ فرمانبردار ہو یا بے فرمان۔ اس کی عطا میں کمی نہیں آئی بلکہ بے فرمانوں اور نہ ماننے والوں کے پاس اس کی دنیاوی نعمتیں بے حساب ہیں۔ اب غور کرو کہ اتنے احسان کرنے والا خدا اس بات کا مستحق نہیں کہ انسان کی گردن کم از کم پنج بار اس کے آگے جھک جائے اور کہے کہ۔۔

اگر ہر بال ہو جائے سخنور
تو پھر بھی شکر ہے امکاں سے باہر
(مسیح موعود)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر انسان پر عبادت فرض نہ ہوتی تو پھر بھی اس خدائے محسن کے احسانات کا تقاضا یہ تھا کہ اس کی گردن ہروقت اس کے سامنے جھکی رہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ شکرگزار بندہ کی نعمتوں کو بڑھاتا رہتا ہے اور کبھی ان میں کمی نہیں آتی اور جو کفران نعمت کرنے والے ہیں ان کو اخروی زندگی میں عذاب شدید کی وعید بھی اس نے دے رکھی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رضاء کی راہوں پر چلائے اور شکرگزار بندوں کے گروہ میں شامل فرمائے۔ آمین

خداشناسی اور دعا

زندگی کیا ہے یہ اسی وقت پتہ چلتا ہے جب نصف زندگی گزر جاتی ہے۔ یہ کسی نے بالکل سچ کہا ہے انسان اس دنیا میں آکر اس قدر مصروف ہو جاتا ہے کہ اسے پتہ بھی نہیں لگتا کہ وہ اس دنیا میں کیوں آیا ہے اور اس کی زندگی کا کیا مقصد ہے جب اسے ذرا شعور ہوتا ہے تو ادھر ادھر نظر دوڑاتا ہے تو دیکھتا ہے کہ سب لوگ دولت کمانے میں مصروف ہیں اور جو دولت مند ہیں وہ خوشحال زندگی بسر کر رہے ہیں۔ تو یہی مقصد وہ اپنے طور پر متعین کر لیتا ہے اور پھر اسی راستہ پر چل پڑتا ہے حالانکہ اسے چاہئے تھا کہ وہ کسی معرفت اور بصیرت رکھنے والے سے سوال کرتا کہ وہ اس دنیا میں کس لئے آیا ہے تو شاید اسے صحیح سمت کی طرف نشاندہی کر دی جاتی اور سراغ منزل مل جاتا۔ لیکن وہ یہی جانتا ہے کہ اسے اس دنیا سے زیادہ فائدہ اٹھانا چاہئے۔ دیکھو جب کوئی شخص کہیں ملازمت کرتا ہے تو اسے دریافت کرنا پڑتا ہے کہ میرے فرائض کیا ہیں اور ذمہ داریاں کیا ہیں میں کس کا حاکم ہوں اور کس کا محکوم۔ اس کے بعد وہ اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو صحیح طریقے سے بجالاتا ہے۔ اس طرح انسان کو اس دنیا میں آکر اپنے من سے یہی سوال کرنا چاہئے تھا کہ وہ کیوں آیا ہے اور اسے کیا کرنا ہے تو اسے صاف پتہ لگ جاتا کہ وہ اس دنیا میں آزاد نہیں چھوڑ دیا گیا۔ اس پر کچھ فرائض ہیں اور کچھ ذمہ داریاں لیکن اسے ان کا اس وقت پتہ لگتا ہے جب اس کی نصف سے زیادہ زندگی فسق و فجور میں لیعجر امامہ کے ماتحت گزر جاتی ہے پھر وہ حسرت کا شکار ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ کاش میں یہ وقت ضائع نہ کرتا اور کچھ کر لیتا۔

پس بعض تو اپنی کوتاہیوں کی تلافی احساس ندامت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے توبہ اور استغفار کے ذریعہ سے کر لیتے ہیں بعض مایوسیوں کا شکار ہو کر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت سے اور بھی دور جا پڑتے ہیں۔ پس سب سے ضروری چیز انسان کے لئے خود شناسی ہے۔ جب بندہ خود کو شناخت کر لیتا ہے کہ وہ طبعاً کتنا کمزور اور کتنا ضعیف واقع ہوا ہے اور اسے ہر آن ایک حاجت روا کی ضرورت ہے تو اسے خداشناسی کی توفیق ملتی ہے اور بامراد ہو جاتا ہے۔ پس اصلی چیز تو اللہ سے

تعلق کو قائم کرتا ہے اور جو توبہ استغفار اور دعا سے قائم ہوتا ہے جو دعا سے غافل ہے وہ ہلاک شدہ ہے۔ خدا تعالیٰ بھی اس کی پرواہ نہیں کرتا کیونکہ اس نے صاف فرما دیا ہے کہ قل ما یعبؤ بکم ربی لولا دعائکم یعنی اگر تم مجھ سے دعا نہیں مانگو گے تو مجھے بھی تمہاری کوئی پرواہ نہیں۔ پس انسان کی خوش قسمتی اسی میں ہے کہ وہ دعا کے ذریعہ سے اپنا تعلق اپنے رب سے قائم رکھے اور اس کی امان میں آجائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"دعا بڑی دولت ہے جو شخص دعا کو نہیں چھوڑتا اس کے دین اور دنیا پر آفت نہیں آئے گی وہ ایک ایسے قلعے میں محفوظ ہے جس کے اردگرد مسلح سپاہی ہر وقت حفاظت کرتے ہیں لیکن جو دعاؤں سے لا پرواہ ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو خود بے اختیار ہے اور اس پر کمزور بھی ہے اور پھر ایسے جنگل میں ہے جو درندوں اور موذی جانوروں سے بھرا ہوا ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ اس کی خیر ہرگز نہیں ہے ایک لمحہ میں وہ موذی جانوروں کا شکار ہو جائیگا اور اس کی بوٹی بوٹی نظر نہ آئے گی اس لئے یاد رکھو کہ انسان کی بڑی سعادت اور اس کی حفاظت کا اصل ذریعہ ہی یہی دعا ہے۔ یہی دعا اس کے لئے پناہ گاہ ہے اگر وہ اس میں ہر وقت لگا رہے۔"

ایک اور موقع پر فرمایا:۔

"اگر تم چاہتے ہو کہ خیریت سے رہو تمہارے گھروں میں امن رہے تو مناسب ہے دعائیں بہت کرو اور اپنے گھروں کو دعاؤں سے پر کرو۔ جس گھر میں ہمیشہ دعا ہوتی ہے خدا تعالیٰ اسے برباد نہیں کرتا غفلت کو چھوڑ دو اور تضرع اختیار کرو۔ اکیلے ہو ہو کر خدا تعالیٰ سے دعا کرو کہ خدا ایمان کو سلامت رکھے اور تم پر وہ راضی اور خوش ہو جائے"۔

پھر فرمایا:۔

"تم لوگوں کو چاہئے کہ ہمیشہ دعا میں لگے رہو نمازیں پڑھو اور توبہ کرتے رہو۔ جب یہ حالت ہو اللہ تعالیٰ حفاظت کرے گا اور اگر سارے گھر میں ایک شخص بھی ایسا ہو گا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے باعث سے دوسروں کی بھی حفاظت کرے گا"

پس ہر مشکل کا حل اور ہر فیض اور برکت حاصل کرنے کی چابی تو دعا ہے۔
حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ حضرت میر ناصر نواب صاحب سے

پوچھا کہ میر صاحب احمدیت سے پہلے ہم اور آپ دونوں اہل حدیث تھے آخر یہ کیا بات ہوئی کہ آپ کو حضرت مسیح موعود جیسا داماد مل گیا اور آپ کی لڑکی اس عظیم مقام پر فائز ہو گئی وہ کون سا غیر معمولی عمل تھا جس کے بدلے میں آپ کو اللہ تعالیٰ نے یہ فضیلت عطا کی اور آپ کی زندگی قابل رشک بن گئی۔ میر صاحب فرمانے لگے کہ مولوی صاحب بات تو کچھ بھی نہیں صرف اللہ تعالیٰ کا فضل ہی ہے بات یہ ہے کہ جب سے یہ لڑکی پیدا ہوئی ہے میں نے کوئی نماز نہیں پڑھی جس میں یہ دعا نہ کی ہو کہ خدایا اس لڑکی کے لئے جو تیری نزدیک سب سے زیادہ مناسب اور موزوں رشتہ ہو وہی عطا فرمانا۔ مولوی صاحب فرمانے لگے بس بس میر صاحب سمجھ گیا وہ دعا ہی کا تیر تھا جو نشانہ پر جا لگا اور آپ کو یہ سعادت مل گئی پس اصل چیز دعا ہے جسے کسی صورت میں بھی نہ بھولنا چاہئے اس سے گوہر مقصود ملتا ہے اور اس سے انسانی زندگی سنورتی ہے یہ ابتلاء کے ایام میں اللہ تعالیٰ کا غضب بھڑکا ہوا ہے وہ اپنے بندوں پر ان کی غفلت اور خود فراموشی کی وجہ سے ناراض ہے اس کے غضب کے جوش کو ٹھنڈا کرنے کے لئے آنسوؤں کے پانی کی ضرورت ہے توبہ استغفار اور انابت الی اللہ کی ضرورت ہے یہی طریق اللہ تعالیٰ نے بتلایا ہے استغفروا ربکم انہ کان غفارا راتوں کو اٹھ اٹھ کر اس کی رحمت کا دروازہ کھٹکھٹاؤ۔ جو کھولا جائے گا۔ کیونکہ اس نے اپنے فیضان اور رحمت کی تقسیم کا وقت رات کو رکھا ہے دن کو یہ نعمت نہیں بانٹی جاتی۔ کسی نے صحیح کہا ہے۔

رات کے پچھلے حصہ میں ایک نعمت بانٹی جاتی ہے

جو جاگت ہے سو پاوت ہے جو سووت ہے وہ کھووت ہے

پس میرے دوستو اور بھائیو تہجد کو لازم پکڑ لو۔ تضرع اور زاری سے اس کے جذبہ رحم و کرم کو متحرک کرو اس سے وہ بہت جلد مائل بکرم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ ارحم الراحمین ہے۔

دعا۔ خدا تعالیٰ کے فضل کو جذب کرنے کا واحد ذریعہ

انسان دنیا میں سب سے زیادہ محتاج مخلوق ہے۔ طرح طرح کی حاجتیں اسے گھیرے ہوئے ہیں۔ ہر طرح طرح کے دکھ یا مصائب لاحق ہیں۔ خدا تعالیٰ کے فضل کے بغیر اس کا ایک دم کے لئے بھی گزارہ نہیں ہو سکتا۔ اگر اس کا فضل اور رحمت شامل حال نہ ہو۔ تو اس کی زندگی دوبھر ہو جائے۔ لیکن یاد رکھو کہ خدا کا فضل بغیر دعا کے نہیں آتا۔ پس معلوم ہوا کہ انسان کا بغیر دعا کے چارہ نہیں۔ یہ دعا ہی ہے جو اس کے فضل کو کھینچتی ہے۔ اور دعا ہی سے اس کی نصرت آتی ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ انسان کا خدا سے تعلق دعا ہی سے قائم ہوتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ قل ما یعبؤا بکم ربی لولا دعاؤکم یعنی تم لوگ اگر مجھ سے دعا نہیں کرو گے۔ اور مانگو گے نہیں تو مجھے تمہاری کیا پرواہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دعا ہی سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم ہے۔ اس کے بغیر نہیں۔ الوہیت اور عبودیت کے رشتہ کو قائم کرنے والی صرف دعا ہی ہے۔ دیکھو تم کسی سے جیسے ہاتھ ملاؤ گے تو وہ تم سے ہاتھ ملائے گا۔ کسی کو سلام کہو گے تو وہ بھی سلام کرے گا۔ خدا تعالیٰ کا معاملہ بھی بندہ سے اسی قسم کا ہے۔ بندہ جب دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتا ہے تو خدا تعالیٰ کی رحمت اس کے ہاتھوں کو تھام لیتی ہے۔ خالق سے بندہ کا رشتہ جڑ جاتا ہے۔ اور جب بندہ شکستہ دل ہو کر اپنے رب کی طرف رجوع کر کے مناجات کرتا ہے۔ تو اس کی رحمت بندہ کی حاجت برآری کے لئے اسباب کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ انسان بغیر دعا کے کچھ بھی نہیں۔ اس کا مقصد زندگی دعا ہی ہے۔ حقوق اللہ کیا ہیں۔ نماز اور عبادت۔ ان سب میں جزو اعظم دعا ہی ہے۔ عبادت سے دعا نکال دو باقی کچھ بھی نہیں رہتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ۔

"میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ تمہارا تعلق خدا تعالیٰ سے کراؤں اور اس کا طریق یہی ہے کہ

دعا کو لازم پکڑلو۔ اور اس سے کسی وقت بھی غافل نہ ہو۔ جو دعا سے غافل ہے وہ مارا گیا۔
دعا ہی تمہارے دکھوں کا مداوا ہے۔ اور دعا ہی تمام مشکلات کا حل ہے۔"

ایک اور موقعہ پر فرمایا۔

"...... دعا کو مضبوطی سے پکڑو۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ پھر اللہ تعالیٰ ساری مشکلات حل کر دے گا۔ اگر تم چاہتے ہو کہ خیریت سے رہو۔ تمہارے گھروں میں امن رہے تو مناسب ہے کہ دعائیں بہت کرو۔ اور اپنے گھروں کو دعاؤں سے پر کرو۔ جس گھر میں ہمیشہ دعا ہوتی ہے خدا تعالیٰ اسے برباد نہیں کرتا۔ اکیلے ہو ہو کر خدا سے دعا کرو۔ کہ خدا ایمان سلامت رکھے اور تم پر راضی اور خوش ہو جائے"۔

پھر ایک اور موقعہ پر فرمایا کہ۔

"تم لوگوں کو چاہئے کہ ہمیشہ دعاؤں میں لگے رہو۔ نمازیں پڑھو اور توبہ کرتے رہو۔ جب یہ حالت ہوگی تو اللہ تعالیٰ حفاظت کرے گا اور اگر سارے گھر میں ایک شخص بھی ایسا ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے باعث دوسروں کی بھی حفاظت کرے گا۔

غرض جیسے افراد پر ابتلاء آیا کرتے ہیں اسی طرح جماعتوں پر بھی ابتلاء آیا کرتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔ ابتلاء سے گزرنے کے بعد الہٰی جماعتوں کی شان اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ اور ان سے منسلک افراد کا روحانی مقام اور بھی بلند ہو جاتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے انعامات کا نزول کثرت سے شروع ہو جاتا ہے خدا کے پیار اور محبت کا سلوک بندہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے۔ اور جماعت جس غرض کے لئے کھڑی ہوتی ہے اس کی تکمیل کے لئے آگے ہی آگے بڑھتی چلی جاتی ہے۔ پس یہ دن خصوصیت سے دعاؤں کے ہیں۔ شدت کی گرمی باران رحمت کو کھینچتی ہے۔ سیاہ اور اندھیری رات سحر کی آمد کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ پس دعا سے تمام رکاوٹیں دور ہو جائیں گی۔ تمام بگڑے کام بن جائیں گے۔ اور ہر ایک زہر تریاق بن جاوے گا۔ انشاءاللہ۔ پس دعا بڑی چیز ہے، بڑی نعمت ہے۔

ایک دفعہ حضرت مولوی نورالدین رضی اللہ عنہ نے حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ سے پوچھا کہ میر صاحب! آخر یہ کیا بات ہوئی کہ آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام جیسا داماد ملا۔ آپ ان کے خسر بن گئے۔ اور آپ کی بیٹی ام المومنین بن گئی۔۔ یہ سعادت آپ کو کیسے نصیب ہوئی اور

کس طرح آپ کے خاندان کو اللہ تعالیٰ نے اس سعادت کے لئے چنا۔ میر صاحب نے فرمایا مولوی صاحب! میرا اس میں کوئی دخل نہیں سب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ جب سے یہ لڑکی پیدا ہوئی ہے۔ میں اس روز سے ہر نماز میں یہی دعا کیا کرتا تھا کہ خدایا لڑکی تو دی ہے اس کا رشتہ بھی ایسا دے جو تیرے نزدیک سب سے بہتر ہو۔ مولوی صاحب نے فرمایا۔ بس بس۔ میر صاحب میں سمجھ گیا۔ یہ دعا ہی کا تیر تھا جو نشانہ پر بیٹھ گیا۔ واقعی اللہ تعالیٰ نے رشتہ بھی وہ دیا جو اس کی نظر میں بہترین تھا۔ اب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ملفوظات میں سے ایک اقتباس پیش کرتا ہوں۔ جو دعا کی عظمت اور اہمیت کو واضح کرتا ہے۔ فرماتے ہیں :۔

دعا بڑی دولت ہے جو شخص دعا کو نہیں چھوڑتا اس کے دین اور دنیا پر آفت نہ آئے گی۔ وہ ایک ایسے قلعہ میں محفوظ ہے جس کے اردگرد مسلح سپاہی ہروقت حفاظت کرتے ہیں۔ لیکن جو دعا سے لاپرواہ ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو خود بخود بے ہتھیار ہے اور اس پر کمزور بھی ہے۔ پھر ایسے جنگل میں ہے۔ جو درندوں اور موذی جانوروں سے بھرا ہوا ہے۔ وہ سمجھ سکتا ہے کہ اس کی خیر ہرگز نہیں ہے۔ ایک لمحہ میں وہ موذی جانوروں کا شکار ہو جائے گا اور اس کی ہڈی بوٹی نظر نہ آئے گی۔ اس لئے یاد رکھو کہ انسان کی بڑی سعادت اور اس کی حفاظت کا اصل ذریعہ یہی دعا ہے۔ یہی دعا اس کے لئے پناہ ہے اگر وہ ہروقت اس میں لگا رہے۔"

پس مانگنے کا سلیقہ چاہئے۔ دل میں سوز و گداز ہو۔ تو دعا خالی نہیں جاتی۔ محروم وہی گدا ہوتے ہیں جو گدائی کے سلیقہ سے محروم ہوتے ہیں۔ گدا کی آواز کا سوز سخی کے جذبہ رحم و کرم کو متحرک کئے بغیر نہیں رہتا۔ بندے کی آواز میں جب سوز پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اس کی صدا دردناک بن جاتی ہے۔ تو رحمت بڑھ کر اسے آغوش میں لے لیتی ہے۔

دعا قرب الٰہی کا ذریعہ

اللہ تعالیٰ کی یاد میں بہت برکتیں ہیں اسی لئے اس نے ذکر کثیر کا حکم دیا ہے۔ تاکہ تم فلاح پاؤ۔ واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون انسان کی پیدائش کی غرض اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا اور اس سے تعلق کو قائم کرنا ہے۔ یہ تعلق اس وقت قائم ہوتا ہے جب بندہ اپنے مالک اور خالق کو یاد رکھتا ہے اور اسے پکارتا رہتا ہے۔ لیکن جو آدمی خدا کی یاد سے غافل ہے اور اپنے رب سے ملنے کی آرزو نہیں رکھتا اس کا رب بھی اس سے بے پرواہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ غنی ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔ قل ما یعبوا بکم ربی لولا دعاؤکم کہ اگر تم دعا نہیں کرو گے اور اپنی حاجات اس سے بیان نہیں کرو گے تو تمہارے رب کو بھی تمہاری کوئی پرواہ نہیں وہ بے نیاز ہے اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ جو آدمی دعا نہیں کرتا وہ اپنی حاجات اس سے طلب نہیں کرتا۔ اس کا رب بھی اس سے ناراض ہو جاتا ہے۔ غرض دعا انسانی فطرت کی پکار ہے اور یہی ایک ذریعہ اس سے ملنے کا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ انسانی فطرت میں اللہ تعالیٰ کی جستجو اور تلاش پائی جاتی ہے اور اس جذبہ کو آدمی ذکر الٰہی سے ترقی دیتا ہے۔ اور اس سے قرب خداوندی کی منازل طے کرتا ہے۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا جو لوگ ہماری ملاقات کی کوشش میں لگے رہتے ہیں ہم ان کو اپنی طرف پہنچنے کا راستہ دکھا دیتے ہیں۔ یعنی اگر دل میں سچی تڑپ ہو اور اللہ تعالیٰ سے ملنے کی آرزو ہو تو اس کی رحمت رہنمائی کے لئے ہر وقت حاضر ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے۔

طلب میں تیری جو ہوئے جادہ پیما
ملا ہے پتہ ان کو ہر گام تیرا

اس عالم ہست و بود کی ہر ایک چیز بلکہ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی نشان دہی کر رہا ہے۔ اور اس کی تسبیح میں مصروف ہے۔ لاکھوں کروڑوں ابرار و اخیار سالکین نے خدا تعالیٰ کو پایا اور اس کی

محبت میں فنا ہو گئے۔ اگر محبت کا خمیر انسان کی مٹی میں نہ ہوتا تو معلوم کہ وہ کب اس کی تلاش کرتا اور کیوں مصائب اٹھاتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

تو نے خود روحوں پہ اپنے ہاتھ سے چھڑکا نمک
اس سے ہے شور محبت عاشقان زار کا

عام مقولہ ہے کہ من احب شیئا اکثر ذکرہ یعنی جس چیز سے انسان کو محبت ہو وہ اس کا اکثر ذکر کرتا رہتا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ سے محبت ہو تو اس کا ذکر بار بار زبان پر آئے گا اور اس کی یاد بھی دل میں رہے گی اور اگر نہ زبان پر ذکر ہو اور نہ دل میں یاد آوے تو یہ تعلق کی نہیں بے تعلقی کی نشانی ہے اور جب آدمی کا رشتہ اللہ تعالیٰ سے ٹوٹ جائے تو شیطان اس سے رشتہ استوار کر لیتا ہے۔ کیونکہ وہ اس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ کسی طرح وہ خدا کی رسی کو چھوڑ دے اس کی طرف اشارہ ہے۔ ومن یعش عن ذکر الرحمن نقیض لہ شیطانا فھو لہ قرین یعنی جو کوئی رحمان خدا کے ذکر سے منہ موڑ لیتا ہے تو ہم اس پر ایک شیطانی خصلت وجود کو مستولی کر دیتے ہیں اور وہ اس کا ہر وقت ساتھی ہو جاتا ہے اور جب شیطان کسی کا دوست بن جائے تو اس کی ہلاکت میں کون شک کر سکتا ہے۔ آج کل کے تفریحی سامان تو سب اس کی ہلاکت کے سامان ہیں۔ آنکھوں اور کانوں کی راہ سے اسے زہر ہلاہل پلایا جا رہا ہے تاکہ اسے یاد خدا کے لئے ایک لمحہ بھی ہوش نہ آئے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ Rest and Recreation کے رنگین الفاظ کے پردہ میں اس کا نفس سرکشی کے لئے پھر سے توانائی حاصل کر لیتا ہے۔

یاد رکھئے کہ انسانی دماغ کسی وقت فارغ نہیں رہتا۔ ہر وقت کسی نہ کسی خیال اور سوچ میں لگا رہتا ہے۔ یہ خیالات دو قسم کے ہوتے ہیں ایک نفسانی اور دوسرے شیطانی۔ اس ادھیڑبن میں اس کا دماغ ہر وقت لگا رہتا ہے۔ اور اس طرح اپنے آپ کو تباہ کرتا رہتا ہے۔ ان خیالات سے چھٹکارا پانے کی یہی ایک سبیل ہے کہ وہ یاد الٰہی میں مصروف ہو جائے۔ نہ دماغ کو آزاد کرے اور نہ اسے ان باتوں کے سوچنے کا موقع مل سکے۔ جب دوسری طرف سے توجہ ہٹا کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے گا تو اسے اپنے پیدا کرنے والے سے محبت ہو جائے گی۔ کیونکہ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ انسان اس دنیا میں کسی سے محبت کرے اور اسے خبر نہ ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ تو دلوں کا راز جاننے والا ہے۔ وہ اپنے محبت کرنے والے کو جانتا ہے اور محبت کا جواب محبت سے

دیتا ہے۔ اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب انسان محبت میں ترقی کرتا ہے تو محبوب کی طبیعت بھی اس طرف پھرتی ہے اور پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ معشوق عاشق اور عاشق معشوق بن جاتا ہے۔ اور یہ محبت کا اعلیٰ مقام ہے۔ واللہ یحب المحسنین میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اس میں ذرہ بھر بھی شک نہیں کہ جس کی محبت دل میں جاگزیں ہو۔ اس کی یاد اور اس کے تذکرے کے سوا اور کسی بات کا مزا ہی نہیں آتا۔ اگر بندہ بھی اپنے رب سے ایسا تعلق پیدا کرے اسے اپنے رب کے ذکر اور اس کی مناجات کے بغیر آرام نہ آئے تو وہ اپنے مقصود کو پائے گا۔ اسے دنیا میں ہی جنت مل جائے۔ کیونکہ جنت تو اللہ تعالیٰ کے قرب کا دوسرا نام ہے۔

جنت بھی ہے یہی کہ ملے یار آشنا

اور آخرت کی جنت تو محبت کرنے والوں کے لئے خاص ہے۔

حضرت رابعہ بصری عارفہ تھیں اپنے ماں باپ کی چوتھی لڑکی تھیں۔ والدین فوت ہو گئے بردہ فروشوں کے ہاتھ بک گئیں۔ مالک سخت گیر تھا۔ ایک رات دعا کی اے پروردگار! میرا دل تیری اطاعت کا خواہاں ہے۔ میری آنکھیں تیری اطاعت اور ذکر سے ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ اگر معاملہ میرے ہاتھ میں ہوتا تو میں ایک لحظہ تیری مناجات سے نہ تھکتی۔ لیکن تو نے مجھے ایک سنگدل آدمی کے ہاتھ دے دیا ہے کیا کروں۔ مالک سنتے ہی کانپ گیا اور اسی وقت آزاد کر دیا۔ رابعہ زاہدہ بن گئیں۔ علم حاصل کیا۔ دنیا سے مونہہ موڑ کر رضائے الٰہی میں کھو گئیں۔ دعا کرتی تھیں پروردگار! اگر میں تیری عبادت جہنم کے خوف سے کروں تو تو مجھے جہنم کی آگ میں جھونک دے۔ اگر جنت کے لالچ سے کروں تو تو مجھے اس سے محروم کر دے۔ لیکن اگر تیری مناجات تیری رضا کے لئے کروں تو تو مجھے محروم نہ رکھ۔

جس کا عمل ہے بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے
حور و خیال سے گزر بادہ و جام سے گزر

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قرب الٰہی پانے کا ایک طریق بتلایا ہے اور وہ اتنا اعلیٰ اور بے خطا ہے جس کی مثال نہیں۔ جو بھی اسے پائے گا گوہر مراد پائے گا۔ وہ یہ ہے کہ جس وقت فراغت اور یکسوئی ملے۔ اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر کمال صدق اور راستی سے اپنے دکھ سکھ عسر یسر' مشکلات حاجات' ارادت مقاصد انعامات اپنی سپاس گزاریاں سب اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کر

دیں۔ جیسے کوئی شخص اپنے رازداں واقف حال' شفیق خیر خواہ' ہمدرد اور گہرے دوست کے پاس بیان کرتا ہے اور کوئی بات نہ چھپائے۔ اسی طرح اپنے گہرے خیالوں' پوشیدہ در پوشیدہ عیبوں' کجیوں' کمزوریوں' قصوروں' غلطیوں' گناہوں اور ان بری باتوں کو جو دل میں پنہاں ہیں اور لوگوں سے چھپائی جاتی ہیں۔ سب بے کم و کاست' نہایت سچائی اور راستی سے اپنے مولا کریم کے حضور سچے دل سے اقرار کرتے ہوئے بیان کر دے۔ جو ستار غفار اور خطا پوش ہے اور جو تمام بھیدوں خفی اور اخفیٰ کو بھی جانتا ہے اور ان کمزوریوں اور گناہوں کو بھی جانتا ہے جن کی ہمیں خبر نہیں۔ لیکن اس عرض معروض سے اس کی نیت دعا اور استغفار کی ہو اور ساتھ ساتھ دعائیہ کلمات بھی کہتا رہے۔ مثلاً اگر کوئی تکلیف ہو' بیماری یا مقدمہ ہو تو اس کی تفصیل اور وجوہات بھی بیان کر دے اور یوں کہے کہ اے مولا کریم! یہ جو تکلیف بیان کی ہے اپنے فضل سے دور فرما۔ کیونکہ یہ تیرے ارادے اور فضل سے دور ہو گی۔ اور اگر اس کے متعلق کوئی تجویز ہو یا تدبیر سمجھ میں آوے تو وہ بھی بیان کر دے اور اس کے حسن و قبح اور خیر و شر کے متعلق اپنے ازدیاد علم اور معرفت کی دعا کرے اور صراط مستقیم یعنی صحیح طریق پر چلنے کی توفیق مانگے۔ اس عرض و معروض میں جتنا وقت لگ جائے لگ جائے۔ خدا کے فضل سے اس میں دلچسپی اور لذت پیدا ہوتی چلی جائے گی۔ اور جس قدر دلچسپی بڑھے گی اسی قدر وقت بھی بڑھتا چلا جائے گا۔ اور پھر ایسا حال ہو جائے گا کہ اس کے بغیر آرام نہ آئے گا۔ اور یہی کوشش کرے گا کہ کب دنیا کے کاروبار سے فرصت ملے اور میں اپنے مالک کے حضور حاضر ہو کر باتیں کروں اور وہ لذت پاؤں جو عاشق کو معشوق سے باتیں کرنے میں ملتی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ جواب بھی ملے۔ لیکن ایسی دلگداز' سچی اور مخلصانہ دعا سے اللہ تعالیٰ کے فضل سے سکینت قلب اور اطمینان دل حاصل ہو جاتا ہے اور مومن کے قلب کو غم سے نجات اور دل کو راحت ملتی ہے اور یہی راحت مناجات اور محبت کا ثمرہ ہے۔

اگر دل محرم راز جمال یار ہو جائے
یہیں اک طور بن جائے یہیں دیدار ہو جائے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب بندہ اپنے رب کو یاد کرتا ہے اور اسے عرض و معروض کرتا ہے تو اس میں ایک روح ناطق بھر دی جاتی ہے جو اس کی ہر التجا اور پکار کا جواب

دیتی ہے اور یہ پردہ اس وقت اٹھتا ہے جب بندہ اپنے رب سے قریب ہو جاتا ہے۔ پھر وہ کانوں سے الہام کے ذریعہ سے جواب سنتا ہے۔ پس اگر الہام ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اگر الہام نہ ہو تو اس وقت یہ یقین ہوتا ہے کہ اللہ میرے پاس ہے اور میں جو کہہ رہا ہوں۔ حرف بحرف سن رہا ہے۔ کیا یہ خوشی تھوڑی ہے کہ ہماری عرض اللہ تعالیٰ سنتا ہے۔ اگر بادشاہ آپ کو بلا کر یا خود آپ کے پاس آکر آپ کی عرضداشت اپنے کانوں سے سنے تو آپ کو کتنی خوشی اور آپ کی کتنی عزت افزائی ہوگی۔ دنیا میں عزتیں ہیں۔ ایک خود بادشاہ سے کلام کرنا اور دوسری بادشاہ کا کلام کرنا۔ پس شکر کا مقام ہے کہ آپ کو اس شہنشاہ سے کلام کرنا حاصل ہے اور اگر اس عرض و معروض میں آنسوؤں کا تحفہ بھی پیش ہو سکے تو بندہ کی قسمت جاگ اٹھے۔ کیونکہ جس بندہ کے دامن میں عاجزی، فروتنی اور شکستگی کا سرمایہ ہو تو اس کی راحت کو دیکھ کر منہ موڑنا مشکل ہو جاتا ہے۔

آہ ۔ گریہ بر ورش چنداں کنم
تا بخود آں غنچہ راخنداں کنی

بندہ کا کام تو دعا کرنا اور اس سے عرض کرنا ہے۔ قبول کرنا اور بشارت سے تسلی دینا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ بندہ اپنا فرض بجالائے اور اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت کا امیدوار رہے۔ کیونکہ جو کوئی مضطرب دل اور قلب منیب لے کر اس کی درگاہ میں حاضر ہوتا ہے وہ کبھی خالی نہیں لوٹتا۔

چوں نشینی بر سر کوئے کسے
عاقبت بینی تو ہم روئے کسے

دعا اور مناجات بدرگاہ ایزدی

تمام عبادتوں میں افضل اور اعلیٰ عبادت نماز ہے اور نماز کی روح دعا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا ہی تمام عبادتوں کی اصل ہے۔ دعا کی غیر معمولی فضیلت اور اہمیت قرآن کریم سے واضح ہے۔ قرآن علم و حکمت اور رشد و ہدایت کا سرچشمہ ہے لیکن سارے قرآن کی روح سورہ فاتحہ ہے۔ سورہ فاتحہ دعا ہی تو ہے بے نظیر اور بے عدیل دعا۔ انسان جب کہتا ہے الحمد للہ رب العالمین تو وہ ایک طرف اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے کہ اس کا معبود و مطلوب اور محبوب و مقصود فقط اللہ تعالیٰ ہے جو اپنی تمام صفات حسنات کی وجہ سے حمد و ستائش کا تنہا سزاوار اور تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ دوسری طرف وہ اس امر کا بھی اقرار کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شاہ کو بھکاری، عابد اور بندہ ہے اور وہ اپنی جسمانی و روحانی صلاحیتوں کی نشوونما اور تکمیل کے لئے اس کا محتاج اور مرہون منت ہے۔ یہی اعتراف و اقرار اصل ایمان ہے۔ اسی ایمان کی بدولت اس کی خودی اللہ تعالیٰ کے سوا کبھی دوسرے کے سامنے سرنیاز خم نہیں کرتی اور ہر بڑی سے بڑی جانی و مالی قربانی کرنے سے دریغ نہیں کرتی..... دعا سچی ہو۔ دردِ دل اور یقین محکم سے کی جائے تو وہ انسان کی نفسیاتی کیفیات میں ایک حسین انقلاب پیدا کر دیتی ہے۔ اسے جب یقین ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو اس کا رازق اور رب ہے اور اس کی دل کی کیفیات کو دیکھتا اور جانتا اور اس کی پکار سنتا ہے تو وہ دنیا کے خوف و حزن سے آزاد ہو جاتا ہے۔ وہ اپنا دردِ دل کہتا ہے تو صرف اپنے رب سے وہ کچھ مانگتا ہے تو اسی سے وہ اپنی حاجت کو پیش کرتا ہے تو فقط اپنے پروردگار کے سامنے جو رحیم بھی ہے اور رحمان بھی وہ اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہے تو اپنے اللہ تعالیٰ سے جو بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔

قرآن حکیم اور احادیث نبوی ﷺ ہی نہیں بلکہ خود انسان کی فطرت سلیمہ بھی انسان کو کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دعاؤں کو سنتا اور قبول کرتا ہے۔ مانگو لے کا ہی نہیں بلکہ مشیت ایزدی خود اپنے بندوں کی دعاؤں کی منتظر رہتی ہے اور یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ ماں باپ سے ستر

حصہ زیادہ شفیق اور مہربان ہے تو پھر جو لوگ اس سے براہ راست نہیں مانگتے وہ اپنے آپ پر ظلم عظیم کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ تو خود انتظار میں رہتا ہے کہ کب میرا بندہ میرے پاس آوے گا کہ میں اس کی حاجت براری کروں۔ پس ایسی ذات کو چھوڑ کر دوسروں سے مانگنا نہ صرف انسانیت کی تذلیل ہے بلکہ رب کریم کی شکایت بھی ہے۔ اس لئے بزرگوں نے کہا ہے کہ حکایت حال' شکایت ذوالجلال۔

حضرت نبی کریم ﷺ اٹھتے بیٹھتے' سوتے جاگتے' کھاتے پیتے' عیادت کرتے' کام کرتے الغرض ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ہر وقت دعائیں کیا کرتے تھے۔ احادیث کی کتب میں آپ کی دعائیں محفوظ ہیں۔ حضور ﷺ نے ہمیں یہ دعائیں مانگنے کی تلقین فرمائی ہے۔ خلاصہ ان دعاؤں کا یہ ہے کہ بندہ ہر وقت اپنے معبود حقیقی کو یاد کرتا رہے اور اس کی رحمتوں سے اپنا دامن مراد بھرتا رہے اور دوسرے اس کا تعلق براہ راست اپنے رب کریم سے قائم رہے اور یہی اصل توحید ہے۔ یاد رکھو کہ دعا سے تقویٰ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے یقین ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے ہر وقت دیکھتا اور اس کی ہر بات کو سنتا ہے اور یہی یقین اسے گناہوں اور بدیوں سے روکتا ہے۔ یہی تقویٰ اعمال صالحہ کی جڑ ہے۔ اور تقویٰ ہی سے خدا تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی ہے اور تقویٰ ہی سے انسان محسنین میں شامل ہو جاتا ہے۔ جس کے لئے دو جنتیں ہیں۔ ایک اس دنیا میں جو خدا کی رضا کی جنت ہے اور ایک آخرت میں جو اس کے دیدار اور ہمکلامی کی جنت ہے۔

اسلام حیات انسانی کو صرف دنیا تک ہی محدود نہیں سمجھتا بلکہ اس کی ابدیت کا قائل ہے۔ اس معنی میں انسان کو مرنے کے بعد قیامت کے دن پھر زندہ کیا جائے گا اور اس کے اعمال کا محاسبہ ہوگا اور اسی کے مطابق اسے جزاء سزا دی جائے گی۔ انسان آخرت میں عذاب النار میں ہو یا حسن ملب میں کبھی نہیں مرے گا۔ جب اس کی قسمت میں ہمیشہ زندہ رہنا ہے تو پھر اسے دوزخ کے عذاب مقیم کی بجائے جنت کی ابدی مسرتوں میں رہنا چاہئے۔ عقل و دانش کا تقاضا یہی ہے اور مشیت ایزدی بھی یہی ہے کہ وہ عبد بن جائے اور جنت کا وارث ہو اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں آخرت یا اخروی زندگی کی اہمیت پر بہت زور دیا ہے۔ وہ بار بار انسان پر یہ حقیقت آشکار کرتا ہے کہ دنیا کی زندگی نہایت مختصر ہے اور آخرت کی ابدی زندگی کے مقابلہ میں اس کی

حیثیت تو کچھ بھی نہیں۔ محض لحاتی ہے۔ دنیاوی زندگی کی حیثیت پانی کے بلبلے سے زیادہ نہیں لہٰذا اہل دانش وہ ہیں جو دنیا پر آخرت کو اور فانی زندگی پر ابدی زندگی کو ترجیح دیتے ہیں اور اس کے حصول کی طلب اور جستجو میں لگے رہتے ہیں۔ لہٰذا قرآن حکیم اولاد آدم کو جنت کی ابدی زندگی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور اس کے مانگنے کا طریقہ بھی بتلاتا ہے۔ وہ انسان پر واضح کرتا ہے کہ اسے اپنی دنیا بھی حسین بنانی چاہیئے اور آخرت بھی۔ اسی لئے دعا سکھلائی ہے کہ ربنا اتنا فی الدنیا حسنہ وفی الاخرۃ حسنہ وقنا عذاب النار حضرت رسول کریم ﷺ اسی دعا کے بار بار پڑھنے پر زور دیا کرتے تھے کہ انسان کو حسنات الدنیا اور حسنات الاخرۃ دونوں حاصل ہو جائیں لیکن اگر مشیت الٰہی سے دنیاوی زندگی کو اخروی زندگی کے لئے قربان کر دینا پڑے تو کر دینا چاہیے۔ لیکن دنیا کے لئے آخرت کو کسی قیمت پر بھی اور کسی حال میں بھی زبان نہیں لانا چاہیے۔ ظاہر ہے ایک دانشمند عارضی اور تھوڑے سے نفع کے لئے ابدی اور بے انتہا نفع سے دستبردار نہیں ہو سکتا۔ سچے مومن کا کام یہی ہے کہ وہ راضی برضا رہے اور شکوہ زبان پر نہ لائے۔ یہی امرام اعلیٰ ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ مومن بندہ کو ہر وقت اپنے رب کریم سے دعا کرتے ہوئے اسے مقصود اور مطلوب سمجھتے ہوئے محبت ہو ہی جاتی ہے کیونکہ دعا یاد ہے اور یاد محبت کا دوسرا نام ہے۔ پس جس دل میں محبت سمائی ہو اس کی خاطر مصائب برداشت کرنا مسرتوں سے عزیز تر ہے۔ محبوب ذات کی ایک نظر التفات تمام دکھوں کا مداوا بن جاتی ہے اور معمولی پرستش سے بھی روح کو وہ تسکین حاصل ہوتی ہے جو لعل و جواہر حاصل کرنے سے نہیں ہو سکتی۔ جب اپنی پریشان خاطر اور تباہ حال کا احساس محبوب حضرت کو ہونے لگتا ہے تو تمام رنج و غم مٹ جاتے ہیں اور دل مسرتوں سے لبریز ہو جاتا ہے کہ میری تباہیاں اور بربادیاں رائیگاں نہیں گئیں۔ جس کی خوشنودی مزاج کے لئے غم اٹھائے تھے اسے ان کا احساس ہو گیا ہے۔ اپنی بربادیوں کی یہ قیمت وصول ہو جاتی ہے تو طالب صادق کو کسی اور چیز کی احتیاج نہیں رہتی۔ جو غم محبوب کے دل پر اثر انداز ہو سکے وہ محب صادق کو مسرتوں سے زیادہ عزیز ہوتا ہے۔ وہ اس سودے کو گراں نہیں سمجھتا کیونکہ

محبت میں عجب دستور دیکھا
اسی کی جیت ہے جو ہار جائے

حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں کہ:۔

"میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ تمہارا تعلق خدا تعالیٰ سے کرواؤں اور اس کا طریق یہی ہے کہ دعا کو لازم پکڑو اور اس سے کسی وقت غافل نہ ہو۔ جو دعا سے غافل ہے وہ مارا گیا۔ دعا ہی تمہارے دکھوں کا مداوا ہے اور دعا ہی تمام مشکلات کا حل ہے"۔

ایک اور موقع پر فرمایا:۔

"کہ جب بندہ اپنے مولا کو یاد کرتا ہے اور اس سے عرض معروف کرتا ہے تو اس میں ایک روح ہلکی بھر دی جاتی ہے جو اس کی ہر التجا اور پکار کا جواب دیتی ہے اور یہ پردہ اس وقت اٹھتا ہے جب بندہ اپنے رب سے قریب ہو جاتا ہے۔ پھر وہ اپنے کانوں سے الہام کے ذریعہ سے جواب سنتا ہے۔ پس اگر الہام ہو جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اگر الہام نہ ہو تو اس وقت یہ تو یقین ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے پاس ہے اور جو میں کہہ رہا ہوں حرف بحرف سن رہا ہے۔ کیا یہ خوشی تھوڑی ہے کہ ہماری غرض اللہ تعالیٰ سنتا ہے۔ اگر بادشاہ آپ کو بلا کر یا خود آپ کے پاس آ کر آپ کی عرض بالمشافہ اپنے کانوں سے سنے تو آپ کو کتنی خوشی اور آپ کی کتنی عزت افزائی ہوگی۔ دنیا میں دو عزتیں ہیں ایک خود بادشاہ سے کلام کرنا اور دوسرا بادشاہ کا آپ سے کلام کرنا۔ پس شکر انعام ہے کہ آپ کو اس شہنشاہ سے کلام کرنا حاصل ہے۔

حضرت رابعہ بصری" عارفہ تھیں۔ اپنے ماں باپ کی چوتھی لڑکی تھیں۔ والدین فوت ہو گئے۔ بردہ فروشوں کے ہاتھ بک گئیں۔ مالک سخت تھا۔ ایک رات دعا کی اے پروردگار! میرا دل تیری اطاعت کا خواہاں ہے۔ میری آنکھیں تیری اطاعت اور ذکر سے ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ اگر معاملہ میرے ہاتھ میں ہوتا تو میں ایک لحظہ تیری مناجات سے نہ تھکتی لیکن تو نے مجھے سنگدل آدمی کے ہاتھ میں دے دیا ہے کیا کروں؟ مالک سنتے ہی کانپ گیا اور آزاد کر دیا۔ رابعہ زاہدہ بن گئیں۔ علم حاصل کیا۔ دنیا سے منہ موڑ کر رضائے الٰہی میں کھو گئیں۔ دعا کرتی تھیں پروردگار! اگر میں تیری عبادت جہنم کے خوف سے کروں تو تو مجھے جہنم کی آگ میں جھونک دے۔ اگر جنت کے لالچ سے کروں تو تو مجھے اس سے محروم کر دے۔ لیکن اگر تیری مناجات تیری رضا کے لئے کروں تو تو مجھے محروم نہ رکھ۔

جس کا عمل ہے بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے
حور و خیام سے گزر ' بادہ جام سے گزر

اب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ملفوظات کے ایک اقتباس پر اپنے مضمون کو ختم کرتا ہوں جس سے دعا کا فلسفہ اور اس کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے فرماتے ہیں۔

"دعا بڑی دولت ہے جو شخص دعا کو نہیں چھوڑتا اس کے دن اور دنیا پر آفت نہ آئے گی۔ وہ ایک ایسے قلعہ میں محفوظ ہے جس کے ارد گرد مسلح سپاہی ہر وقت حفاظت کرتے ہیں۔ جو دعا سے لاپرواہ ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو خود بے ہتھیار ہے اور اس پر کمزور بھی ہے۔ پھر ایسے جنگل میں ہے جو درندوں اور موذی جانوروں سے بھرا ہوا ہے۔ وہ سمجھ سکتا ہے کہ اس کی خیر ہرگز نہیں۔ ایک لمحہ میں وہ موذی جانوروں کا شکار ہو جائے گا اور اس کی ہڈی بوٹی بھی نظر نہ آئے گی۔ اس لئے یاد رکھو کہ انسان کی بڑی سعادت اور اس کی حفاظت کا اصل ذریعہ ہی دعا ہے یہی دعا اس کے لئے پناہ ہے۔ اگر وہ ہر وقت اس میں لگا رہے۔"

پس مانگنے کا سلیقہ چاہئے دل میں سوز و گداز ہو تو دعا خالی نہیں جاتی۔ محروم وہی گدا ہوتے ہیں جو گدائی کے سلیقہ سے محروم ہوتے ہیں۔ گدا کی آواز کا سوز محسن کے جذبہ رحم و کرم کو متحرک کئے بغیر نہیں ہوتا بندے کی آواز میں جب سوز پیدا ہو جاتا ہے اور اس کی صدا اور دردناک بن جاتی ہے تو رحمت الٰہی جھک کر اسے آغوش میں لے لیتی ہے۔ وہ نوازا جاتا ہے اور انعامات خداوندی سے مالا مال ہو کر لوٹتا ہے۔

سلیقہ نہیں تجھ میں رونے کا ورنہ
بڑے کام کی ہے یہ آنکھوں کا پانی

محبت کی متاع بے بہا آنسو

کہتے ہیں وہ کون سا گناہ ہے جو ماں معاف نہیں کر سکتی۔ یہ بات بالکل صحیح ہے۔ بیٹا خواہ کتنا ہی قصور وار ہو اور دکھ دینے والا ہو اگر نادم ہو کر آنسو بہائے اور ماں سے معافی کا طلب گار ہو تو ماں نہ صرف معاف کر دے گی بلکہ اس کی محبت کا دریا بھی جوش میں آجائے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی جو ماں باپ سے بہت زیادہ مہربان ہے یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کا بندہ دکھ میں پڑے۔ اس کی ہزاروں لغزشوں کو معاف کرتا چلا جاتا ہے اور اپنی عنایات میں کمی نہیں کرتا۔ صرف شرط یہ ہے کہ بندہ منفعل ہو کر اس سے بخشش کا طالب رہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی بخشش عمل پر موقوف نہیں۔ اس کے فضل پر منحصر ہے اور اس کے فضل کو کھینچنے والی چیز تو عجز و نیاز ہے۔ اگر عجز و نیاز میں آنسو بھی شامل ہو جائے تو یہ حریم جمال کے پردوں کو ہلا کر رکھ دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اپنے بندے کو مضطرب اور آنسو بہاتا ہوا نہیں دیکھ سکتی۔ اسے سبھی کچھ ملتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اگر عورت مرد کے سامنے آنسو بہائے تو زیب و زینت کا سامان حاصل کر لیتی ہے۔ بچہ ماں باپ کے سامنے آنسو بہائے تو اچھے اچھے کھلونے اور مٹھائیاں حاصل کر لیتا ہے اور اگر بندہ اپنے رب کے سامنے آنسو بہائے تو دنیا میں روحانی سکون اور آخرت کی جنت حاصل کر لیتا ہے اور یہ سچ ہے کہ جو بندے اس راہ سے واقف ہیں وہ ہر غم سے بے نیاز ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی گود میں پلتے ہیں اور اس کی رحمت کے سائے میں رہتے ہیں۔ بظاہر آنسو بہانا حزن و ملال کی کیفیت کی غمازی کرتا ہے لیکن جو آنسو اپنے رب محسن کی محبت اور خوف میں بہائے جائیں ان کے سامنے دنیا جہاں کی خوشیاں اور سرور ہیچ ہیں۔ اس وقت کی خوشی کا اندازہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اس کوچہ کے آشنا ہیں۔ اندھی دنیا کو کیا معلوم کہ وہ کیفیت کیا ہوتی ہے۔ وہ تو ظاہر پر فتویٰ لگاتی ہے۔ جب بچھڑے ہوئے دو دل ملیں تو رونا آہی جاتا ہے اور اس رونے کا مقابلہ دنیا کی کوئی نعمت نہیں کر سکتی۔ آنسو دراصل محبت کے سفیر ہوتے ہیں اور جب یہ آئیں تو سمجھو کہ یار آگیا۔ وصال میسر آیا۔ عاشق کی قسمت جاگ اٹھی اور تپیدہ دل کو قرار آیا۔ دل نے یار کے

آگے بھی کچھ کہہ دیا۔ فرقت کے گلے شکوے کہہ ڈالے اور اپنی بے بضاعتی اور کم مائیگی کا اظہار کر دیا۔ سچ پوچھو تو دل کی ترجمانی آنسو کرتے ہیں۔ زبان یہ کام کرنے سے قاصر ہے۔ دنیاوی کاروبار میں زبان کام دے سکتی ہے لیکن عشق کی منزل میں اس کا کام نہیں۔ وہاں تو آنسو کام دیتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ یہی تپش اور گداز یا تو محبوب کے دروازے پر پہنچنے کی راہ ہموار کر دیتی ہے یا محبوب کے پاس کھینچ لاتی ہے۔ پس کتنا خوش نصیب ہے بندہ جس کو رونا میسر آجاوے اور وہ اس کے ذریعہ سے کرم کا مورد بن جائے۔ اگر انسان اللہ تعالیٰ کی یاد اور محبت میں آنسو بہانا سکھ لے تو اس کی دنیا ہی بدل جائے۔ وہ اس دنیا میں جنت کا لطف اٹھائے اور شاہد ازلی کے جمال کا مشاہدہ کرے۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی سے کسی غیر احمدی دوست نے پوچھا مولوی صاحب آپ بڑے عالم فاضل اور اعلیٰ خطیب تھے۔ اپنے وعظ سے لوگوں کو رلایا کرتے تھے۔ بات کیا ہوئی کہ مرزا صاحب کے مرید ہو گئے۔ مرزا صاحب میں کیا دیکھا۔ کہنے لگے کہ پہلے میں لوگوں کو رلایا کرتا تھا۔ اب مرزا صاحب نے مجھے خود رونا سکھا دیا ہے جو بے حد لذت بخش ہے۔ اب میں ان کا ہو کر رہ گیا ہوں۔...... پس یہ آنسو بڑے کام کی چیز ہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

سلیقہ نہیں تجھ کو رونے کا ورنہ
بڑے کام کا ہے یہ آنکھوں کا پانی

اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت اور بخشش کے حصول کے لئے یہی سبق تو روز اول سے دیا تھا۔ آدم نے نادم ہو کر جب اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور کہا کہ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا تو اس کی خطا بخشی گئی۔ بلکہ اسے دنیا کی خلافت سے بھی سرفراز کیا گیا.... لیکن اس دنیا میں آکر انسان اس کی رنگینیوں اور دلچسپیوں میں ایسا مست ہو جاتا ہے کہ وہ پڑھا ہوا سبق بھول جاتا ہے۔ اس لئے اس کی رحمت سے دور جا پڑتا ہے۔ مگر جن لوگوں نے یہ سبق یاد رکھا انہوں نے خدا تعالیٰ کو پالیا اور وہ دنیا سے بے نیاز ہو گئے۔ دیکھو جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو پیٹ سے باہر آتے ہی رونا شروع کر دیتا ہے۔ یہی سبق ہے جو فطرت اسے پہلے پہلے پڑھاتی ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ سبق اپنی دنیاوی زندگی میں نہ بھولنا ورنہ تو ہلاک ہو جائے گا۔ فلیضحکوا قلیلا ولیبکوا کثیرا اگر غور سے دیکھا جائے تو انسان کے پاس وہ کون سے عمل ہیں جن کے زور

سے وہ جنت میں جاسکتا ہے۔ اس کے ہر عمل میں نفس اور شیطان کا حصہ ہے اس لئے وہ قابل قبول نہیں۔ لے دے کر صرف اللہ تعالیٰ کا فضل ہی ہے جس پر انحصار ہے۔ لہٰذا اس فضل کو حاصل کرنے والی چیز ندامت بے چارگی اور شکستگی ہے۔ اس کے سوا دوسرا راستہ ہے ہی نہیں۔ یہ راستہ نزدیک تر بھی ہے اور آسان بھی۔ حضرت فتح موصلی رحمہ اللہ بزرگ گزرے ہیں۔ وہ بہت رویا کرتے تھے۔ تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ جب وہ فوت ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ اے فتح تو کیوں رویا کرتا تھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں اپنے گناہوں کی شرم کی وجہ سے رویا کرتا تھا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے فتح! ہم نے بھی تیرے موکل فرشتوں کو حکم دے رکھا تھا کہ تیرے گناہ نہ لکھے جائیں۔ یہ تیرے رونے کی وجہ سے تھا۔ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کے متعلق کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا معاملہ کیا۔ کہنے لگے کہ وہ درس و تدریس اور علم و حکمت کی باتیں جو ہم لوگوں میں کیا کرتے تھے کام نہ آئیں۔ اگر کام آئے تو تہجد کے چند آنسو کام آئے۔ رب رحیم نے ان کی قدر کی اور بخش دیا۔ پس یاد رہے کہ

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا ہے آہ سحر گاہی

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی سب سے بڑی صفت یہ بتاتا ہے کہ ھم فی صلاتھم خاشعون کہ وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں جو اپنی نمازوں میں روتے اور گڑگڑاتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے روز وہی لوگ سب سے زیادہ ہنسنے والے ہوں گے جو دنیا میں زیادہ رونے والے ہوں گے اور یہ صحیح ہے کہ جنہوں نے دنیا میں ہنسنا اور خوش رہنا اپنا مقصد بنالیا وہ کیسے کامیاب ہوسکتے ہیں۔ ان کے لئے تو وہاں حسرت و اندوہ اور یاس و حرماں ہی ہے۔ دنیا بھی ایک خواب ہستی ہے۔ خواب میں ہنسنے کی تعبیر غم و اندوہ اور رونے کی تعبیر خوشی اور انبساط ہے۔

دنیا میں بھی یہ بات دیکھی جاسکتی ہے کہ اگر کوئی ملزم اقرار جرم کرکے ندامت کے آنسو بہائے تو عدالت بھی اس کی سزا میں نرمی کرتی ہے۔ اسی طرح بندہ خواہ کتنا ہی عصیاں آلودہ ہو اپنے رب کے سامنے نادم ہو کر آئے اور آنسو بہا کر بخشش کا طالب ہو تو اس کی رحمت کو منہ

مو زنا مشکل ہو جاتا ہے۔ وہ اسے بخش دیتا ہے اور پھر بھی شرمندہ نہیں کرتا کیونکہ اس کی خو بندہ نوازی ہے...... اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو صفت غفوریت کے لئے بنایا ہے۔ بندے گناہ کرتے ہیں کیونکہ یہ ان کی سرشت میں داخل ہے اور پھر جب وہ نادم ہو کر بخشش طلب کرتے ہیں تو وہ معاف کر دیتا ہے۔ پس اگر بندے گناہ نہ کرتے تو غفوریت کا اظہار کیسے ہوتا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر اس دنیا کے انسان گناہ نہ کرتے تو میں اس دنیا کو تباہ کر کے ایک اور دنیا بناتا جس کے بندے گناہ کرتے اور مجھ سے بخشش مانگتے تو میں ان کو بخش دیتا۔ پس انسان نے گناہ کرنے ہی ہیں اور اس نے بخشنے ہی ہیں۔ فرمایا کہ۔

گر ایں مشت خاک را نہ بخشم چہ کنم

لیکن شرط یہ ہے کہ وہ عاجزی اور فروتنی اختیار کر کے ندامت کے آنسو بہائے۔ پھر بخشش ہو گی۔ حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو زاہدوں کی تسبیح اور صلی سے گنہگاروں کا رونا اور گڑگڑانا زیادہ پسند ہے۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ بھی ایک چیز کا طلبگار ہے۔ وہ ہے عاجزی اور انکساری اس کے پاس تو کبریائی ہے عاجزی نہیں۔

پس وہ ذات کریم جہاں عاجزی انکساری اور شکستگی دیکھتی ہے اپنی رحمت اور مغفرت کے بدلے اسے خرید لیتی ہے۔ کیونکہ یہی چیز اسے بہت پسند ہے۔

مولیٰ سمجھ کے شان کریمی نے چن لئے
قطرے جو تھے مرے عرق انفعال کے

کیا ہی اس کی ذرہ نوازی ہے اور کیا ہی عمدہ سودا بازی ہے جو وہ کرتا ہے۔ اللہ والے کہا کرتے ہیں کہ آنسو قبولیت کی سند ہیں۔ جو دعا درد کرور گڑگڑا کر عاجزی میں کی جائے وہ ضرور قبول ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسا حی ہے کہ اسے خالی ہاتھ لوٹاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ ہر شخص صاحب تجربہ ہے کہ اس کی دعائیں جن کے ساتھ اضطراب اور گریہ ہوگی وہ ضرور قبول ہوئی ہوں گی۔ پس یہ آنسو بڑے کام کی چیز ہیں۔ ان کو آزما کر تو دیکھو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:۔

"عاجزی اپنا شعار بناؤ اور رونے کی عادت ڈالو کیونکہ رونا اسے بہت پسند ہے۔ اگر چالیس دن تک رونا نہ آوے تو سمجھو کہ دل سخت ہو گیا ہے"۔

پھر اس کا علاج یہ ہے کہ ایک طرف اپنے گناہوں پر نظر کرو اور دوسری طرف اس کے

الطاف اور احسانات کو دیکھو کہ اس نے بند نہیں کئے۔ دل رقیق ہو جائے گا۔ پھر اپنے دامن کو گوہر مراد سے بھر لو اور حقیقت بھی یہی ہے کہ بندہ کی متاع بے بہا تو گریہ و زاری ہے۔

تری دنیا جہان مرغ و ماہی
مری دنیا فغان صبح گاہی

تری دنیا میں مجبور و مقہور
مری دنیا میں تیری پادشاہی

آنسو۔ بندہ کی اک متاع بے بہا

مقولہ ہے کہ اگر عورت مرد کے سامنے آنسو بہائے تو زیب و زینت کا سامان حاصل کر لیتی ہے۔ اگر بچہ باپ کے سامنے آنسو بہائے تو اچھے اچھے کھلونے اور مٹھائیاں حاصل کر لیتا ہے۔ اور اگر بندہ اپنے رب کے سامنے آنسو بہائے تو دنیا میں روحانی سکینت اور آخرت کی جنت حاصل کر لیتا ہے یہ مقولہ کتنا سچ ہے اور کون اس کی صداقت میں شک کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بخشش عمل پر موقوف نہیں۔ اس کے فضل پر منحصر ہے اور اس کے فضل کو کھینچنے والی چیز تو عجز و نیاز ہے۔ اور اگر عجز و نیاز میں گریہ شامل ہو جائے تو حریم جمال کے پردوں کو ہلا کر رکھ دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اپنے بندے کو مضطرب اور آنسو بہاتا ہوا نہیں دیکھ سکتی۔ اسے سبھی کچھ ملتا ہے۔ جو وہ چاہتا ہے اور یہ سچ ہے کہ جو بندے اس راہ سے واقف ہیں وہ ہر غم سے بے نیاز ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی گود میں پلتے ہیں اور اس کی رحمت کے سائے میں رہتے ہیں۔ بظاہر آنسو بہانا حزن وملال کی کیفیت کی غمازی کرتا ہے۔ لیکن جو آنسو اپنے رب محسن کی محبت اور خوف میں بہائے جائیں ان کے سامنے دنیا جہان کی خوشیاں اور سرور ہیچ ہیں۔ اس وقت کی خوشی کا اندازہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اس کوچہ کے آشنا ہیں۔ اندھی دنیا کو کیا معلوم کہ وہ کیفیت کیا ہوتی ہے۔ وہ تو ظاہر پر فتویٰ لگاتی ہے۔ جب بچھڑے ہوئے دو دل ملیں تو رونا آ ہی جاتا ہے اور اس رونے کا مقابلہ دنیا کی کوئی نعمت نہیں کر سکتی۔ آنسو دراصل محبت کے سفیر ہوتے ہیں اور جب یہ آئیں تو سمجھو کہ یار آ گیا' وصال میسر آیا' عاشق کی قسمت جاگ اٹھی "تپیدہ دل کو قرار آیا' دل نے یار کے آگے سبھی کچھ کہہ دیا' فرقت کے گلے شکوے کہہ ڈالے اور اپنی بے بضاعتی اور کم مائیگی کا اظہار کر دیا۔ سچ پوچھو تو دل کی ترجمانی یہی کرتے ہیں۔ زبان یہ کام کرنے سے قاصر ہے دنیاوی کاروبار میں زبان کام دے سکتی ہے لیکن عشق کی منزل میں اس کا کام نہیں۔ وہاں تو آنسو کام دیتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ یہی تپش اور گداز یا تو محبوب کے دروازے تک پہنچنے کی راہ ہموار کر دیتی ہے یا محبت کو محب کے پاس کھینچ لاتی ہے۔ پس کتنا خوش نصیب ہے وہ بندہ جس کو رونا میسر آئے

اور وہ اس کے ذریعہ سے کرم کا مورد بن جائے اگر انسان اللہ تعالیٰ کی یاد اور محبت میں آنسو بہانا سیکھ لے تو اس کی دنیا ہی بدل جائے۔ اور وہ اس دنیا میں جنت کا لطف اٹھائے۔ اور شاہد ازلی کے جمال کا مشاہدہ کرے۔ پس یہ آنسو بڑے کام کی چیز ہیں کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

سلیقہ نہیں تجھ میں رونے کا ورنہ
بڑے کام کا ہے یہ آنسو کا پانی

اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت اور بخشش کے حصول کے لئے یہی سبق تو روز اول سے دیا تھا۔ آدم نے جب علوم ہو کر اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور کہا کہ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ تو اس کی خطا بخشی گئی بلکہ اسے دنیا کی خلافت سے بھی سرفراز کیا گیا۔

لیکن اس دنیا میں آکر انسان اس کی رنگینیوں اور دلچسپیوں میں ایسا مست ہو جاتا ہے کہ وہ پڑھا ہوا سبق بھول جاتا ہے اس لئے اس کی رحمت سے دور جا رہا ہے۔ مگر جن لوگوں نے یہ سبق یاد رکھا انہوں نے خدا تعالیٰ کو پا لیا اور وہ دنیا سے بے نیاز ہو گئے دیکھو جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو پیٹ سے باہر آتے ہی رونا شروع کر دیتا ہے یہی سبق ہے جو اسے فطرت سب سے پہلے پڑھاتی ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ کہ یہ سبق اپنی دنیاوی زندگی میں نہ بھولنا۔ ورنہ تو ہلاک ہو جائیگا۔ ولیضحکوا قلیلا ولیبکوا کثیرا اگر غور سے دیکھا جائے کہ انسان کے پاس وہ کون سے عمل ہیں جن کے زور سے وہ جنت میں جا سکتا ہے تو اس کے ہر عمل میں نفس اور شیطان کا حصہ ہوتا ہے۔ اس لئے وہ قابل قبول نہیں ہوتا۔ صرف اللہ تعالیٰ کا فضل ہی اس کی بخشش کا انحصار ہے لہذا اس کے فضل کو جذب کرنے والی چیز ندامت۔ بے چارگی اور شکستگی ہے۔ اس کے سوا اور کوئی راستہ ہے ہی نہیں۔ یہ راستہ نزدیک تر بھی ہے اور آسان بھی۔

کتابوں میں آیا ہے کہ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ علیہ جب فوت ہوئے تو کسی نے خواب میں انہیں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا معاملہ کیا کہنے لگے وہ درس و تدریس اور علم و حکمت کی باتیں جو ہم لوگوں میں کیا کرتے تھے کام نہ آئیں۔ اگر کام آئے تو تہجد کے چند آنسو کام آئے۔ رب رحیم نے ان کی قدر کی اور بخش دیا۔ پس بندہ کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ۔

کچھ ہاتھ نہیں آتا ہے آہ سحر گاہی

اللہ تعالیٰ بھی سب سے بڑی صفت اپنے بندوں کی یہ بتلاتا ہے۔ ھم فی صلوتھم خاشعون کہ وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں جو اپنی نمازوں میں روتے اور گڑگڑاتے ہیں حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے روز وہی لوگ سب سے زیادہ ہنسنے والے ہوں گے جو دنیا میں زیادہ رونے والے ہوں گے اور یہ صحیح ہے کہ جنہوں نے دنیا میں ہنسنا اور خوش رہنا اپنا مقصد بنالیا ہو وہ کیسے فلاح پا سکتے ہیں۔ ان کے لئے تو وہاں حسرت و اندوہ اور یاس و حرماں ہی ہے۔

دنیا میں بھی یہ بات دیکھی جاسکتی ہے کہ اگر کوئی ملزم اقرار جرم کر کے ندامت کے آنسو بہائے تو عدالت بھی اس کی سزا میں نرمی کرتی ہے۔ بچہ والدین کا کتنا نافرمان ہو اگر وہ کسی وقت پشیمان ہو کر معافی کے لئے آجائے تو اسے بھی معاف کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح بندہ خواہ کتنا عصیاں آلودہ ہو اپنے رب کے سامنے نادم ہو' تو رحمت خداوندی بھی اسے مایوس نہیں لوٹاتی۔ اسے بخش دیا جاتا ہے اور وہ ذات اسے پھر بھی شرمندہ بھی نہیں کرتی۔ کیونکہ اس کی خو بندہ نوازی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو صفت غفوریت کے تقاضا سے بنایا ہے بندے گناہ کرتے ہیں کیونکہ یہ ان کی سرشت میں داخل ہے اور پھر جب وہ نادم ہو کر بخشش طلب کرتے ہیں تو وہ معاف کر دیتا ہے۔ پس اگر بندے گناہ نہ کرتے تو غفوریت کا اظہار کیسے ہوتا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ

اگر اس دنیا کے انسان گناہ نہ کرتے تو میں اس دنیا کو تباہ کر کے ایک اور دنیا بناتا۔ جس کے بندے گناہ کرتے اور مجھ سے بخشش مانگتے تو میں ان کو بخش دیتا۔

پس انسان نے گناہ کرنے ہی ہیں اور اس نے بخشنے ہی ہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ عاجزی اور فروتنی اختیار کر کے ندامت کے آنسو بہائے پھر بخشش ہوگی۔ کسی نے صحیح کہا ہے۔

سراپا معصیت میں ہوں' سراپا مغفرت ہے وہ
خطا کوشی روش میری' خطا پوشی ہے کام اس کا

حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو......... زاہدوں کی تسبیح و مصلی سے گنہگاروں کا رونا اور گڑگڑانا زیادہ پسند ہے۔ اللہ والے کہا کرتے ہیں کہ آنسو قبولیت کی سند ہیں۔ جو دعا رو کر رو رگڑ کر ایزدی میں کی جائے وہ ضرور قبول ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسا غنی ہے کہ اسے بندہ کو خالی ہاتھ لوٹاتے

ہوئے شرم آتی ہے۔ ہر شخص نے مشاہدہ کیا ہوگا کہ اس کی وہ دعائیں جن کے ساتھ اضطراب اور گریہ ہوگی۔ وہ ضرور قبول ہوئی ہوں گی۔ پس یہ آنسو بڑے کام کی چیز ہیں۔ ان کو آزما کر تو دیکھو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ عاجزی اپنا شعار بنالو اور رونے کی عادت ڈالو کیونکہ رونا اسے بہت پسند ہے۔ اور یہ درست ہے کہ بندہ کے دامن میں سوائے عجز و نیاز اور آہ وفغاں کے اور ہے ہی کیا اور در حقیقت یہی سب سے بڑی دولت ہے۔

بڑے کام کا ہے یہ آنکھوں کا پانی
کرم کا مورد بننا ہو تو گریہ و زاری سیکھ لو آنسو
دراصل محبت کے سفیر ہوتے ہیں

قرآن کریم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بخشش عمل پر نہیں بلکہ اس کے فضل پر موقوف ہے۔ انسان اپنے عمل کے زور سے جنت میں نہیں جاسکتا کیونکہ اس کے بعض اعمال میں بعض اوقات نفس اور شیطان کا حصہ ہوتا ہے۔ اس لئے وہ قابل قبول نہیں ہوتا۔ پس ہر مقام پر اس کا فضل ہی کام آتا ہے اور اس کے فضل کو کھینچنے والی چیز تو عجز و نیاز اور انکساری ہے۔ اگر عجز و نیاز میں گریہ بھی شامل ہو جائے تو وہ حریم جمال کے پردوں کو ہلا کر رکھ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اپنے بندے کو مضطرب اور آنسو بہاتا ہوا نہیں دیکھ سکتی۔ اسے سبھی کچھ ملتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ عام مقولہ ہے کہ اگر بچہ باپ کے سامنے آنسو بہائے تو اچھے اچھے کھلونے اور مٹھائیاں حاصل کر لیتا ہے اور اگر بندہ اپنے رب کے سامنے آنسو بہائے تو دنیا میں روحانی سکون اور آخرت کی جنت حاصل کر لیتا ہے۔ یہ مقولہ کتنا صحیح ہے اور کون اس کی صداقت میں شک کر سکتا ہے۔

یہ سچ ہے کہ جو بندے اس راہ سے واقف ہیں ہر غم سے بے نیاز ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی گود میں پلتے ہیں اور اس کی رحمت کے سائے میں رہتے ہیں۔ بظاہر آنسو بہانا حزن و ملال کی کیفیت کی غمازی کرتا ہے لیکن جو آنسو اپنے رب محسن کی محبت اور خوف میں بہائے جائیں ان کے سامنے دنیا جہان کی خوشیاں اور سرور ہیچ ہیں۔ اس وقت کی خوشی کا اندازہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اس کوچہ کے آشنا ہیں۔ اندھی دنیا کو کیا معلوم کہ وہ کیفیت کیا ہوتی ہے۔ وہ تو ظاہر پر فتویٰ پر لگاتی ہے۔ جب بچھڑے ہوئے دو دل ملیں تو رونا آ ہی جاتا ہے اور اس رونے کا مقابلہ دنیا کی کوئی نعمت نہیں کر سکتی۔ آنسو دراصل محبت کے سفیر ہوتے ہیں اور جب آئیں تو سمجھ لو کہ یار آ گیا۔

وصال میسر آیا' عاشق کی قسمت جاگ اٹھی' کبیدہ دل کو قرار آیا' دل نے یار کے آگے سب کچھ کہہ دیا' فرقت کے گلے شکوے کہہ ڈالے اور اپنی بے بضاعتی اور کم مائیگی کا اظہار کر دیا۔ سچ پوچھو تو دل کی ترجمانی یہی کرتے ہیں۔ زبان یہ کام کرنے سے قاصر ہے۔ دنیاوی کاروبار میں زبان کام دے سکتی ہے لیکن عشق کی منزل اس کا کام نہیں۔ وہاں تو آنسو کام دیتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ یہی تپش اور گداز یا تو محبوب کے دروازے تک پہنچنے کی راہ ہموار کر دیتا ہے یا محبوب کو محب کے پاس کھینچ لاتا ہے۔ پس کتنا خوش نصیب ہے وہ شخص جس کو رونا میسر آئے اور اس کے ذریعہ سے کرم کا مورد بن جائے۔ اگر انسان اللہ تعالیٰ کی یاد اور محبت میں آنسو بہانا سیکھ لے تو اس کی دنیا ہی بدل جائے۔ وہ اس دنیا میں جنت کا لطف اور شاہد ازلی کا مشاہدہ کرے۔ پس یہ آنسو بڑے کام کی چیز ہیں۔ کسی نے صحیح کہا ہے۔

سلیقہ نہیں تجھ میں رونے کا ورنہ
بڑے کام کا ہے یہ آنکھوں کا پانی

اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت اور بخشش کے حصول کے لئے یہی سبق تو روز اول سے دیا تھا۔ آدم نے جب ملوم ہو کر اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور کہا میں نے اپنی جان پر ظلم کیا تو اس کی خطا بخشی گئی بلکہ اسے دنیا کی خلافت سے بھی سرفراز کیا گیا۔

لیکن انسان اس دنیا میں آکر اس کی خوشیوں اور دلچسپیوں میں ایسا مست ہو جاتا ہے کہ وہ پڑھا ہوا سبق بھول جاتا ہے۔ مگر جن لوگوں نے یہ سبق یاد رکھا انہوں نے خدا تعالیٰ کو پالیا اور وہ دنیا سے بے نیاز ہو گئے۔ دیکھو جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس دنیا میں آتے ہی رونا شروع کر دیتا ہے۔ یہی سبق ہے جو فطرت اسے پہلے پڑھاتی ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ سبق اپنی دنیاوی زندگی میں نہ بھولنا ورنہ تو ہلاک ہو جائے گا۔

والذین ھم فی صلاتھم خاشعون کہ وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں جو اپنی نمازوں میں روتے اور گڑگڑاتے ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت کے روز وہی لوگ سب سے زیادہ ہنسنے والے ہوں گے جو دنیا میں زیادہ رونے والے ہوں گے اور یہ صحیح ہے کہ جنہوں نے دنیا میں ہنسنا اور خوش رہنا اپنا مقصد بنا لیا وہ کیسے فلاح پا سکتے ہیں۔ ان کے لئے تو وہاں حسرت واندوہ اور یاس وحرماں کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ دنیا میں بھی یہ بات دیکھی جا سکتی ہے کہ اگر

کوئی ملزم اقرار جرم کر کے ندامت کے آنسو بہائے تو عدالت اس کی سزا میں نرمی کرتی ہے۔
کہتے ہیں وہ کون سا گناہ ہے جو ماں معاف نہیں کر سکتی۔ اللہ تعالیٰ تو ماں باپ سے بے انتہا زیادہ
مہربان ہے۔ بندہ خواہ کتنا ہی عصیاں آلودہ ہو اپنے رب کے سامنے نادم ہو کر آئے اور آنسو بہا کر
بخشش کا طالب ہو تو رحمت خداوندی اسے مایوس نہیں لوٹاتی۔ اسے بخش دیا جاتا ہے اور وہ ذات
اسے پھر کبھی شرمندہ بھی نہیں کرتی کیونکہ اس کی خو بندہ نوازی ہے۔ تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے
کہ خواجہ حسن بصریؒ کی ایک خادمہ تھی۔ وہ آپ سے بہت عقیدت رکھتی تھی لیکن اس کا ایک
لڑکا امام کا مخالف تھا اور ہر وقت مخالفت میں مصروف رہتا تھا۔ اتفاقاً وہ بیمار ہو گیا۔ بہت علاج معالجہ
کیا لیکن بے سود۔ زندگی سے ناامید ہو گیا اور تمام راستے مسدود نظر آئے۔ ایک خیال گزرا کہ
اگر امام صاحب دعا کریں تو شاید اللہ تعالیٰ کرم فرمادے اور صحت دے دے اپنی ماں سے کہا کہ میرا
ندامت احساس ان تک پہنچا کر التجاء دعا کرو۔ شاید مان جائیں۔ ماں گئی۔ گو زبان نہ کھلتی تھی لیکن
عرض حال کر دیا اور دعا کی درخواست کر دی۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ میری دعا اس کے
حق میں کیا مفید ہو سکتی ہے۔ دعا کے لئے محبت کا ہونا ضروری ہے۔ اس سے محبت کیسے قائم رہ
سکتی ہے جو ساری عمر مجھے گالیاں دیتا رہا اور مخالفت کرتا رہا۔ خادمہ یہ جواب سن کر واپس لوٹ آئی
اور اپنے بیٹے کو حال سے آگاہ کر دیا۔ لڑکا زندگی کی کشمکش میں مبتلاء تھا۔ اس نے روتے ہوئے ماں
سے کہا کہ میری وصیت یہ ہے کہ مجھے مسلمانوں کے گورستان میں دفن نہ کرنا کہ میری بداعمالیوں
کی وجہ سے ان پر عذاب نازل نہ ہو۔ کسی الگ مقام پر دفن کرنا۔ ہاں دفن کرنے سے پہلے میرے
گلے میں رسی کا پھندا ڈال کر بصرہ میں گھسیٹنا اور کہنا کہ یہ حسن بصری کا مجرم ہے۔ خدا تعالیٰ کے
برگزیدہ بندوں کی مخالفت کی یہی سزا ہوتی ہے........ وصیت کے مطابق جب ضعیفہ نے گلے میں
پھندا ڈال کر کھینچنے کا ارادہ کیا تو انسانوں کا ایک ہجوم اس پر ٹوٹ پڑا۔ ہر انسان کی زبان پر یہ تھا کہ
خدا کے مقبول انسان کے ساتھ یہ سلوک جائز نہیں۔ غرض نوجوان کو اعزاز و اکرام کے ساتھ دفن
کر دیا گیا۔ اسی رات حسن بصریؒ کو خواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے حسن ہمارا مقبول بندہ
فوت ہو گیا ہے۔ آپ اس کی فاتحہ خوانی کے لئے کیوں نہیں گئے۔ حسن بصریؒ نے کہا الٰہ
العالمین وہ تو میرا دشمن تھا۔ مجھے دن رات گالیاں دیا کرتا تھا۔ میں اس کی فاتحہ خوانی کے
لئے کیسے جاتا؟ جواب ملا یہ درست ہے لیکن جب تم نے اس کی دعا کی آرزو کو مسترد کر دیا تو اس پر

شکستگی طاری ہو گئی کہ ہمیں اس کی حالت پر رحم آگیا۔ جب بندے کے دامن میں عاجزی کا سرمایہ ہوتا ہے تو ہماری رحمت کا منہ موڑنا مشکل ہو جاتا ہے۔ حسن اہم نے اس کو بخش دیا.........
چند ثانیے بعد حضرت امام حسن بصریؒ اس نوجوان کی قبر پر کھڑے فاتحہ خوانی کر رہے تھے اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کا نہ ٹوٹنے والا سلسلہ ان کے اس تاسف کا اظہار کر رہا تھا جو انہیں ایک امیدوار کرم کو مایوس کرنے کے بعد ملا تھا۔ کرم حسن بصریؒ پر بھی تھا اور مایوسیوں میں گھر کر اعتراف گناہ کر لینے والے نوجوان کی روح پر بھی اور یہ سارا شکستگی اور عاجزی کا فیضان تھا۔

اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو صفت غفور کے تقاضے سے بنایا ہے۔ بندے گناہ کرتے ہیں کیونکہ یہ ان کی سرشت میں داخل ہے اور پھر جب وہ نادم ہو کر بخشش طلب کرتے ہیں تو وہ معاف کر دیتا ہے۔ پس اگر بندے گناہ نہ کرتے تو غفوریت کا اظہار کیسے ہوتا۔ کسی نے صحیح کہا ہے۔

سراپا معصیت میں ہوں سراپا مغفرت ہے وہ
خطا کوشی روش میری خطا پوشی ہے کام اس کا

حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو زاہدوں کی تسبیح و مصلیٰ سے گنہگاروں کا رونا اور گڑگڑانا زیادہ پسند ہے۔ اللہ والے کہا کرتے ہیں کہ آنسو قبولیت کی سند ہیں۔ جو دعا رو کر درگاہ ایزدی میں کی جائے وہ ضرور قبول ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسا سخی ہے کہ اسے بندہ کو خالی ہاتھ لوٹاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ پس یہ آنسو بڑے کام کی چیز ہیں۔ ان کو آزما کر تو دیکھو۔ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:۔

"عاجزی اپنا شعار بنالو اور رونے کی عادت ڈالو کیونکہ رونا اسے بہت پسند ہے۔ کرم کا مورد بننا ہو تو گریہ زاری سیکھ لو۔ اسی سے بیڑا پار ہوگا"۔

رحمت پہ تیری میرے گناہوں کو ناز ہے
پہچانتا ہوں میں کہ تو بندہ نواز ہے

اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی حمد و ستائش

ایک صحابیؓ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حضورؐ اسلام کے احکام تو بہت ہیں۔ میں کس کس پر عمل کروں۔ مجھے کوئی ایسی بات بتایئے کہ میری بخشش ہو جائے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کے ذکر کو بہت کیا کر۔ یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرا ذکر کثرت سے کیا کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون (جمعہ:۱۱) کسی اور عبادت کے متعلق کثیر کا لفظ نہیں آیا۔ صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر کے متعلق کثیر کا لفظ آیا ہے۔ قرآن کریم میں ایک اور جگہ بندوں کی صفات کے متعلق فرمایا گیا ہے یذکرون اللہ قیاما و قعودا و علیٰ جنوبھم (آل عمران) کہ وہ اٹھتے بیٹھتے سوتے اور جاگتے خدا کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ یعنی کوئی دم بھی ان کا ذکر الٰہی سے خالی نہیں ہوتا۔ دنیاوی کاروبار بیع و تجارت ان کو یاد الٰہی سے نہیں روکتے۔ ان کی حالت دست بکار دل بیار والی بات ہوتی ہے۔

عارفین کا مقولہ ہے کہ جو دم غافل سو دم کافر اور یہ بالکل صحیح ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لئے بنایا ہے۔ عبادت تو اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے ذکر کا دوسرا نام ہے۔ قرآن کریم میں آیا ہے اذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعہ فاسعوا الیٰ ذکر اللہ (الجمعہ:۱۰) یعنی جمعہ کی اذان ہو تو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے جلدی سے مسجد میں آجاؤ۔ یہاں نماز کو اللہ تعالیٰ کا ذکر کہا اور جب جمعہ کی نماز ختم ہو جائے تو اپنے کام پر چلے جاؤ اور پھر بھی اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کیا کرو۔ غرض عبادتوں کا خلاصہ اس کی یاد اور اس کا ذکر ہی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ ذاکر بندے ہی اللہ تعالیٰ کو پیارے ہیں چاہے وہ مردوں میں سے ہوں یا عورتوں میں سے اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔

والذاکرین اللہ کثیرا و الذاکرات اعد اللہ لھم مغفرۃ و اجرا عظیما (احزاب)

پس اللہ تعالیٰ کی یاد میں بہت بڑی برکات ہیں جس مجلس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو اس مجلس کی طرف خود خدا تعالیٰ متوجہ ہو جاتا ہے اور فرشتوں سے کہتا ہے کہ ان سب کے لئے میری طرف سے مغفرت لکھ دو۔ انبیاء اور صلحاء نے ذکر اللہ پر بہت زور دیا ہے کہ اس سے قلب کی صفائی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے محبت بڑھتی ہے۔ جب اس کا بار بار ذکر ہو گا اور اس کی حمد و ثناء ہو گی اللہ تعالیٰ سے قرب بڑھے گا اور جب قرب بڑھے گا تو اللہ تعالیٰ کے انعامات بھی ملیں گے۔ کیونکہ انعامات مقربین کو ملتے ہیں غیروں کو کون نوازتا ہے یا ان سے کھل کر بات کرتا ہے۔ جب بندہ خدا کو یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی بندہ کو یاد کرتا ہے۔ فاذکرونی اذکرکم (البقرہ) اور جس بندہ کو خدا یاد کرے اس کی خوش قسمتی میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ ایک بار رسول کریم ﷺ نے ابی بن کعب کو فرمایا کہ میرا قرآن سنو۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ابی کو قرآن سناؤ۔ ابی نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں حاضر ہوں۔ مگر یہ بتایئے کہ کیا خدا تعالیٰ نے میرا نام لے کر کہا تھا کہ اسے سناؤ۔ فرمایا ہاں۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام لے کر کہا تھا کہ ابی کو سناؤ۔ ابی یہ سن کو خوشی سے سجدہ میں گر پڑے اور کہا اپنے مولیٰ پر قربان جاؤں۔ میرے رب نے مجھے میرے نام سے یاد کیا ہے۔ یہ میری کتنی خوش قسمتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب بندہ اپنے مولیٰ کو یاد کرتا ہے تو اس میں ایک روح ناطق بھر دی جاتی ہے جو بندے کی پکار کا جواب دیتی ہے یہ بات اجیب دعوۃ الداع سے ثابت ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ بندہ کی ایک مرتبہ کی پکار کا دس مرتبہ جواب ملتا ہے۔ چونکہ درمیان میں پردہ ہے اس لئے ہم اس کا جواب سن نہیں سکتے اور یہ پردہ اس وقت اٹھتا ہے جب بندہ عشق و محبت میں ترقی کرتے کرتے عین الیقین کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔ تب وہ اپنی پکار کا جواب سنتا ہے۔ قرب کی منزل پر پہنچ کر وہ اپنے رب کو سناتا بھی ہے اور سنتا بھی ہے۔ مثنوی میں مولانا رومی نے ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک شخص رات کو اللہ اللہ کر رہا تھا' شیطان نے دیکھا تو اسے کہا۔ ارے بے وقوف چپ کر۔ کب تک یہ بکواس کرتا رہے گا تو نے جو اللہ اللہ کی رٹ لگائی ہے کبھی ادھر سے جواب بھی پایا ہے جب وہاں سے کوئی شنوائی نہیں ہوتی تو اس روتی صورت سے کب تک اللہ اللہ کرتا رہے گا۔ وہ شخص شیطان کی بات سن کر سخت دل شکستہ ہوا اس نے سر جھکایا تو نیند آ گئی دیکھتا ہے کہ حضرت خضر تشریف رکھتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ اے

نادان! تو نے ذکر کیوں چھوڑ دیا۔ کیا اس ذکر سے پشیمان ہو گیا۔ اس نے جواب دیا ہاں۔ مجھے اس کا جواب نہیں ملتا اس لئے فکر مند ہوں کہ کہیں بارگاہ کا دروازہ مجھ پر بند تو نہیں ہو گیا۔ حضرت خضر نے فرمایا مجھ سے خدا نے ارشاد فرمایا ہے کہ تجھے کہہ دوں کہ اے فریب خوردہ انسان! تو جو اللہ کا ذکر کرتا ہے وہ ہماری صدائے لبیک ہی تو ہے اور وہ عجز اور سوز تیرے دل میں پیدا ہوتا ہے وہ ہمارا فرستادہ ہی تو ہے۔ کیا ہم نے تجھے اس کام پر نہیں لگایا کیا ہم نے تجھے اس ذکر میں مشغول نہیں رکھا تیرا خوف خدا اور عشق الٰہی ہماری عنایت کی کمند ہے اور تو جو بار بار یارب یارب کہتا ہے تو ہر "یارب" میں ان گنت "لبیک" کی آوازیں چھپی ہوئی ہیں۔ چونکہ درمیان میں پردہ ہے اس لئے تو بے خبر ہے۔

پس حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے یاد کرنے والے کے پاس ہوتا ہے اور جب تک وہ یاد الٰہی میں مصروف رہتا ہے وہ اس کی رحمت اور مغفرت سے حصہ پاتا رہتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک بار اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ اے میرے رب اگر تو قریب رہتا ہے تو میں تجھے آہستہ سے پکاروں اور اگر تو کہیں دور ہے تو زور سے پکارا کروں کیونکہ اے میرے رب میں تیری خوبصورت آواز کو سنتا تو ہوں لیکن تو نظر نہیں آتا۔ پس مجھے بتا کہ تو کہاں رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا۔ موسیٰ جس وقت کوئی بندہ مجھے یاد کرتا ہے میں اس کے پاس بیٹھا ہوا ہوتا ہوں اور جب وہ مجھے پکارتا ہے میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ کتب میں آتا ہے کہ اہل اللہ ذکر کی محفلیں سجایا کرتے تھے اور اپنے عقیدتمندوں کو اس کی تلقین کرتے رہتے تھے اور یہ سچ ہے کہ یاد حق روح کی غذا ہے دل کی تسکین ہے دل اسی سے زندہ رہتا ہے۔

یاد حق آمد غذا ایں روح را
مرہم آمد ایں دل مجروح را

اور جو دل خدا کی یاد سے غافل ہے وہ مردہ ہے اور جب دل مر گیا تو باقی کیا رہا۔ اللہ تعالیٰ ذکر کا مستحق اس لئے بھی ہے کہ اس کے انسان پر اتنے احسانات ہیں کہ وہ ان کو شمار بھی نہیں کر سکتا اور نہ وہ اس کے وہم میں آسکتے ہیں اتنی رحیم و کریم اور محسن ذات کے لئے اگر حمد و ستائش نہ ہو تو کتنی ناشکر گزاری ہے۔ پس وہ ذات جس سے انسان کا سچا اور حقیقی تعلق ہے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اس کی عنایتوں کا تقاضا یہی ہے کہ اس کی حمد و ثناء میں انسان ہمیشہ رطب اللسان

رہے اور یہی کم سے کم شکر گزاری ہے۔ ورنہ اس کی ثناء کا حق ادا نہیں ہو سکتا اور بزبان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کہنا پڑتا ہے کہ۔

کس طرح تیرا کروں اے ذوالمنن شکر و سپاس
وہ زباں لاؤں کہاں سے جس سے ہو یہ کاروبار

اللہ تعالیٰ ہمیں ذاکرین کے گروہ میں شامل کر دے۔ آمین

اللہ تعالیٰ کا ذکر کثیر کرو کہ وہی ذات حمد و ستائش کی مستحق ہے

انسان کی پیدائش کی غرض اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کا قرب حاصل کرنا ہے۔ یہ تعلق اس وقت قائم ہوتا ہے جب بندہ اپنے مالک اور خالق کو بکثرت یاد کرے اور پکارتا رہے لیکن جو آدمی خدا کی یاد سے غافل ہے اور اپنے رب سے ملنے کی آرزو نہیں رکھتا اس کا رب بھی اس سے بے پرواہ ہو جاتا ہے کیونکہ وہ غنی ہے۔ اس نے فرمایا قل ما یعبوا بکم ربی لولا دعائکم (قرآن) کہ اگر تم دعا نہیں کرو گے اور اپنی حاجات اس سے بیان نہیں کرو گے تو تمہارے رب کو بھی تمہاری کوئی پرواہ نہیں۔ وہ بے نیاز ہے۔

اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ جو آدمی دعا نہیں کرتا اور اپنی حاجات اس سے طلب نہیں کرتا اس کا رب بھی اس سے ناراض ہو جاتا ہے۔ غرض دعا اور اس کی یاد انسانی فطرت کی پکار ہے اور یہی ایک ذریعہ اس سے ملنے کا ہے اور ایک مقام پر فرمایا کہ میرا ذکر کثیر کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ فاذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون (قرآن) کثیر کا لفظ کہہ کر انسانی حد بست سے آزاد کر دیا۔ یہ حقیقت ہے کہ انسانی فطرت میں اللہ تعالیٰ کی جستجو اور تلاش پائی جاتی ہے اور اس جذبہ کو انسان ذکر الٰہی سے ترقی دیتا ہے اور اس سے قرب خداوندی کی منازل طے کرتا ہے۔ پھر اس رحمت راہنمائی کرتی ہے۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا (القرآن) فرمایا کہ جو لوگ ہماری ملاقات کی کوشش میں لگے رہتے ہیں ہم ان کو اپنی طرف پہنچنے کا راستہ دکھا دیتے ہیں۔ یعنی اگر دل میں سچی تڑپ ہو اور اللہ تعالیٰ سے ملنے کی آرزو ہو تو اس کی رحمت راہنمائی کے لئے ہر وقت حاضر ہے۔ کسی نے صحیح کہا ہے۔

طلب میں تیری جو ہوئے جادہ کا
ملا ہے پتہ ان کو ہر گام تیرا

اس عالم ہست و بود کی ہر ایک چیز بلکہ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی نشاندہی کر رہا ہے اور اس کی تسبیح میں مصروف ہے۔ لاکھوں کروڑوں ابرار و اخیار اور سالکین نے خدا تعالیٰ کو پایا اور اس کی محبت میں فنا ہوئے۔ اگر محبت کا خمیر انسان کی مٹی میں نہ ہوتا تو صلحاء کا گروہ کب اس کی تلاش کرتا اور کیوں مصائب اٹھاتا۔ حضرت اقدس نے سچ فرمایا ہے۔

تو نے خود روحوں پہ اپنے ہاتھ سے چھڑکا نمک
اس سے ہے شور محبت عاشقان زار کا

عام مقولہ ہے کہ من احب شیئا اکثر ذکرہ یعنی جس چیز سے انسان کو محبت ہو وہ اس کا اکثر ذکر کرتا رہتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ سے محبت ہو تو اس کا ذکر بار بار زبان پر آئے گا اور اس کی یاد بھی دل میں رہے گی اور اگر نہ زبان پر ذکر ہو اور نہ دل میں یاد آوے تو تعلق کی نہیں بے تعلقی کی نشانی ہے اور جب انسان کا رشتہ خدا تعالیٰ سے ٹوٹ جائے تو شیطان اس سے رشتہ استوار کر لیتا ہے کہ انسان خدا کی رسی کو چھوڑ دے۔

و من یعش عن ذکر الرحمان نقیض لہ شیطانا فھو لہ قرین (قرآن) میں اسی کی طرف اشارہ ہے اور جب کسی کا ساتھی شیطان ہو جائے تو اس کی ہلاکت میں کون شک کر سکتا ہے۔ مولانا روم نے مثنوی میں ایک حکایت لکھی ہے کہ:۔

"ایک شخص رات کو اللہ اللہ کرتا رہتا تھا تاکہ اس کے ہونٹ یاد خدا سے تر رہیں۔ شیطان نے دیکھا اور اسے کہا ارے بیوقوف چپ کر کب تک یہ بکواس کرتا رہے گا۔ تو نے جو اللہ اللہ کی رٹ لگائی ہے ادھر سے جواب بھی پایا ہے۔ جب وہاں کوئی شنوائی نہیں ہوتی تو اس روئی صورت سے کب تک اللہ اللہ پکارتا رہے گا۔ وہ شخص شیطان کی بات سن کر سخت دل شکستہ ہوا۔ اس نے سر جھکایا تو نیند آگئی۔ دیکھتا ہے کہ حضرت خضرؑ تشریف رکھتے ہیں اور پوچھتے ہیں ارے تو نے ذکر کیوں چھوڑ دیا۔ کیا اس ذکر سے پشیمان ہو گیا۔ اس نے جواب میں کہا ہاں مجھے جواب نہیں ملتا اس لئے فکر مند ہوں کہ کہیں بارگاہ کا دروازہ مجھ پر بند تو نہیں ہو گیا۔ حضرت خضرؑ نے فرمایا مجھ سے خدا نے ارشاد فرمایا ہے کہ تجھ سے کہہ دوں کہ اے فریب خوردہ انسان تو جو اللہ کا ذکر کرتا ہے وہ ہماری صدائے لبیک ہی تو ہے اور وہ عجز و سوز جو تیرے دل میں پیدا ہوتا ہے وہ ہمارا فرستادہ ہی تو ہے۔ کیا ہم نے تجھے اس کام

پر نہیں لگایا۔ کیا میں نے تجھے ذکر میں مشغول نہیں رکھا۔ تیرا خوف خدا اور عشق الٰہی ہماری عنایت کی کمند ہے اور تو جو یا رب یا رب کہتا ہے تو ہیا رب میں! اگمنت لبیک کی آوازیں چھپی ہوئی ہیں۔ غافل کی جان اس سے بے خبر ہے کیونکہ اس کے ہاں یا رب یا رب کہنے کا دستور نہیں...... حقیقت بھی یہی ہے کہ انسان اور خدا کے درمیان اس کا تزکیہ ہو جائے تو یہ پردہ بھی درمیان سے اٹھ جائے اور وہ اپنے محسن خدا کو دل کی آنکھ سے دیکھ لے اور راز و نیاز کی منزل میں پہنچ جائے"۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جس کی محبت دل میں جاگزیں ہو اس کی یاد اور اس کے تذکرے کے سوا اور کسی بات کا مزہ ہی نہیں آتا۔ اگر بندہ بھی اپنے رب سے ایسا تعلق پیدا کرے۔ اسے اپنے رب کے ذکر اور اس کی مناجات کے بغیر آرام نہ آئے تو وہ اپنے مقصود کو پالے اسے دنیا میں جنت مل جائے۔ کیونکہ جنت تو اللہ تعالیٰ کے قرب کا دوسرا نام ہے۔

جنت بھی ہے یہی کہ ملے یار آشنا

(درثمین)

حضرت رابعہ عارفہ تھیں۔ اپنے باپ کی چوتھی لڑکی تھیں۔ والدین فوت ہو گئے اور آپ بردہ فروشوں کے ہاتھ بک گئیں۔ مالک سخت گیر تھا۔ ایک رات دعا کی اے پروردگار میرا دل تیری اطاعت کا خواہاں ہے۔ میری آنکھیں تیری اطاعت اور ذکر سے ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ اگر معاملہ میرے ہاتھ میں ہوتا تو میں تو میں ایک لحظہ تیری مناجات سے نہ تھکتی لیکن تو نے مجھے ایک سنگدل آدمی کے ہاتھ میں دے دیا ہے۔ کیا کروں۔ بے بس ہوں۔ مالک سنتے ہی کانپ گیا۔ آزاد کر دیا۔ رابعہ زاہدہ بن گئیں۔ علم حاصل کیا۔ دنیا سے منہ موڑ کر رضائے الٰہی میں کھو گئیں۔ دعا کرتی تھیں پروردگارا اگر میں تیری عبادت جہنم کے خوف سے کروں تو تو مجھے جہنم کی آگ میں جھونک دے۔ اگر جنت کی لالچ سے کروں تو تو مجھے اس سے محروم کر دے لیکن اگر مناجات تیری رضا کے لئے کروں تو تو مجھے محروم نہ رکھ۔ کسی نے صحیح کہا ہے۔

جس کا عمل ہے بے غرض اس کی جزاء کچھ اور ہے

حور و خیام سے گزر بادہ و جام سے گزر

جب بندہ اپنے رب کو یاد کرتا ہے اور اس سے غرض معروض کرتا ہے تو اس میں ایک روح

خالق بھر دی جاتی ہے جو اس کی ہر التجا اور پکار کا جواب دیتی ہے اور یہ پردہ اس وقت اٹھتا ہے جب بندہ اپنے رب سے قریب ہو جاتا ہے۔ پھر وہ اپنے کانوں سے الہام کے ذریعہ سے جواب سنتا ہے۔ پس اگر الہام ہو جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اللہ میرے پاس ہے اور میں جو کچھ کہہ رہا ہوں حرف بحرف سن رہا ہے۔ کیا یہ خوشی تھوڑی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری عرض سنتا ہے۔ اگر بادشاہ آپ کو بلا کر یا خود آپ کے پاس آ کر آپ کی عرضداشت اپنے کانوں سے سنے تو آپ کو کتنی خوشی ہو گی اور آپ کی کتنی عزت افزائی ہو گی۔ دنیا میں دو عزتیں ہیں۔ ایک خود بادشاہ سے کلام کرنا۔ پس شکر کا مقام ہے کہ آپ کو اس شہنشاہ سے کلام کرنا حاصل ہے۔ اگر اس عرض معروض میں آنسوؤں کا تحفہ بھی پیش ہو سکے تو بندہ کی قسمت جاگ اٹھے کیونکہ جب بندہ کے دامن میں عجز و نیاز کا سرمایہ ہو تو خدا تعالیٰ کی رحمت کو منہ موڑنا مشکل ہو جاتا ہے۔

آہ گریہ بدورش چنداں کہ
تا بجوش ان غنچہ را خنداں کنی

بندہ کا کام تو دعا کرنا ہے اور اس سے عرض کرنا ہے۔ قبول کرنا اور بشارت سے تسلی دینا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ بندہ اپنا فرض بجا لائے اور اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت کا امیدوار رہے کیونکہ جو کوئی مضطرب دل اور قلب منیب لے کر اس کی درگاہ میں حاضر ہوتا ہے وہ کبھی خالی نہیں لوٹتا

چوں نشینی بر سرے کوئے کسے
عاقبت بینی تو ہم روئے کسے

پس اے میرے عزیزو! دوستو! اللہ تعالیٰ کا ذکر کثیر کرو کیونکہ وہ حمد و ستائش کا سزاوار ہے اور یاد رکھو بہترین ذکر لا الہ الا اللہ ہے۔

ذکر الٰہی

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے متعلق فرماتا ہے
رجال لا تلھیھم تجارہ ولا بیع عن ذکراللہ واقام الصلوہ یعنی میرے بندے وہ ہیں جن کو بیع و تجارت یا دوسرے کاروبار میرے ذکر سے غافل نہیں کرتے۔ اور اگر وہ دنیاوی کاموں میں مصروف بھی ہوں تو پھر وہ ذکر اللہ میں مشغول رہتے ہیں۔ دشت بکار و دل بلیار والی بات ہوتی ہے۔ عارفوں کا مقولہ ہے۔

جو دم غافل سو دم کافر

اور یہ بالکل صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی عبادت کے لئے بنایا ہے۔ عبادت تو اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے ذکر کا دوسرا نام ہے۔ قرآن کریم میں آتا ہے فاذا نودی للصلوہ من یوم الجمعہ فاسعوا الی ذکر اللہ یعنی جب جمعہ کی اذان ہو تو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے جلدی سے مسجد میں آجاؤ۔ یہاں نماز کو ذکر کہا اور یہ صحیح ہے کہ عبادت گزار بندے ہی اللہ تعالیٰ کو پیارے ہیں چاہئے وہ مردوں میں سے ہوں یا عورتوں میں سے۔ اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔

والذکرین اللہ کثیرا والذکرات اعد اللہ لھم مغفرۃ واجرا عظیما پس اللہ تعالیٰ کے ذکر میں بہت برکات ہیں۔ جس مجلس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو۔ اس مجلس کی طرف خود خدا تعالیٰ متوجہ ہو جاتا ہے اور فرشتوں سے کہتا ہے کہ ان سب کے لئے میری طرف سے مغفرت لکھ لو۔ انبیاء صلحاء نے ذکر اللہ پر بہت زور دیا ہے کہ اس سے قلب کی صفائی ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے محبت بڑھتی ہے جب اس کا بار بار ذکر ہوگا۔ اور اس کی حمد و ثنا ہوگی تو اللہ تعالیٰ سے قرب بڑھے گا اور جب قرب بڑھے گا تو اللہ تعالیٰ کے انعامات بھی ہوں گے۔ کیونکہ انعامات مقربین کو ملتے ہیں غیروں کو کون نوازتا ہے۔ یا ان سے کھل کر بات کرتا ہے جب بندہ خدا کو یاد کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ بھی بندہ کو یاد کرتا ہے۔ فاذکرونی اذکرکم اور جس بندہ کو خدا یاد کرے۔ اس کی خوش قسمتی میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ ایک بار رسول کریم ﷺ نے ابی بن

کعب کو فرمایا کہ میرا قرآن سنو۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ابی کو قرآن سناؤ۔ ابی نے کہا یا رسول اللہؐ میں حاضر ہوں۔ مگر یہ تو فرمایئے کہ کیا خدا تعالیٰ نے میرا نام لیکر کہا تھا کہ اسے سناؤ۔ فرمایا! ہاں۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام لیکر کہا تھا کہ ابی کو سناؤ۔ ابی یہ سن کر خوشی سے سجدہ میں گر پڑے اور کہا قربان جاؤں۔ میرے رب نے مجھے میرے نام سے یاد کیا ہے یہ میری کتنی خوش قسمتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کو اپنا ذکر بہت پسند ہے چونکہ وہ سراپا حسن ہے۔ حسن کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ کوئی اس کی تعریف کرنے والا ہو۔ اور اس پر نثار ہونے والا ہو۔ کسی نے خدا تعالیٰ کے متعلق کہا ہے۔۔

من بجے دانم کہ ے خواہد دلش
کہ بود غوغا بگرد منزلش

یعنی اللہ تعالیٰ کی یہ خواہش ہے کہ اس کے گھر کے گرد اس کے عشاق اور طلبگاروں کا غول ہو۔ اور وہ اسے پکار رہے ہوں۔ لبیک اللھم لبیک حج کیا ہے۔ یہی کہ حسن ازل کے طلبگار کفن پہنے 'سر منڈائے' ننگے پیر جلوہ گاہ حسن کے گرد اپنے محبوب رب کو پکار رہے ہیں۔ اس کی آنکھیں اشکبار ہیں۔ اور حقیقت ہے کہ یہی سوز اور گداز اپنے محبوب کے جذبہ رحم و کرم کو کھینچ لاتا ہے۔ اور وہ اس کی نگاہ کرم سے فیضیاب ہو جاتے ہیں جب بندہ کی آواز میں سوز ہو اور صدا دردناک بن جائے تو یہ کیفیت رحمت کے تاروں کو ہلا کر رکھ دیتی ہے۔ رحمت بڑھ کر اپنے بندہ کو آغوش میں لے لیتی ہے اور وہ بامراد ہو جاتا ہے۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لا تلھکم اموالکم واولادکم عن ذکر اللہ یعنی تمہیں میرے ذکر سے غافل کرنے والی دو چیزیں ہیں۔ ایک مال اور دوسری اولاد۔ مال میں بیویاں بھی شامل ہیں۔ مال کی کثرت یا مال کی طلب انسان کو خدا کے ذکر کی طرف نہیں آنے دیتی اور وہ ہر وقت اسی جستجو میں رہتا ہے کہ اسے مال و دولت کثرت سے مل جائے تاکہ وہ عیش کی زندگی گزار سکے۔ دوسرے اولاد بھی اس کو خدا کی یاد سے غافل کر دیتی ہے۔ وہ یوں کہ وہ ہر وقت ان کی سود و بہبود میں لگا رہتا ہے۔ اور ناجائز وسائل بھی اختیار کرنے سے نہیں چوکتا۔ اور یہی چاہتا ہے کہ ان کے لئے بہت سا مال چھوڑ جاؤں۔ پس انسان کو مال اور اولاد کے فتنہ سے خبردار کیا گیا ہے تاکہ یہی چیزیں اسے خدا کی یاد سے غافل نہ کر دیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ

السلام فرماتے ہیں۔

"کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے سچا تعلق پیدا نہیں کر سکتا جب تک باوجود اولاد کے بے اولاد نہ ہو۔ باوجود مال کے مفلس و محتاج نہ ہو۔"

اللہ تعالیٰ ذکر کا مستحق اس لئے ہے کہ اس کے انسان پر اتنے احسانات ہیں کہ وہ انہیں شمار بھی نہیں کر سکتا اور نہ وہ اس کے واہم میں آ سکتے ہیں۔ اتنی رحیم و کریم اور محسن ذات کے لئے اگر حمد و ستائش نہ ہو۔ تو کتنی ناشکر گزاری ہے پس وہ ذات جس سے انسان کا سچا اور حقیقی تعلق ہے۔ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور صرف اسی کی خوشنودی سے انسان کی نجات وابستہ ہے تو اس کی عظمتوں کا تقاضا یہی ہے کہ اس کے حمد و ثنا میں انسان ہمیشہ اور ہر آن رطب اللسان رہے اور یہی کم سے کم شکر گزاری ہے۔ جو انسان کی طاقت میں ہے۔ ورنہ اس کی ثنا کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔

باغ عالم میں نہیں کون ثنا خواں تیرا
ذکر کرتا ہے ہر اک مرغ خوش الحان تیرا
کون عالم میں نہیں ایسا جو نہیں سر بسجود
کس کی گردن کو جھکاتا نہیں احساں تیرا

ذکر الٰہی اور اس کی اہمیت

کسی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہؐ قرآن کریم کے احکام تو بہت سے ہیں۔ مجھے کوئی ایسی بات بتایئے جس پر عمل کر کے میری نجات ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ خود بھی قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ میرا ذکر کثرت سے کیا کرو۔ فاذکرالله کثیرا لعلکم تفلحون کسی اور کام کے لئے کثیر کا لفظ نہیں فرمایا۔ اگر فرمایا تو صرف اپنے ذکر کے متعلق کہ میرا ذکر بہت کیا کرو۔ اور اپنے بندوں کی شناخت بھی یہی بتائی۔ کہ وہ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے میرا ذکر کرتے ہیں۔ یذکرون الله قیاما و قعودا و علی جنوبھم جب بندہ اپنے خدا کو یاد کرتا ہے۔ تو اس کا رب بھی اسے یاد کرتا ہے فاذکرونی اذکرکم اور جس بندہ کو خدا یاد کرے اس کی خوش قسمتی میں کیا شک ہو سکتا ہے حدیث شریف میں ہے کہ اگر انسان خدا کو دل سے یاد کرتا ہے تو اللہ بھی اسے دل میں یاد کرتا ہے۔ اگر کسی مجلس میں یاد کرتا ہے تو خدا بھی فرشتوں کی مجلس میں اس کا ذکر کرتا ہے اور جس مجلس میں خدا کا ذکر ہو وہ مجلس بھی بابرکت بن جاتی ہے۔ اور خدا خود بھی اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور یاد کرنے والے کے قریب آ جاتا ہے۔ ایک بار حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے میرے رب! میں تیری پیاری آواز تو سنتا ہوں۔ لیکن تو نظر نہیں آتا۔ مجھے بتا کہ تو کہاں ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ اے موسیٰ میں تیرے آگے پیچھے دائیں بائیں ہر طرف سے قریب ہوں۔ جس وقت کوئی بندہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے پاس بیٹھا ہوا ہوتا ہوں۔ اور جب وہ مجھے پکارتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ ایک اور موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا کہ اے موسیٰ۔ کیا تو چاہتا ہے کہ میں تیرے پاس تیرے گھر میں رہوں۔ موسیٰ علیہ السلام یہ سن کر خوشی سے سجدہ میں گر پڑے اور کہا کہ اے میرے رب تو کیوں کر میرے ساتھ میرے گھر میں رہے گا۔ یہ تیرے رہنے کے لائق نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے موسیٰ تو نہیں جانتا کہ میں اپنے یاد کرنے والے کے پاس بیٹھا رہتا ہوں اور جب بھی

بندہ مجھے ڈھونڈھتا ہے تو مجھے پالیتا ہے۔ تو دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے ذکر میں کتنی برکتیں ہیں۔ عام مقولہ ہے کہ من احب شیئا اکثر ذکرھا جو انسان جس سے محبت کرتا ہے اس کا اکثر ذکر کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کو ہر وقت یاد کرتا رہے۔ تو اس کی اللہ تعالیٰ سے محبت ہو ہی جاتی ہے۔ کیونکہ بندہ کا اللہ تعالیٰ سے ایک فطری اور قلبی تعلق ہے بچہ ماں سے اس لئے محبت کرتا ہے کہ وہ اس کے پیٹ سے نکلا ہے۔ انسان کو بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے انسان کو محبت ہو جاتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہر وقت اپنی زبان کو ذکر الٰہی سے تر رکھو کیونکہ ذکر سے محبت اور محبت سے اطاعت کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور جب اطاعت محبت کے جذبہ سے ہو تو اس میں ایک صداقت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور یہی جنت ہے اس لئے مومن دو جنتوں کا لطف اٹھاتا ہے ایک جنت اس دنیا میں اور وہ محبت کی جنت ہے کہ جس میں تلخ بھی شیریں بن جاتی ہے۔

از محبت تلخ ہا شیریں شود

اور دوسری جنت آخرت میں جہاں وہ خدا تعالیٰ کے دیدار سے لطف اندوز ہوگا اور اس کا رب اسے اپنے ہاتھ سے شراب طہور پلائے گا۔ وسقاھم ربھم شرابا طھورا خیال تو کرے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں کیا کیا برکتیں پنہاں ہیں ایک شخص کا نامہ اعمال پیش ہوگا۔ بظاہر اس کے نیک عمل کم ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ اسے جنت میں لے جاؤ۔ فرشتے کہیں گے خدایا اس کے نامہ اعمال میں تو اس قدر نیکیاں نہیں ہیں جو اسے جنت کا مستحق بنائیں۔ یہ کس عمل کے بدلے بہشت میں جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تمہارے پاس تو اس کے وہ عمل درج ہیں جو یہ اپنے جوارح سے کرتا تھا لیکن میرے پاس اس کا خفیہ ریکارڈ بھی ہے۔ یہ بندہ مجھے دل میں بہت یاد کیا کرتا تھا اس کے بدلے میں میں اسے جنت دے رہا ہوں۔ پس اصل چیز تو اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی ہے۔ نماز کو بھی ذکر کہا اقم الصلوۃ لذکری قرآن میں ہے کہ نحن نزلنا الذکر روزہ بھی ذکر ہے۔ حج بھی ذکر ہے۔ دوسری عبادتیں درود شریف استغفار وغیرہ بھی ذکر ہیں۔ پس عبادتوں کا خلاصہ تو اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کا ذکر ہی ہے۔ قرآن کریم میں آتا ہے کہ دنیا کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تحمید کر رہی ہے۔ اگر انسان اشرف المخلوقات ہو کر اس کی تسبیح اور تحمید سے غافل ہو جاتا ہے تو اس کی بدنصیبی میں کچھ شک ہو سکتا

ہے۔ پس انسان کی سعادت اسی میں ہے کہ ہر وقت اپنے آپ کو اس کے ذکر میں مشغول رکھے۔ دل میں بھی اس کی یاد ہو اور زبان پر بھی اس کا ذکر ہو کیونکہ حمد و ستائش کے لائق صرف اسی کی ذات ہے۔

لائق حمد تیری ذات کہ محمود ہے تو
مستحق سجدہ تیری ذات کہ مسجود ہے تو
بعد اتنا کہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ تجھے
قرب اتنا کہ میری جان میں موجود ہے تو
میری کیا بود کہ معدوم تھا معدوم ہوں میں
تیری کیا شان کہ موجود تھا موجود ہے تو

یادِ حق آمد غذا ایں روح را

خدا تعالیٰ کے ذکر میں بہت برکات ہیں حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو دل یادِ الٰہی سے غافل ہے وہ مثل مردہ کے ہے۔ چراغ کو تیل سے روشنی ملتی ہے اور دل یادِ الٰہی سے منور ہوتا ہے قرآن کریم میں ہے کہ دل ایک چراغ کی مانند ہے جو سینہ کے طاقچہ میں رکھا ہے۔ اس کا تیل محبتِ الٰہی ہے جب خدا کی یاد دل میں موجزن ہوتی ہے تو بندہ کا تعلق اپنے مولا سے جڑ جاتا ہے۔ تو اس رشتہ سے محبت کا تیل تعلق کے ذریعہ سے نور بن کر ظاہر ہونے لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نور السموٰت والارض ہے۔ جب نور سے رشتہ جڑتا ہے تو نوری ملتا ہے۔ اور جب دل نورِ الٰہی سے فیضیاب ہو جاتا ہے۔ تو رحمت اس کا طواف کرنے لگتی ہے اور ساتھ ہی اس خاک کے پتلے کا طواف بھی کرتی ہے جس کے اندر دل رکھا ہوتا ہے اور جب دل نورِ الٰہی سے روشن ہو جاتا ہے تو جمالِ یار سے پردے اٹھنا شروع ہو جاتے ہیں اور بندہ وصالِ الٰہی سے مشرف ہو جاتا ہے۔ محبت ہی نہ ہو اور نہ محبوب کی یاد کبھی آوے۔ تو شعلہ بن کر فروزاں کون ہوگا اور زندگی کی راہوں میں نور کون پھیلائے گا۔ قرآن مجید میں آیا ہے کہ جو اس جہاں میں اندھا ہے وہ دوسرے جہان میں بھی اندھا ہی ہوگا یعنی جو بندہ اس دنیا میں اپنے رب کے نور سے حصہ نہیں لے سکا۔ وہ آخرت میں بھی اپنے مالک کے دیدار سے بے نصیب ہوگا پس دل کو یادِ خدا سے زندگی ملتی ہے اور قلب اس کے ذکر سے ہی اطمینان پاتا ہے۔

یاد حق آمد غذا ایں روح را
مرہم آمد ایں دل مجروح را

حقیقت یہ ہے کہ اطمینانِ قلب کے لئے اللہ کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں لوگ دوسری چیزوں میں سکونِ قلب ڈھونڈتے ہیں۔ دیکھو دنیا میں اس وقت کتنا کرب اور بے چینی ہے۔ امن اور اطمینان اٹھ گیا ہے۔ بنی نوع انسان ہراساں ہیں کہ کہاں تسلی پائیں۔ لیکن سکون ان سے روک دیا گیا ہے۔ بظاہر دنیا کی کونسی شے ہے جو انسان کو حاصل نہیں۔ ہر ایک چیز پر انسان کا تصرف

ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ یہ دنیا جنت کا نمونہ ہوتی لیکن یہی دنیا دوزخ کا نمونہ بن رہی ہے۔ امن اور اطمینان اٹھ گیا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے کو بھول گیا ہے۔ دنیا کی ہر ایک چیز کی معرفت اسے حاصل ہے۔ لیکن ایک معرفت اسے حاصل نہیں۔ تو صرف اپنے پیدا کرنے والے کی چونکہ وہ خدا کو بھول چکا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے بھی اسے بھلا دیا ہے۔ نسوا اللہ فانساھم انفسھم یہی وجہ ہے کہ وہ کشمکش حیات میں بے یار ومددگار چھوڑ دیا گیا ہے اسے اپنے رب کی نصرت حاصل نہیں وہ فسق وفجور اور لہو ولعب میں گرفتار ہو کر خدا سے دور چلا گیا ہے۔ اور یہ سچ ہے کہ گناہ ایک حجاب ہے۔ دوری ہے' بندہ کا خدا سے بچھڑ جانے کا نام ہے۔ پس جو دل خدا کی یاد سے غافل ہے۔ وہ کب اطمینان پا سکتا ہے۔ روح ایک غیر فانی چیز ہے۔ فانی لذات سے مطمئن نہیں ہو سکتی وہ تو اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی معرفت سے اطمینان پکڑے گی روح کو اللہ تعالیٰ نے اپنے امر سے بنایا ہے۔ اور وہی اس کی حقیقت کو جانتا ہے کہ یہ کیسے خوش رہ سکتی ہے۔ ازل سے اس نے اپنے رب کی محبت کا اقرار کیا تھا۔ پس وہ اپنے پیدا کرنے والے سے طبعی طور پر محبت کرتی ہے۔ چونکہ اس پر جدائی گراں ہے اس لئے اس کی تلاش میں لگی رہتی ہے۔ اس امر کو ایک اور طریق سے بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ وہ یوں کہ قطب نما کی سوئی ہمیشہ اپنے مرکز یعنی شمال کی طرف رہتی ہے اگر اس کا رخ کسی اور طرف کر دیا جائے تو تڑپتی ہے اور اضطراب دکھاتی ہے۔ اسی طرح انسانی روح بھی اپنے رب کے ساتھ سکون پکڑتی ہے اور اگر اس کا رخ کسی اور طرف کر دیا جائے تو یہ بھی مضطرب رہتی ہے اور اپنے قالب کو پریشان کرتی رہتی ہے۔ پس روح کو اللہ تعالیٰ کے اتصال سے اطمینان ملتا ہے۔ جو لوگ شکوہ کرتے ہیں کہ انہیں اطمینان قلب حاصل نہیں انہوں نے دراصل بعض مخفی یا علانیہ معصیتوں کی وجہ سے اپنے رب سے رشتہ کاٹ لیا ہوا ہوتا ہے۔ اس لئے ان کی روح مضطرب اور بے قرار رہتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب بندہ اپنے مولیٰ کو یاد کرتا ہے تو اس میں ایک روح ناطق بھر دی جاتی ہے جو بندہ کی پکار کا جواب دیتی ہے یہ بات اجیب دعوۃ الداع سے ثابت ہے حدیث شریف میں ہے کہ بندہ کی ایک مرتبہ کی پکار کا دس مرتبہ جواب ملتا ہے۔ چونکہ درمیان میں پردہ ہے اس لئے ہم اس کا جواب نہیں سن سکتے اور یہ پردہ اس وقت اٹھتا ہے۔ جب بندہ عشق ومحبت میں ترقی کرتے کرتے عین الیقین اور حق الیقین کے مرتبہ تک

پہنچ جاتا ہے۔ تب وہ اپنی پکار کا جواب سنتا ہے۔ مثنوی میں مولانا رومی نے ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک شخص رات کو اللہ اللہ کر رہا تھا۔ شیطان نے دیکھا تو اسے کہا ارے بے وقوف چپ کر کب تک یہ بکواس کرتا رہیگا تو نے جو اللہ اللہ کی رٹ لگائی ہے کبھی ادھر سے جواب بھی پایا ہے۔ جب وہاں کوئی شنوائی نہیں ہوتی تو اس رونی صورت سے کب تک اللہ اللہ کرتا رہے گا۔ وہ شخص شیطان کی بات سن کر سخت دل شکستہ ہوا اس نے سر جھکایا تو نیند آگئی۔ دیکھتا ہے کہ حضرت خضر تشریف رکھتے ہیں اور پوچھتے ہیں ارے تو نے ذکر کیوں چھوڑ دیا کیا اس ذکر سے پشیمان ہو گیا۔ اس نے جواب دیا۔ ہاں۔ مجھے اس کا جواب نہیں ملتا۔ اس لئے فکر مند ہوں کہ کہیں بارگاہ کا دروازہ مجھ پر بند تو نہیں ہو گیا۔ حضرت خضر نے فرمایا مجھ سے خدا نے ارشاد فرمایا ہے کہ تجھے کہہ دوں۔ کہ اے فریب خوردہ انسان تو جو اللہ اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ وہ ہماری صدائے لبیک ہی تو ہے۔ اور وہ عجز اور سوز جو تیرے دل میں پیدا ہوتا ہے وہ ہمارا فرستادہ ہی تو ہے۔ کیا میں نے تجھے اس کام پر نہیں لگایا۔ کیا میں نے تجھے اس ذکر میں مشغول نہیں رکھا تیرا خوف خدا اور عشق الٰہی ہماری عنایت کی کمند ہے اور تو جو یارب یارب کہتا ہے تو ہر یارب میں ان گنت لبیک کی آوازیں چھپی ہوئی ہیں چونکہ درمیان میں پردہ ہے اس لئے تو بے خبر ہے۔ پس یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے یاد کرنے والے کے پاس ہوتا ہے اور جب تک وہ یاد الٰہی میں مصروف رہتا ہے۔ وہ اس کی رحمت اور معرفت سے حصہ پاتا رہتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو بندہ اپنے رب سے محبت کا رابطہ پیدا کرلیتا ہے۔ خدا تعالیٰ اس کے اعضاء بن جاتا ہے جن سے وہ دیکھتا ہے سنتا ہے یا کام کرتا ہے۔ صوفیاء کرام ذکر اللہ کی محفلیں سجاتے تھے اور اپنے عقیدتمندوں کو اس کی تلقین کرتے رہتے تھے۔ اور یہ سچ ہے کہ یاد حق روح کی غذا ہے دل اسی سے زندہ رہتا ہے اور جو دل خدا کی یاد سے غافل ہے وہ مردہ ہے اور اگر دل مر گیا تو باقی کیا رہا۔

حضرت مصلح موعود کی یہ نصیحت کہ۔

عادت ذکر بھی ڈالو کہ یہ ممکن ہی نہیں
دل میں ہو عشق صنم لب پہ مگر نام نہ ہو

ہمیں نہیں بھولنا چاہئے کہ ذکر اللہ کی عادت ڈالنا اللہ تعالیٰ کی محبت کو کھینچتا ہے اور جب وہ ذات بندہ سے محبت کرنے لگے تو وہ نفس اس کی رضا کی جنت میں داخل ہو گیا۔ فائز المرام ہو گیا۔

کرو کچھ فکر ملک جاودانی
یہ ملک و مال جھوٹی ہے کہانی

(مسیح موعود)

اللہ تعالیٰ جل شانہ کے بندوں پر بہت احسان ہیں۔ انہیں شمار بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا (ابراہیم:۳۵) جس چیز کی انسان کو ضرورت تھی مہیا کردی ہے اور روزمرہ کے لئے اسے جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے اسے مل جاتی ہیں اور اگر انسان ان احسانات کی موجودگی میں اسے پہچانتا نہیں اور اس کا شکر گزار نہیں ہوتا تو یہ اس کی بدقسمتی ہے۔ عام طور پر انسان کو جو چیزیں حاصل ہیں وہ انہیں اپنی ذاتی قابلیت یا ذاتی خوبیوں کے طفیل سمجھتا ہے۔ اس سے اوپر اس کی نظر نہیں جاتی حالانکہ جن قوی اور استعدادوں سے وہ چیزیں حاصل ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں اسے خود بخود تو حاصل نہیں ہوگئیں۔ اگر اس بات کو وہ سمجھ جائے تو اس کا بیڑا پار ہو جائے لیکن کم عقل انسان اس بات کو سمجھ نہیں سکا۔ زمین کا ذرہ ذرہ اور درختوں کا پتہ پتہ اس کی نشاندہی کر رہا ہے۔ ہر طرف اس کی صفات کے جلوے ہیں لیکن بے بصیرت انسان کو یہ نظر نہیں آتے۔ یہ اس کی نظر کا قصور ہے ورنہ وہ ذات تو ہر جگہ جلوہ افروز ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

عیاں ہو کر بھی وہ پردہ نشیں ہے
ادا اس کی یہ کتنی دلنشیں ہے
قصور اپنی نظر کا ہے ورنہ
کہاں وہ یار جلوہ گر نہیں ہے
چھپا پھرتا ہے تو جس سے وہ ہستی
تیری شہ رگ سے بھی اقرب تریں ہے

غرض پس پردہ انسان کا اصل محسن تو رب کریم ہے اور وہی ہر وقت اس کی کفالت کر رہا ہے
اور جو کچھ وہ مانگتا ہے دیتا چلا جاتا ہے۔ اس کی عطا میں کمی نہیں آتی۔ اس کے نتیجہ میں وہ یہ چاہتا
ہے احسن کما احسن اللہ الیک کہ جس طرح تجھ پر میرے احسانات ہیں تو بھی
میرے بندوں کے ساتھ احسان کا سلوک کر کیونکہ یہ اس کی مصلحت ہے کہ بعض کو بعض پر
فضیلت دی گئی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تجھے مال و دولت یا علم و حکمت سے
نوازا ہے تو اس سے یہ نہ سمجھ لے کہ یہ سب کچھ تیرے نفس کے لئے ہے اور تیری ذات ہی اس
سے فائدہ اٹھائے بلکہ تو اس میں خدا کی دیگر مخلوق کو بھی شریک کر کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تجھ پر جو
انعام کیا ہے وہ محض تیری کسی فضیلت یا ذاتی خوبی کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ محض اس کی عطا ہے۔
جن قویٰ اور استعدادوں سے تو نے یہ چیزیں حاصل کی ہیں وہ بھی تو اللہ تعالیٰ نے دی ہوئی ہیں۔
پس اس عطا اور بخشش سے وہ صرف یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ آیا میرا بندہ جس پر میں نے احسان کیا ہے
میرے دوسرے ضرورت مند بندوں کا خیال بھی رکھتا ہے یا نہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ رزق دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک ابتلاء کے طور
پر اور ایک اصطفاء کے طور پر۔ رزق ابتلاء کے طور پر تو وہ رزق ہے جس کو اللہ تعالیٰ سے کوئی
واسطہ نہیں رہتا بلکہ یہ رزق انسان کو دور کرتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کو ہلاک کر دیتا ہے۔
اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ لا تلھکم اموالکم (منافقون:١٠) تمہارے مال تمہیں
ہلاک نہ کر دیں اور رزق اصطفاء کے طور پر وہ ہوتا ہے جو خدا کے لئے ہو اور ایسے لوگوں کا متولی
خدا ہو جاتا ہے اور جو کچھ ان کے پاس ہوتا ہے وہ اس کو خدا ہی کا سمجھتے ہیں اور اپنے عمل سے
ثابت کر دکھاتے ہیں۔

پس انسان کو اپنے مال و دولت، علم و حکمت یا جاہ و منصب پر ناز کرنا چاہیئے اور نہ اسے اپنی
خاص فضیلت قرار دینا چاہیئے بلکہ اسے اللہ تعالیٰ عطا سمجھ کر دوسرے بندگان خدا کو بھی اس سے
فائدہ پہنچانا چاہیئے کہ یہ اس کا اصل شکریہ اور مصرف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومن کی نشانی یہی قرار
دی ہے کہ مما رزقنھم ینفقون (بقرہ:۴) کہ جو کچھ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتا ہے
اس میں سے وہ خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں بلکہ فرمایا کہ مومن تو ترقی کر کے ایثار پیشہ بن جاتا
ہے یوثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ (حشر:١٠) خدا تعالیٰ بندہ کو اس

مقام پر لے جانا چاہتا ہے کہ وہ صفات الٰہی کا مظہر بن جائے اور جو کچھ اسے ملے وہ اسی کی راہ میں خرچ کر دے۔ ایسے بندوں سے خدا کا سلوک بھی امتیازی ہوتا ہے جسے عام لوگ نہیں سمجھ سکتے۔ اس کی مثال یوں سمجھ میں آسکتی ہے کہ اگر کسی بچہ کو جو فطرتاً سخی اور کریم ہو ماں باپ کی طرف سے کوئی نعمت ملے اور وہ خود استعمال کرنے کی بجائے اپنے بہن بھائیوں اور غریبوں میں تقسیم کر دے تو وہ مزید کا حق دار بنتا ہے۔ ماں کی مامتا اسے محروم نہیں دیکھ سکتی۔ اسے سب سے زیادہ ملے گا اور اس پر رحمت کی نظریں اور شفقت کے جذبات مزید ہوں گے۔ یہی حال اللہ تعالیٰ اور اس کے کریم بندہ کا ہے۔ جو نعمت اسے اللہ تعالیٰ سے ملے اور وہ اسے دوسرے حاجت مند اور پریشان حال بندوں میں تقسیم کر دے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی اسے بار بار دیتی ہے اور یہ سلسلہ ختم نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شفقت کی نظریں مزید ہوتی ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے پاس ان گنت مال و دولت آئی مگر اسے خدا کی راہ میں خرچ کر ڈالا اور اپنے لئے کچھ بھی نہ رکھا۔ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اس وادی میں کتنا مال جمع ہے۔ کاش یہ میرا ہوتا۔ آپؐ نے فرمایا کیا تجھے ضرورت ہے؟ کہا ہاں یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ نے فرمایا اچھا لے جا۔ پھر وہ کہتا پھرتا لوگو! دیکھو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنا دیتے ہیں کہ انہیں اپنی مفلسی کا بھی ڈر نہیں۔ غرض جو مال آیا خدا کی راہ میں خرچ کر دیا۔

ایک دفعہ آپؐ کی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ایک خادمہ کی نسبت درخواست لے کر حاضر ہوئی۔ آپؐ نے فرمایا فاطمہ! اتنی گنجائش کہاں ہے۔ میں ابھی اصحاب الصفہ کے انتظام سے بھی فارغ نہیں ہوا۔ آپ کی درخواست کیسے قبول کر سکتا ہوں۔ فرمایا کرتے تھے کہ اگر احد کے برابر بھی سونا میرے پاس آجائے تو دو دن میں اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر ڈالوں۔

یہ تھا اسوہ رسول ﷺ۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا طرز عمل بھی یہی تھا۔ حضور ﷺ کے فیض صحبت سے ان پر بھی یہی رنگ غالب تھا۔ وہ مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں لٹا کر خوش ہوتے تھے اور اپنے لئے صرف قوت لایموت ہی کو کافی سمجھتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا ہے کہ ایک مرتبہ چند بزرگ صحابہ نے آپ کے متعلق خیال کیا کہ آپ کا وظیفہ جو بیت المال سے ادا کیا جاتا ہے بہت تھوڑا ہے۔ زندگی بڑی تنگی سے بسر ہو رہی ہے۔ انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ امیرالمومنین کو یہ مشورہ کون دے۔ کافی سوچ بچار کے بعد سب کی نگاہ ام المومنین حضرت

حفصہ رضی اللہ عنہا پر پڑی۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا یہ تجویز لے کر بارگاہ خلافت میں حاضر ہوئیں اور انتہائی مناسب الفاظ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی تجویز پیش کی۔ تجویز سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چہرہ پر غصے کے آثار نمودار ہوئے اور فرمایا کہ اگر ان صحابہ کے ناموں کا علم ہو جاتا جنہوں نے یہ مشورہ دیا ہے تو میں ان کو قرار واقعی سزا دیتا اور کہا حفصہ! اس بارہ میں سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کو ملحوظ رکھوں گا۔

ذرا غور کیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا طریق ہمیں کیا سکھاتا ہے اور یہ صحیح ہے کہ جب تک لوگوں میں نفس پرستی اور دنیا طلبی موجود ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیوض اور برکات نازل نہیں ہو سکتے کیونکہ انسانی نفس خدا اور بندہ کے درمیان ایک حجاب ہے۔ اہل اللہ کا طریق یہی رہا ہے کہ وہ دنیا سے بے رغبت رہے ہیں بلکہ جو کچھ ان کی راہ میں آیا خدا کی راہ میں خرچ کر دیا۔

پس انسان کو جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملے اسے مالک کی عطا سمجھ کر اس میں اس کی بے کس اور محتاج مخلوق کو بھی شریک کرے۔ یہ اصل دین ہے۔

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ حضرت جابر گوشت کا بڑا ٹکڑا اٹھائے جا رہے ہیں۔ دریافت کیا کہ کیا ہے؟ امیرالمومنین گوشت کھانے کو جی چاہتا تھا۔ ایک درہم کا گوشت خریدا ہے۔ فرمایا کہ اے جابر! کیا اپنے پڑوسی اور عزیزوں کو چھوڑ کر صرف اپنے پیٹ کی فکر چاہتے ہو؟ کیا یہ آیت بھول گئے ہو اذھبتم طیبتکم فی حیاتکم الدنیا واستمتعتم بھا فالیوم تجزون عذاب الھون بما کنتم تستکبرون۔

(احقاف: ۲۱)

کہ تم اپنی تمام نعمتیں تو دنیا میں تمام کر چکے ہو اب یہاں کیا لینے آئے ہو۔

پس مومن کامل تو دین کے لئے ہوتا ہے اور جس کے مال میں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ نہ ہو وہ ہلاک ہو جاتا ہے اور وہی اس کو عذاب کا مستحق بنا دے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"خوش قسمت وہ انسان نہیں ہے جس کو دنیا کی دولت ملے اور وہ اس کے ذریعہ سے ہزاروں آفتوں اور مصیبتوں کا مورد بن جائے بلکہ خوش قسمت وہ ہے جسے دین کی دولت

ملے اور وہ خدا سے ڈرتا رہے اور اس کے غضب اور غصہ سے بچ جائے"۔

پس مومن کو مال کی طلب نہیں کرنی چاہئے۔ اس کا مقصد تو وصال الٰہی ہے۔ وصال دنیا نہیں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ سے مل جائے اسی پر قانع رہ کر خدمت دین کرتا رہے کیونکہ اسے دنیا کی بجائے آخرت کی زیادہ فکر رہتی ہے اور یہی وہ بات ہے جسے اسلام ہم میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا خوب فرمایا ہے۔

کرو کچھ فکر ملک جاودانی
یہ ملک و مال جھوٹی ہے کہانی
بسر کرتے ہو غفلت میں جوانی
مگر دل میں یہی تم نے ہے ٹھانی
خدا کی ایک بھی تم نے نہ مانی
ذرا سوچو یہی ہے زندگانی
خدا نے اپنی راہ مجھ کو بتا دی
فسبحان الذی اخزی الاعادی

آج کل سب سے زیادہ دین کے لئے قربانی کی ضرورت ہے۔ اس وقت سب سے زیادہ مفلس محمد رسول اللہ ﷺ کا دین ہے۔ اگر آخرت کی فکر ہے تو اپنے اموال سے دین کا حصہ نکالو تاکہ بھٹکی ہوئی مخلوق کو ہدایت کا راستہ ملے اور آپ کی عاقبت بھی سنور جائے۔

اللہ تعالیٰ سے تعلق بڑھانے کا ذریعہ صبر و رضا

یہ صحیح ہے کہ انسانی زندگی ناہموار ہے دکھ اور سکھ کا سلسلہ متواتر چلتا رہتا ہے اگر زندگی ایک طریق پر گزرتی تو اس میں کوئی دلکشی نہ ہوتی اور انسان بور ہو جاتا۔ دیکھو کھانے کا مزہ سخت بھوک کے بعد آتا ہے۔ سخت تپش کے بعد اگر ابر آکر خنکی ہو جائے تو کتنی راحت ملتی ہے۔ بیماری نہ ہوتی تو صحت کو کون انعام سمجھتا۔ دکھ اور آرام نہ ہوتے تو آسودگی کی قدر کون کرتا۔ غرض یہ زندگی کا اصول ہے اور اس سے فرار ممکن نہیں۔ یہ حالات یکساں طور پر امیروں پر بھی گزرتے ہیں اور غریبوں پر بھی۔ رنج و نعمت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک سے یکساں سلوک کیا ہے۔ کسی پر ظلم نہیں کیا۔ ظلم اس کی رحمت کے منافی ہے۔ ہاں بعض دفعہ انسان اپنی کم فہمی کی وجہ سے ایسا سمجھ لیتا ہے جاننا چاہئے کہ خوشی اور غم کی دو کیفیتیں انسانی زندگی پر ہمیشہ سے حاوی ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر برابر تقسیم کیا ہے۔ مثلاً ایک بادشاہ یا رئیس یا غریب اپنے لڑکے یا لڑکی کی شادی کریگا تو تینوں کو یکساں خوشی ہوگی۔ حالانکہ لاکھوں والا لاکھوں خرچ کر گیا۔ ہزاروں والا ہزاروں اور جس کے پاس کچھ بھی نہیں وہ چند روپے ادھار لے کر خرچ کر گیا۔ لیکن خوشی اسے بھی اتنی ہی ہوگی جتنی ایک بادشاہ رئیس یا غریب کو۔ اگر ان سب کی خوشیوں کو کسی ترازوں میں رکھ کر تولا جائے تو بالکل برابر اتریگی۔ ایک رتی کا فرق نہ ہوگا۔ اسی طرح ان میں سے کسی کا بیٹا مرجائے تو غم بھی سب کو برابر ہی ہوگا۔ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ دولت سے راحت اور سکون ملتا ہے وہ غلطی پر ہیں۔ دراصل انسان جس ماحول میں پیدا ہوتا ہے وہ اس کا عادی ہو جاتا ہے اس میں اسے عیش اور راحت محسوس ہوتی ہے۔ جتنی لذت ایک نواب یا رئیس کو اپنے کھانے میں آتی ہے۔ اتنی ہی ایک غریب یا دیہاتی کو اپنے کھانے میں آتی ہے یہی صورت لباس کی ہے ہر شخص اپنا لباس پہن کر یہی سمجھتا ہے کہ میں اس لباس میں معزز ہوں۔ اسی طرح جتنی سردی ایک کوٹھی والے کو اپنی کوٹھی میں محسوس ہوتی ہے اتنی ہی سردی ایک کٹیا والے کو اپنی کٹیا میں محسوس ہوتی ہے۔ اگر جھگی والے کو سردی برداشت سے زیادہ

محسوس ہوتی تو وہ لوگ مرجاتے اسی طرح گرمی کا حال ہے جتنی گرمی ایک مالدار محسوس کریگا اتنی ہی ایک غریب محسوس کرے گا۔ بلکہ غریب کو کچھ کم ہی محسوس ہوگی کیونکہ اس کا جسم گرمی کا عادی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر مالدار لوگ بیمار ہو جائیں تو لاکھوں خرچ کرنے والوں کو بھی آرام آجائے گا۔ ہزاروں اور سینکڑوں خرچ کرنے والوں کو بھی صحت آجائے گی۔ اور ایک غریب کو بھی جس کے پاس کچھ بھی نہیں ہوگا۔ معمولی ٹونے ٹوکوں سے شفاء ہو جائے گی۔ پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا سلوک ہر ایک سے یکساں ہے کسی کے ساتھ اس نے زیادتی نہیں کی۔ درحقیقت یہ سب فریب نظر اور فریب نفس ہے جس میں انسان مبتلاء ہے لیکن انسان اس حقیقت کو فراموش کر کے دنیا کی محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے اور خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہتا ہے اس کو تو لازم تھا کہ جو کچھ اسے حاصل تھا اس پر قناعت کرتا۔ نہ دکھ میں صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑتا اور نہ سکھ میں ناسپاس بن جاتا بلکہ وہ اپنے رب کو دکھا دیتا کہ وہ ہر حالت میں راضی ہے...... قرآن کریم میں آیا ہے کہ دنیا محض لعو و لعب ہے یعنی کھیل اور تماشہ ہے کھیل اور تماشہ میں تو ہر ایک کو اس کی حیثیت کے مطابق کردار دیا جاتا ہے۔ ان میں سے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اسے بادشاہ یا ہیرو کا کردار ہی ملنا چاہئے۔ یہی حال دنیا کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس کو جس کے مطابق سمجھا اسی کے مطابق اس سے معاملہ کیا۔ جہاں تو صرف یہ دیکھا جاتا ہے کہ انسان اپنے ماحول میں کیسا کردار ادا کرتا ہے۔ یعنی یہ کہ رنج و راحت میں اس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ٹوٹتا تو نہیں پس اصل چیز تو انسان کا رول اور کردار ہے جس کے لئے وہ یہاں آیا ہے مرکزی چیز تو اللہ تعالیٰ سے تعلق اور اس سے وفاداری ہے۔

اگر نظر کو وسیع کر کے دیکھا جائے تو جو چیز اللہ تعالیٰ سے ملتی ہے وہ اس کا انعام ہے اور وہ اس کی رحمت کے تقاضے سے ملتی ہے صرف مال و منال اور عزت و اقتدار اس کے انعام ہیں۔ رنج و الم، صبر و رضا اور شکستگی بھی اس کا کرم ہیں۔ برسوں کے مجاہدات سے دل کی اتنی صفائی نہیں ہوتی جتنا کہ ایک رنج والم اور شکستگی وارد ہونے سے ہو جاتی ہے۔ جب انسان مصائب اور دکھوں میں گھر جاتا ہے تو وہ اپنے رب کا دروازہ کھٹکھٹانے پر مجبور ہو جاتا ہے یہی بے بسی اسے اپنے رب کے پاس لے جا کر اس کی اصلاح کا موجب بن جاتی ہے۔ ورنہ آسودگی میں تو بہت ہی کم لوگ اللہ تعالیٰ کو یاد رکھتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ کم رزقی انسان کو انسان بنانے

کے لئے کیمیا ہے۔ بشرطیکہ وہ اس پر صبر کرے اور یہ واقعی درست ہے کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے الام پر صبر کرتا ہے تو خود اللہ تعالیٰ اس کا ہمنشین بن جاتا ہے۔ ان اللہ مع الصبرین اور جس کا خدا ہمنشین بن جائے اسے غم میں کیا گھبراہٹ پھر صبر کی جزاء تو بے حساب ہے اور جس کو اجر بے حساب ملے اس کی خوش قسمتی تو قابل رشک ہے۔ پس دکھ اور مصائب کو حقیر نہ سمجھو بلکہ انہیں اللہ تعالیٰ سے تعلق بڑھانے اور اس کی ہمنشینی کا ایک ذریعہ سمجھ لو۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اس سے ملنے کی سب سے نزدیک تر راہ اس کے سوا اور کوئی نہیں۔

اس طرح اگر انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دولت دنیا مل جاوے اور وہ اس کے نتیجہ میں اس کا شکر گزار اور سپاس گزار بن جائے۔ تو یہ بھی اپنے رب سے تعلق بڑھانے کا ایک ذریعہ ہے۔ شکر صرف زبان سے الحمدللہ کہنے کا نام نہیں بلکہ اس کی محبت کے نتیجہ میں اس کی مخلوق کی بہتری پر خرچ کرنے کا نام ہے خدا تعالیٰ یہ دیکھتا ہے کہ میرا بندہ میری دی ہوئی نعمتوں سے تو محبت کرنے نہیں لگ جاتا۔ مجھے بھول تو نہیں جاتا۔ میری راہ میں خرچ کرنے سے گریز تو نہیں کرتا۔ اگر بندہ شکر گزار بنتا ہے اس کی راہ میں بے دریغ خرچ کرتا چلا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی نعمتوں کو بڑھاتا چلا جاتا ہے اور یہی اس کا دستور ہے۔ مولانا روم نے ایک حکایت لکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی زمانہ کے نبی کو وحی کی کہ ہم نے فلاں شخص کی آدھی عمر کو پورا کیا ہے دولت سے۔ اور آدھی کو فقر سے۔ اسے اختیار ہے جسے وہ پہلے اختیار کرے۔ اللہ تعالیٰ کے نبی نے اسے سنایا اور پوچھا کہ تو کیا چاہتا ہے اس نے کہا کہ میں اپنی بیوی سے مشورہ کرلوں۔ بیوی نے کہا کہ مقدم عمر دولت والی کر۔ اس نے کہا نہیں اس لئے کہ اگر دولت کے بعد غربت ملے تو وہ بہت سخت ہوتی ہے۔ عمر کا مجھ سے نہیں کٹتی۔ اس نے کہا میں اس کی مخالفت کروں گی۔ وہ نبی وقت کے پاس آیا اور کہا کہ میں پہلے آسودگی والی عمر چاہتا ہوں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اس پر فراخی کے دروازے کھول دیئے۔ اس کی عورت نے کہا کہ اگر تو چاہتا ہے کہ یہ نعمت باقی رہے تو خدا کی مخلوق پر سخاوت کر یہ نکتہ اس کی سمجھ میں آگیا۔ پھر اس کی یہ حالت ہوگئی کہ جو وہ کماتا وہی غریبوں کو دیتا۔ غرض اس نے اپنے مال کے دروازے غریبوں پر کھول دیئے۔ جب اس کی آدھی عمر پوری ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کے نبی کو فرمایا کہ اب ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ یہ نعمت اس سے چھینی نہ جائے گی کیونکہ یہ بندہ میری نعمتوں پر شکر بہت کرتا ہے لہذا شکر سے نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ کمی

نہیں ہوتی۔ آپ اسے بشارت دے دیں کہ وہ باقی عمر دولت مند رہے گا۔
پس اصل چیز تو اللہ تعالیٰ کی محبت ذاتی ہے اگر یہ مل جائے تو نہ کسی چیز کے چلے جانے کا غم ہوتا ہے اور نہ کسی نعمت کے ملنے سے خوشی ہوتی ہے۔ محبت کو تو محبوب کی ذات سے غرض ہوتی ہے اس کی راہ میں اسے جس قدر مصائب آئیں وہ روک نہیں بن سکتے۔ وہ ستم کو کرم اور جفاء کو عطا سمجھتا ہے وہ محبوب کی ہر رضا پر راضی رہتا ہے اور یہی مومن کی نشانی ہے۔
پس اللہ تعالیٰ گنجینہ حسن ہی نہیں محبت کا بحر بیکراں بھی ہے۔ اس کی بے پایاں رحمت اس کی اتھاہ محبت کا اظہار ہی تو ہے اس کی رحمت ہر شے پر چھائی ہوئی ہے۔ جو ایک قدم بڑھتا ہے وہ اس کی طرف دس قدم بڑھتا ہے جو چل کر آتا ہے وہ دوڑ کر آتا ہے جو اس سے منہ موڑتا ہے وہ بھی اس سے بے نیازی برتتا ہے۔ رحمت کرتا ہے لیکن خودداری کے ساتھ۔ محبت کرتا ہے مگر محبت کو رسوا نہیں کرتا۔ یہی اس کا مسلک ہے اور یہی طریقہ ہے۔ پس اس گنجینہ حسن و احسان سے محبت کرو۔ لیکن اس کی ذات کے سوا مطلب اور کچھ نہ ہو۔

خدا کی رضا اور اس کا حصول

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ۔

"جو شخص چاہتا ہے کہ صحت و عافیت بھی رہے مال و دولت میں بھی ترقی ہو اور ہر طرح کے عیش و عشرت کے سامان' مالی اور جانی اور آرام بھی ہوں۔ کوئی ابتلاء بھی نہ آوے۔ پھر یہ کہ خدا راضی ہو جاوے۔ وہ ابلہ ہے وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ جن لوگوں پر خدا راضی ہوا ہے۔ وہ طرح طرح کے امتحانوں میں ڈالے گئے اور مختلف قسم کے مصائب اور شدائد سے ان کا سامنا ہوا۔"

حضور کا فرمان ایک مومن بندہ کے لئے قابل غور ہے۔ حقیقت میں حضور نے قرآنی ارشاد ام حسبتم ان تدخلوا الجنه ولما یعلم الله الذین جاهدو امنکم ویعلم الصابرین کی پوری تفسیر کر دی ہے جنت کا داخلہ یا اخروی نجات اتنی آسان نہیں جو آج کا مسلمان سمجھتا ہے بلکہ خدا کا قرب تو وہی لوگ پاتے ہیں جو اس کی راہ میں اپنی ہر ایک چیز قربان کر دیتے ہیں اس کا نام اسلام ہے۔

اسلام	چیز	کیا	ہے	خدا	کے	لئے فنا
ترک	رضائے	خویش	پے	مرضی	خدا	

غور کرو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کونسی چیز برگزیدہ بنا گئی کہ وہ ابو الانبیاء بن گئے۔ وہ یہی قربانی' اطاعت اور فرمانبرداری ہی تو تھی جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا اسلم کہا اسلمت لرب العالمین میں تو پورا پورا فرمانبردار ہو چکا ہوں۔ پھر ابتلاؤں سے گزر کر اپنے قول کو سچا ثابت کر دکھایا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ عام لوگوں کی نسبت انبیاء پر زیادہ مصیبتیں آتی ہیں اور مجھ کو ان سب سے زیادہ مصائب آئے۔ لیکن حضورؐ نے ان سب میں سے گزر کر سچی اطاعت اور اللہ تعالیٰ سے کامل محبت کر کے خاتم النبیین کا مقام پایا اور آپ سب اولین

اور آخرین سے بڑھ گئے۔

غرض انسان کو اللہ تعالیٰ کی کامل فرمانبرداری اور سچی اطاعت ہی اس کا مقرب بنا سکتی ہے۔ اس کے ہاں تو اخلاص اور وفا کی قدر ہے اور جو عمل اس جذب سے خالی ہے وہ اسے قبول نہیں۔ خدا تعالیٰ کو اس بندہ پر ناز ہوتا ہے جسے عطاء قضا میں تمیز نہ ہو۔ ہر حال میں جو بھی وارد ہو راضی رہے اور اعتراض نہ کرے اور یہی عمل ام العمل ہے۔ اور اس حالت کا نام تفویض ہے۔ صوفیاء اس حالت کو فنا سے تعبیر کرتے ہیں جس کے بعد نئی زندگی ملتی ہے اور وہ بقا ہے اور اس کے بعد زندگی لقاء۔ غرض امتحان نہ ہو تو ترقی کیسی لیکن جو شخص چاہے کہ دنیا کے کام اس کی مرضی کے مطابق چلیں اور اسے شدائد اور مصائب سے بھی گزرنا نہ پڑے پھر وہ فلاح بھی پالے تو یہ اس کی خوش فہمی ہے۔ وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

انسان تو اللہ تعالیٰ کا عبد ہے۔ اس کا کام عبادت اور اطاعت ہے اس کی فطرت اسے رد نہیں سکتی۔ عبودیت کی تکمیل تو بہر حال ہوتی ہے چاہے طوعاً کرے۔ یا کرھاً۔ اگر اپنی رضا سے کریگا تو اسے شرعی تکالیف برداشت کرنا ہونگی اور جو کچھ قرآنی احکام ہیں ان سب پر عمل کرنا پڑے گا۔ اور اپنے قول اور فعل سے یہ ثابت کرنا ہوگا کہ وہ سچا اطاعت گزار اور فرمانبردار ہے۔ وہ دین کی راہ میں اپنی مرضیات اور خواہشات کو چھوڑنے کے لئے تیار ہے حقوق اللہ اور حقوق العباد کے ادا کرنے کے لئے مستعد ہے۔ یعنی دوسروں لفظوں میں اس کی حالت ان صلوتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العالمین کی ہو جائے۔ غرض تمام شرعی تکالیف اسے انشراح صدر سے برداشت کرنا ہونگی لیکن اگر شرعی تکالیف برضا و رغبت برداشت نہیں کرتا تو پھر اسے تکالیف سماویہ برداشت کرنا ہوں گی۔ جو آسمان سے آئیں گی اور اسے ٹھیک کر دیں گی۔ اور یہی سنت اللہ ہے۔ ولنبلونکم بشیء من الخوف والجوع ونقص من الاموال سے یہ بات بالکل عیاں ہے۔ جاننا چاہئے کہ تکالیف سماویہ بہت سخت ہوتی ہیں اور جب آتی ہیں تو ان سے گریز ممکن نہیں۔ انسان کو ہر صورت برداشت کرنا پڑتی ہیں ایسی آفتیں کبھی بیماری کی صورت میں آتی ہیں جو انسان کے لئے بے حد پریشان کن اور تکلیف دہ ہوتی ہیں اور ان کا اثر ساری عمر رہتا ہے اور یہی مصائب اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتے ہیں۔ اور ان سے اس کی عبودیت کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ سودا بہت مہنگا اور تکلیف دہ ہے اس طریق

سے درست کیا ہوا انسان اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ پیار نہیں پا سکتا جو اپنی رضاء و رغبت سے مشقت برداشت کرتا ہوا پاتا ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے مشقت برداشت کر لیتا ہے تو وہ ذات اس سے شفقت کا سلوک کرتی ہے۔ اور جو مشقت سے کتراتا ہے وہ مشقت میں ڈالا جاتا ہے۔ یہی کیفیت ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ جو ملازم کام چور ہو اس سے رعایت نہیں کی جاتی اسے مشقت میں ڈالا جاتا ہے تاکہ اس کا دماغ درست ہو جائے لیکن جو اپنے آقا کے لئے ہر مشقت برداشت کرنے کے لئے تیار ہو۔ اس سے رعایت کی جاتی ہے۔ پس جو بندہ اللہ تعالیٰ کے لئے دکھ اٹھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی اس سے دکھ اٹھا لیتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ دکھ کا علاج دکھ ہے اللہ تعالیٰ بندہ پر دو مصیبتیں نہیں ڈالتا یعنی جو شرعی تکالیف اپنے طور پر برداشت کر رہا ہو۔ اس پر سماوی تکالیف نہیں آیا کرتیں۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خلق خدا کی ہدایت کے لئے غم اٹھانے کی حد کر دی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فلا تذهب نفسك عليهم حسرات اے میرے پیارے۔ مخلوق کے غم میں اپنی جان کو ہلاک نہ کرو۔ ہدایت دینے والا تو میں ہوں۔ یہ تیری ذمہ داری نہیں۔ اسی طرح جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی حالت خلق کے غم میں گداز ہو گئی۔ اور ان کے نالہ ہائے روز و شب چرخ تک جا پہنچے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی کئی کئی بار یہ الہام ہوتا تھا کہ

"غم نہ کر میں تیرے ساتھ ہوں۔"

غرض یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ جو شخص خدا تعالیٰ کی راہ میں مشقت میں پڑتا ہے وہ مشقت سے نکالا جاتا ہے اور جو بچتا ہے اس پر مصائب اور شدائد آتے ہیں۔ پس میرے عزیزو اور بھائیو! یہ بات پختہ ذہن نشین کر لو کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا یہی ایک طریقہ ہے کہ اس کے پورے فرمانبردار بندے بن جاؤ۔ اس کی راہ میں ہر تلخی کو قبول کر لو۔ نبی کریم ﷺ کی سچی تابعداری کرو۔ اور خدا تعالیٰ کے حکم کے آگے کسی چیز کو روک نہ بننے دو نہ نفس کو' نہ مال کو' نہ اولاد کو۔ مثلاً جب اس کی طرف سے نماز کا بلاوا آوے تو اس کی بجا آوری میں نہ کاروبار مخل ہو سکے۔ نہ اپنا نفس نہ دیگر مشاغل۔ اور جب اس کی راہ میں مال خرچ کرنے کی ضرورت پڑے تو دین کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر مقدم کر لو اور اگر خدمت خلق کی ضرورت ہو تو اپنے آرام کو حرام

کردو۔ غرض خدا کی راہ میں ہر تلخی اور مشقت برداشت کرنے کے لئے ہروقت تیار رہو۔ اور یہی سعادت کی راہ ہے۔ ورنہ اگر انسان تکالیف سماویہ سے سیدھا ہوا۔ تو کیا فائدہ خدا تعالیٰ کی خوشی تو اس میں ہے کہ اس کا بندہ اسے شناخت کرے۔ اور خود بخود اس کی محبت اور اطاعت میں لگ جائے۔ ورنہ انسان کی اصلاح کے لئے تو اس کے پاس کئی طریقے ہیں۔

سوچنا چاہئے کہ اگر بندہ اس کا سچا اطاعت گزار بن جائے تو اس کی اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت و توقیر ہے۔ فرشتے بھی اسے کہیں گے۔ سلام علیکم طبتم فادخلوھا خالدین ورنہ آخرت میں اس کے لئے ذلت و رسوائی ہے اور یہ صحیح ہے کہ ذلت اٹھانے سے تکلیف اٹھانا بہتر ہے وہ دکھ دکھ نہیں۔ جس کے بعد جنت ہے اور سکھ سکھ نہیں۔ جس کا نتیجہ جہنم ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "درد جس سے خدا راضی ہو۔ اس لذت سے بہتر ہے جس سے خدا ناراض ہو جائے۔ خدا ایک انمول خزانہ ہے اور یہ دولت لینے کے لائق ہے۔ اگر جان دینے سے ملے۔ اور یہ لعل خریدنے کے قابل ہے۔ اگر تمام وجود کھونے سے ملے۔" لیکن اس نعمت کا حصول اپنے آپ کو فنا کئے بغیر ممکن نہیں۔

خدا تعالیٰ سے بے حساب انعامات حاصل کرنے کا ذریعہ۔ صبرو رضا

خدائے رحمان کے اپنے بندوں پر اتنے احسانات ہیں کہ ہم ان کو شمار بھی نہیں کرسکتے اور جو کچھ بھی بندہ اس سے مانگتا ہے اسے مل جاتا ہے۔ واتاکم من کل ماسالتموہ ماں باپ کی طرح اس کی پرورش اور نگرانی ہروقت جاری ہے اور جو کچھ بھی اس کی روزانہ کی ضروریات ہیں اسے مل جاتی ہیں۔ وہ بھوکا اٹھاتا ہے۔ بھوکا سلاتا نہیں۔ اس کی رحمت یہ الزام لینے کے لئے تیار نہیں کہ میرے بندہ کو اپنی بقاء کے لئے کسی چیز کی ضرورت تھی اور وہ اسے نہیں ملی۔ غرض عطا اور بخشش میں اس نے کافر اور مومن کی تمیز نہیں رکھی۔ بلکہ بعض صورتوں میں تو اس کے نافرمانوں کو مومنوں کی نسبت زیادہ دنیاوی انعامات ملتے ہیں۔

عطا میں کافر و مومن کا امتیاز نہیں
ادائے خاص سے یہ فیض عام ہے تیرا

پس مومن بندہ اگر اس محسن ذات کا شکر گزار نہیں ہوتا تو وہ اس کی نظروں سے گر جاتا ہے وہ ایسے ناشکر گزار بندہ کو اپنی شفقت سے دور کر دیتا ہے۔ خدا اس کو پاک کرتا ہے۔ غرض اس کو پیار کرنے والے بندے تو وہ ہوتے ہیں۔ جو ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے راضی رہتے ہیں۔ ان کی نظر مادی انعامات پر نہیں منعم پر ہوتی ہے۔ ان کی لب پر شکوہ نہیں آتا۔ بلکہ وہ جفا کو عطا اور ستم کو کرم سمجھتے ہیں۔ ان کی زبان ذاکر اور دل شاکر رہتا ہے۔ لہذا فرماتا ہے کہ یہی میرے خاص بندے ہیں وہ مجھ سے راضی ہیں اور میں ان سے راضی اور یہ سچ ہے کہ رب کریم کی ایک نگاہ کرم سب ہاتھوں کا مداوا بن جاتی ہے اور اپنے طالبوں کو مست و بے خود بنا دیتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں دنیاوی سامانوں کی حیثیت ہی کیا ہے دراصل یہی لوگ اپنے رب کی خوشنودی کے متلاشی ہیں۔ اور یہی محسن ہیں من اسلم وجھہ للہ وھو محسن لیکن جن لوگوں کی

نظر مادی سامانوں کی طرف اٹھتی ہے۔ وہ ان چیزوں کو ہی انعام سمجھتے ہیں۔ اور ان کے حصول کے لئے ہی ان کی سب دوڑ دھوپ ہوتی ہے اور جب ان کی خواہشات پوری نہیں ہوتیں تو ان کے دل میں ملال اور لب پر شکوہ رہتا ہے وہ ہر وقت اپنی بدقسمتی کا خدائے رحمان کے آگے رونا روتے ہیں۔ لہذا انہیں کبھی بھی اطمینان قلب نہیں ملتا۔ وہ اپنے تعلق میں بے وفا ثابت ہوتے ہیں۔ رب تعالیٰ کی نظر میں ان کی کوئی بھی قیمت نہیں ہوتی۔ جس عورت کو اپنے خاوند کی طرف سے سب کچھ ملے اور پھر بھی وہ یہ شکوہ کرے کہ میں نے یہاں آ کر کوئی سکھ نہیں پایا تو بتاؤ اس کا رد عمل اس کے خاوند پر کیا ہوگا۔ اسی طرح اگر غلام اپنے آقا کا بے وفا اور ہر وقت شکوہ کرتا رہے تو اس کی بھی کوئی قدر و منزلت نہیں ہوتی۔ یہی حال بندے اور مالک کے درمیان ہے۔ اگر بندہ ضروریات زندگی پوری ہونے کے باوجود شکوہ کرتا رہے تو خدا تعالیٰ کی رحمت اس کی دستگیری نہیں کرتی اور اسے بدحالی میں چھوڑ دیتی ہے اور یہ سچ ہے کہ جو محتاجی بیان کرتا ہے وہ محتاج ہی رہتا ہے۔ گداگر ہزاروں آدمیوں کے آگے ہاتھ پھیلا کر بھی محتاج ہی رہتا ہے۔ لیکن ایک دروازہ کا سائل کبھی محتاج نہیں رہا۔ اللہ تعالیٰ کا کم دیا ہوا مخلوق کے زیادہ دیئے ہوئے سے بھی زیادہ ہے اور باعث عزت بھی ہے۔ اللہ والے کہا کرتے ہیں کہ دوسروں کے پاس اپنا حال بیان کرنا ناجائز ہے۔ "حکایت حال شکایت ذوالجلال" بلکہ جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملے چاہے استغناء کے طور پر ہو یا ابتلاء کے طور پر سب عطا سمجھ کر قبول کرے اور حرف شکایت زبان پر نہ لائے۔

ہر کہ از دوست رسد نیکو است

جس طرح اللہ تعالیٰ کے اور انعامات ہیں اسی طرح ان میں سے ایک انعام صبر و رضا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ ان اللہ مع الصابرین اور جس بندہ کے ساتھ خدا ہو اس کو پھر کس چیز کا غم۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

"صبر ایک عبادت ہے کہ صبر کرنے والوں کو وہ بدلے ملیں گے جن کا کوئی حساب نہیں یعنی ان پر بے حساب انعام ہوں گے۔ یہ اجر صرف صابرین کے واسطے ہے۔ دوسری عبادت کے لئے اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ نہیں"۔

ایک شخص نے کسی بزرگ سے پوچھا کہ اگر کسی کو فاقہ کی نوبت پہنچ جائے۔ تو وہ کیا کرے۔ فرمایا کہ صبر کرے اور جائز ذرائع سے کوشش کرے۔ پھر کہا کہ اگر دوسرے دن بھی کامیاب نہ ہو

سکے تو پھر کیا کرے فرمایا۔ پھر بھی صبر کرے۔ کہا کہ اگر تیسرے دن بھی کامیاب نہ ہو اور کھانے کو کچھ نہ میسر آئے تو کیا کرے۔ فرمایا پھر بھی صبر کرے۔ کہا پھر تو وہ مرجائے گا فرمایا کہ یہ کھانے کا سودا نہیں۔ کیونکہ جو مارتا ہے خون بہا بھی اسی کے ذمہ ہوتا ہے۔ اور جس حیثیت کا مارنے والا ہو خون بہا بھی اسی حیثیت کا ملے گا۔ اگر خدا مارنے والا ہو تو اسے کتنا خون بہا ملے گا۔

جاننا چاہئے کہ صبر کرنا اولوالعزم لوگوں کا کام ہے اور وہی لوگ ہی مقبول بندے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ دنیا میں ہر ایک کو آزماتا ہے کسی کو صبر کے ذریعے سے اور کسی کو شکر کے ذریعہ سے۔ کیونکہ اس کے بغیر جنت میں داخلہ ممکن نہیں قرآن کریم میں آیا ہے۔

ام حسبتم ان تدخلوا الجنہ ولما یعلم اللہ الذین جاھدوا منکم و یعلم الصابرین

پس اس آزمائش میں ہر ایک کو گزرنا ہوگا اور ثابت کرنا ہوگا کہ اس کا ایمان مضبوط اور اللہ تعالیٰ سے تعلق پختہ تھا یا نہ۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے راستے میں ان تکالیف کی حیثیت ہی کیا ہے اگر اس کی نظر التفات ہو تو دکھ بھی سکھ بن جاتے ہیں اور ان میں ایک سرور ملتا ہے۔ ورنہ دنیاوی نعماء بھی عذاب الیم کا روپ دھار لیتی ہیں۔

بس بندہ کو ناشکر گزاری سے بچنا چاہئے۔ کیونکہ یہی بات اسے سخت ناپسند ہے۔ بزرگوں کا مقولہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا ناشکر گزار نہ ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی ناراضگی تجھے ان سے زیادہ مصیبت میں مبتلاء کر دے اسی کی طرف اشارہ ہے ولئن کفرتم ان عذابی لشدید کیونکہ ناشکرے کے لئے یہی سزا ہے۔

ایک شخص پیدل سفر کر رہا تھا چلتے چلتے تھک کر چور ہو گیا۔ تو اپنی مفلسی کی شکایت کرنے لگا۔ کہتا تھا کہ خدایا تو نے مجھے سواری کی توفیق نہیں دی۔ ایک دانا نے سنا۔ کہا کہ دوست پھر بھی شکر کرو۔ اگر سوار نہیں بنایا تو تم سے گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کی طرح بوجھ بھی نہیں اٹھوایا۔ اگر کہتا کہ بوجھ بھی اٹھا اور پیدل بھی چل تو تو کیا کر سکتا تھا۔

غرض شکر گزاری ہر حال میں واجب ہے۔ اور یہی صفت اللہ تعالیٰ کو پسند ہے مشکلات پر صبر اور استقامت بندہ کو بے حساب انعامات کا مستحق بناتی ہے۔ اور یہ بھی سچی بات ہے کہ وہی لوگ خوش قسمت ہوتے ہیں جو خدا کی رضا کے لئے اپنی رضا کو چھوڑ دیتے ہیں اور کسی سود و زیاں کا

خیال کئے بغیر اس سے محبت کا تعلق قائم کئے ہوئے ہیں۔ انہیں کی قدر ہے اور ان کا عمل ہی سراہا جائے گا۔

جس کا عمل ہے بے غرض اس کی جزاء کچھ اور ہے
حور و خیام سے گزر بادہ و جام سے گزر

عرفان الٰہی

کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت ادم

(حدیث قدسی)

خدا تعالیٰ نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو اس نے آدم کو بنایا یعنی تخلیق آدم کا موجب مشیت الٰہی ہے قرآن کریم میں بھی آدم کی پیدائش کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت اور معرفت ہی بیان ہوا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ آدم کے بیٹے نے اپنے مقصد حیات کو بھلا دیا ہے وہ صرف دنیا کی چیزوں کی معرفت حاصل کرنے میں منہمک ہو گیا ہے۔ اس سے اس کی غرض یہ ہے کہ ان چیزوں کی حقیقت کو جان کر ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائے اور اپنی زندگی کو آسودہ بنائے۔ اسے عرفان کائنات تو حاصل ہوا ہے۔ عرفان حق حاصل نہیں ہوا حالانکہ اس ذات نے کائنات کی تمام چیزوں کو اس کی خدمت میں لگا کر یہی چاہا ہے کہ وہ ان کی مدد سے عرفان کی منزلیں طے کرے لیکن یہاں حالات ہی کچھ اور ہیں ان کو دنیا اور اس کی اشیاء کا عرفان حق سے دور لے جا رہا ہے۔ کہتے ہیں پکا فلسفی وہ ہوتا ہے جو پکا دہریہ ہو دنیا میں جتنے بڑے بڑے فلاسفر اور سائنسدان گزرے ہیں اکثر خدا کی ہستی کے منکر تھے چونکہ ان کو خدا کا وجود مادی اشیاء کی طرح نظر نہیں آیا اس لئے انہوں نے انکار کر دیا۔

پس ظاہر ہے کہ مجرد عقل اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچاتی۔ صرف امکان ثابت کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو انبیاء اور رسولوں کے ذریعہ سے ظاہر کیا اور یہی لوگ تھے جو خدا تعالیٰ کی صفات کا مظہر بنے اور لوگوں کو خدا سے روشناس کرایا اور یہ صحیح ہے کہ ان کے وسیلہ سے لاکھوں کروڑوں انسانوں نے اللہ تعالیٰ کا عرفان حاصل کیا۔ پس یہ سارے جھگڑے اللہ تعالیٰ کا عرفان نہ ہونے کی وجہ سے پڑے۔

حرم و دیر کے جھگڑے تیرے چھپنے سے پڑے
تو اگر پردہ اٹھا دے تو تو ہی تو ہو جائے

لیکن وہ ذات اگر بے حجاب نہیں تو بے نشان بھی نہیں۔ دنیا کی ہر چیز میں اس کی جلوہ گری

ہے کائنات کا ذرہ ذرہ اور نباتات کا پتہ پتہ اس کا پتہ دے رہا ہے ہر طرف اس کی صفات کے جلوے ہیں۔ اور اولوا الالباب کو اس کی معرفت کے لئے دعوت فکر دیتے ہیں اگر انسان ان کے ذریعہ سے اپنے خالق کو نہیں پہچان سکتا تو اس کی روحانی بے بصیرتی میں کیا شک ہے۔ اس لئے قرآن پاک میں آیا ہے من کان فی ھذہ اعمی فھو فی الاخرہ اعمی کہ جو اس جہان میں اپنے رب کو پہچان نہیں سکے۔ وہ اگلے جہان میں بھی اندھا اٹھیگا اور اپنے رب کے دیدار سے محروم رہے گا۔

لیکن یہ کتنی بد نصیبی ہے کہ انسان علم الاشیاء کے لئے اپنا سارا زور لگا رہا ہے۔ خشکی میں' تری میں اور خلاء میں جو چیزیں ہیں ان کی حقیقت کو جاننے کے لئے ہروقت سرگردان ہے اور اس کام میں اپنی جان کو بھی کھپا رہا ہے۔ لیکن اس نے اپنے نفس میں جھانک کر نہیں دیکھا کہ اس میں کیا ہے اگر وہ اپنے نفس کو پہچان لیتا تو اسے خدا بھی مل جاتا۔ کیونکہ وہ اس کے اندر موجود ہے۔ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ لیکن وہ عقل وشعور رکھنے کے باوجود بھی نا آشنا رہا اور اس کی حالت وہی ہے جو کسی نے اس شعر میں کہی ہے۔

ہم زمانہ آشنا' ہم سے زمانہ نہ آشنا
اور ہم اپنے لئے بھی نا محرم و نا آشنا

اور یہ سچ ہے کہ اگر انسان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو جائے اور وہ یہ جان لے کہ وہ ہر جگہ موجود ہے اور ہر جزا اور سزا کا مالک بھی ہے تو اس کے اعمال اور اخلاق درست ہو جائیں۔ یہی معرفت کا فقدان اسے گناہوں پر مائل کرتا ہے اور وہ اپنے خدا سے دور ہوتا جاتا ہے۔ یہی دوری غفلت کا نام ہے۔ کسی نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عرض کی کہ نماز میں لطف نہیں آتا۔ طبیعت حاضر نہیں رہتی۔ حضور نے فرمایا کہ۔

"تم جب خدا کو پہچان لوگے تو نماز ہی نماز میں رہو گے۔ دیکھو انسان کی فطرت ہے کہ خواہ کوئی ادنیٰ سی بات ہو۔ جب اس کو پسند آجاتی ہے تو پھر دل خواہ مخواہ اس کی طرف کھنچا جاتا ہے اسی طرح انسان جب اللہ تعالیٰ کی شناخت کر لیتا ہے اور اس کے حسن واحسان کو پسند کرتا ہے تو دل بے اختیار اس کی طرف دوڑتا ہے بے ذوقی سے ایک ذوق پیدا ہو جاتا ہے۔ اصل نماز وہی ہے جس میں خدا کو دیکھتا ہے"۔

پس ذوق اور محبت کی بنیاد معرفت ہے۔ اگر معرفت نہیں تو محبت نہیں۔ کہتے ہیں کہ ایمان بالغیب سے یقین، یقین سے معرفت اور معرفت سے محبت پیدا ہوتی ہے جو نجات کا ثمرہ ہے۔ لیکن آج کا مسلمان گو اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان رکھتا ہے لیکن اس کا دل معرفت سے خالی ہے اگر معرفت ہوتی تو گناہوں پر اتنا دلیر نہ ہوتا۔ پس اس کی تو وہی حالت ہے۔ جو مولانا روم نے ایک حکایت میں لکھی ہے کہ۔

"ایک گنوار نے طویلے میں گائے باندھی رات کو شیر آیا اور گائے کھا کر وہیں بیٹھ گیا۔ ابھی رات کی سیاہی دور نہیں ہوئی تھی کہ گنوار طویلے میں آیا اور اپنی گائے کو ٹٹولنے لگا اندھیرے میں اس نے شیر کو اپنی گائے سمجھ لیا اور اس پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ شیر نے گنوار کی حرکتیں دیکھیں تو دل میں کہا کہ اگر ذرا بھی اجالا ہوتا اور تو یہ جان لیتا کہ میں شیر ہوں تو تیرا پتہ پھٹ جاتا اور دل خون ہو جاتا۔ پھر اس طرح گستاخانہ مجھے کھجلانے کی جرات نہ کرتا۔ حق تعالیٰ نے بھی یہی کہا ہے کہ اے فریب خوردہ انسان میرے نام سے طور چکنا چور ہو گیا تھا۔ تو نے تقلیدی طور پر اپنے ماں باپ سے خدا کا نام سنا ہے۔ تحقیق کے ساتھ اس سے واقف ہو جائے تو تمام گستاخیوں سے باز آ جائے۔"

اور یہ حقیقت ہے کہ انسان کی تمام بداعمالیاں اس کی معرفت کی کمی کی وجہ سے ہیں۔ اگر اسے خدا تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو جائے کہ وہ ذات اس کی نگران ہے اور سرچشمہ حسن و احسان بھی ہے تو پھر نہ کبھی اس کے حکم سے سرتابی کرے اور نہ کسی کو اس کی محبت میں شریک کرے۔ بلاشبہ وہی نفس آرام یافتہ ہے جس نے اسے پہچانا۔

درد جس سے خدا راضی ہو اس لذت سے بہتر ہے جس سے خدا ناراض ہو جائے

اس میں کلام نہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مندرجہ بالا فرمان کتنا صحیح اور کتنا حقیقت پسندانہ ہے۔ اگر انسان اسی بات کو سمجھ لے تو اس کا بیڑا پار ہو جائے۔ دراصل یہ دنیا خواہشات کی دنیا ہے۔ انسانی نفس لذات کا خوگر ہے اور اسی لذت اور سرور کے پیچھے سرگرداں ہے۔ انواع و اقسام کے پر تکلف کھانے کام و دہن کی لذت کے لئے چاہتا ہے۔ جمالیاتی لذت کے لئے حسین جلوؤں کا طالب ہے۔ ذوق سماعت کی آسودگی کے لئے سرور آفریں گانے سننا چاہتا ہے اور پھر یہ کہ جنسی تسکین کی خواہش اسے آرام سے بیٹھنے نہیں دیتی۔ غرض اس کی زندگی انہیں چار لذائذ کے گرد گھومتی ہے۔ کام و دہن کی لذت کے حصول کے لئے وہ دن رات دوڑ دھوپ کرتا ہے کہ اسے اچھے سے اچھا کھانا ملے۔ اس غرض کے لئے وہ ہر جائز و ناجائز وسائل اختیار کر لیتا ہے۔ دنیا میں جتنا ظلم و تشدد اور استحصال ہو رہا ہے وہ سب اسی کی مہربانی ہے۔ دوسروں کے حقوق کو دبانا' دھوکہ اور فریب کرنا' جھوٹ اور دغابازی سب اسی کی بدولت ہے۔ حرص کی آگ اسے آرام سے بیٹھنے نہیں دیتی۔ سب کچھ اپنے لئے سمیٹنا چاہتا ہے۔ کسی چیز کی کمی رہ جائے تو کڑھتا ہے کہ فلاں چیز نہ ملی۔ گوشت میں دو دن کا ناغہ اکثر لوگوں کے لئے مصیبت بن جاتا ہے کہ کیا کریں۔ مرغ' مچھلی اور انڈوں سے کمی پوری کرتے ہیں۔ غرض آج کا انسان شکم پرست اور تن پرور بن گیا ہے۔ پھر جمالیاتی ذوق کی تسکین کے لئے دوسری باتوں کے علاوہ آج کل اس کا محبوب مشغلہ سینما اور TV ہے جسے وہ چھوڑنا نہیں چاہتا اور انہی سے اپنے نفس کے ذوق کو تسکین دیتا ہے۔ چاہے اس کا دین برباد ہی کیوں نہ ہو جائے۔ بدنظری اس کے نزدیک کوئی گناہ نہیں دل بہلاوا ہی تو ہے۔ ذوق سماعت کے لئے ریڈیو اور ریکارڈنگ کا سامان اس کے لئے موجود ہے اور اس سے لذات حاصل کر کے سمجھتا ہے کہ اس کی روح کو تازگی مل گئی ہے اور یہ

لذت اسے اتنا دیوانہ کر چکی ہے کہ وہ کسی وقت بھی اس سے سیر نہیں ہوتا۔ صبح کی قوالی تو نماز اور تلاوت کی قائمقام ہے۔ بھلا اس سے نافہ کیوں۔ پھر جنسی تسکین نے تو دنیا کا بیڑا ہی غرق کر دیا ہے۔ غرض ان لذات میں وہ اتنا گرفتار ہو گیا ہے کہ ان کے بغیر زندگی گزارنا مشکل ہو گیا ہے۔
لیکن اسلام کی تعلیم تو یہ ہے کلوا واشربوا و لا تسرفوا یعنی دنیا کی اشیاء سے اتنا فائدہ اٹھاؤ جتنا کہ تمہاری روحانیت کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہو۔ تن پروری تمہارا مقصود نہ بن جائے۔ پھر یہ بھی تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ اگر انسان ہمیشہ لذیذ اور شیریں چیزیں کھاتا رہے تو وہ بیمار ہو جاتا ہے۔ اس کے جسم میں زہریلا مادہ پیدا ہو کر طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں جو اسے لے ڈوبتی ہیں۔ ضروری ہے کہ وہ کڑوے کا استعمال بھی کرے ورنہ اس کی زندگی برقرار نہ رہے گی۔ وہ بیماریوں کا شکار ہو کر دنیا سے جلدی کوچ کر جائے گا۔ یہی حال دوسری لذات کا ہے۔ لذات دید اور لذت سماعت تو اس کی روح کو بیمار کر دیتی ہے۔ اس کا دل اور نظر پاک ہو جاتی ہے۔ بظاہر وہ سمجھتا ہے کہ اس کی روح کو غذا مل رہی ہے اور اس کی روحانیت ترقی کر رہی ہے لیکن یہ غذا اس کی امارگی کو بڑھاتی ہے اور اس کی روح کو مردہ کر دیتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ربوبیت الٰہی کے قابل نہیں رہتی۔
پس یہ تمام لذات اللہ تعالیٰ سے دور کرنے والی ہیں اور اس کو ناراض کرنے والی ہیں اور موجب غضب الٰہی ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ:۔

"دنیا کی لذتوں پر فریفتہ مت ہو کہ وہ خدا سے جدا کرتی ہیں اور خدا کے لئے تلخی کی زندگی اختیار کرو۔ درد جس سے خدا راضی ہو اس لذت سے بہتر ہے جس سے خدا ناراض ہو جائے۔ اس نے اپنے آنے کی راہ رکھی ہے مگر وہ راہ تنگ بنائی ہے۔ پہنچتا وہی ہے جو تلخیوں کا شربت پی لیوے"۔

نہ دل و تنعم ہائے دنیا گر خدا داری
کہ مے خواہد نگاریں تہیدستاں عشرت را

پس جن لوگوں کو خدا ملا وہ مصائب کی بھٹیوں میں ڈالے گئے۔ طرح طرح کے دکھوں سے آزمائے گئے عزیز و اقارب سے جدا کئے گئے۔ حتیٰ کہ اپنے نفسوں سے بھی بے نیاز ہو گئے۔ انہوں نے لذات کی بجائے درد کو قبول کیا اور اس میں لذت پائی۔ پھر یہ بھی صحیح ہے کہ خدا کا

راضی کرنا آسان نہیں۔ بے حد مشکل کام ہے۔ اس راہ میں تو وہ لوگ کامیاب ہوئے ہیں جنہوں نے جان و مال بلکہ سب کچھ قربان کر دیا۔

صد ہزاراں فرشتے در کوئے یار
دست پر خار و بلاکش صد ہزار
ہست دیں تخم فنا را کاشتن
از سر ہستی قدم برداشتن
زیر موت است پنہاں صد حیات
زندگی خواہی بخور جام ممات

(حضرت مسیح موعود)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو لوگ دنیا سے آرام یافتہ ہیں وہ خدا کا قرب حاصل نہیں کر سکتے۔ ہر ناپاک آنکھ اس سے دور ہے اور ہر ناپاک دل اس سے بے خبر ہے۔ کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے سچا تعلق پیدا نہیں کر سکتا جب تک باوجود اولاد کے بے اولاد نہ ہو۔ باوجود مال کے مفلس و محتاج نہ ہو۔ باوجود دوستوں کے بے یار و مددگار نہ ہو۔ یہی وہ مقام ہے جس سے خدا راضی ہوتا ہے اور یہ ایک مشکل مقام ہے۔ پس یہ سمجھنا کہ ہم دنیا کی لذات سے بھرپور فائدہ اٹھائیں۔ کھانے بھی لذیذ کھائیں۔ مالی اور جانی آرام بھی ہو۔ نظارہ جمال بھی ہو اور ذوق سماعت بھی آسودہ رہے اور یہ کہ پورا دین مل جائے' محالات سے ہے۔ حدیث نبویؐ ہے کہ غریب اور اہل مصائب امیروں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں جائیں گے۔ بلکہ حضورؐ نے تو یہ فرمایا کہ میں نے معراج پر جا کے دیکھا کہ جنت میں غرباء زیادہ تھے اور دوزخ میں امراء اور بادشاہ۔ پس یہ خطرہ کا مقام ہے۔ دین و دنیا کبھی اکٹھے نہیں ہو سکتے۔

ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ حضرت جابرؓ گوشت کا ٹکڑا اٹھائے جا رہے ہیں۔ پوچھا کیا ہے۔ کہا امیرالمومنین گوشت کھانے کو جی چاہتا تھا۔ ایک درہم کا گوشت خریدا ہے۔ فرمایا کہ اے جابر اپنے پڑوسی اور عزیزوں کو چھوڑ کر صرف اپنے پیٹ کی چاہتے ہو۔ کیا یہ آیت بھول گئے اذھبتم طیباتکم فی حیاتکم الدنیا واستمعتم یعنی تم نے اپنی تمام نعمتیں دنیا میں پوری کر لیں اور ان سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور یہ صحیح ہے کہ جنت کی نعماء تو

ان لوگوں کے لئے ہیں جنہوں نے مصائب برداشت کئے۔ تلخ زندگی بسر کی۔ جان و مال قربان کیا۔ دین کی راہ میں درد سہے لیکن جب اللہ تعالیٰ کے سامنے اہل نعمت پیش ہوں گے تو خدا فرمائے گا کہ تم یہاں کیا لینے آئے ہو؟ تم تو اپنی تمام نعمتیں دنیا میں تمام کر چکے ہو۔ کون سی چیز تھی جس کی تمہارے ہاں کمی تھی۔ تمہارے لئے اب یہاں کچھ بھی نہیں سوائے حسرت و اندوہ کے تو وہ لوگ کہیں گے کاش ہمارے جسم دنیا میں قینچیوں سے کاٹے جاتے۔ ہمیں وہاں کچھ بھی نہ ملتا پھر بھی ٹھیک تھا۔ یہاں مل جاتا مگر اب یہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں ربنا عجل لنا قطنا قبل یوم الحساب کہ اے ہمارے رب ہمارا حصہ یہاں جلدی جلدی دے دے۔ خدا جانے وہاں یہ نعمتیں ملیں یا نہ ملیں۔ قیامت آئے یا نہ آئے ہمارا حصہ یہاں مل جائے اور یہ سچ ہے کہ انسانی نفس ادھار کا قائل نہیں۔ یہ کہتا ہے کہ جو چیز ملے یہاں فوراً مل جائے۔ غرض ایسے لوگ جن کے پاس دولت کے انبار ہوں' جو گوشت کے رسیا ہوں' طرح طرح کے کھانے کھاتے ہوں' رہنے کے لئے ہر قسم کے آرام اور آسائش کے سامان میسر ہوں' چلنے پھرنے کے لئے کاریں ہوں۔ دیکھنے کے لئے فلمیں اور TV ہوں' وہ کس طرح تصور کر سکتے ہیں کہ اخروی زندگی میں بھی ان کو نعمتوں سے حصہ ملے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:۔

"جو شخص چاہتا ہے کہ صحت و عافیت بھی رہے۔ مال و دولت میں بھی ترقی ہو۔ ہر طرح کے عیش و عشرت کے سامان بھی ہوں۔ مالی اور جانی آرام بھی ہوں۔ کوئی ابتلاء بھی پیش نہ آئے اور یہ کہ خدا بھی راضی ہو جائے۔ وہ ابلہ ہے۔ وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا"۔

لیکن صحابہؓ اور اہل اللہ لوگوں کا حال تو یہ تھا کہ وہ چلاتے تھے کہ ابتلاء میں دیر کیوں ہو گئی کہیں وہ یار ازل ناراض تو نہیں ہو گیا۔ حضرت رابعہ کہتی تھیں کہ مجھے غم اس وقت ہوتا ہے جب خدا کی طرف سے کوئی غم نہ ہو۔ غرض وہ لوگ تو دنیا کو چاہتے نہ تھے۔ اگر ملتی تو اسے روگ سمجھتے اور کہتے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے اعمال کا بدلہ یہاں چکا دیا گیا ہو۔

حضرت عبدالرحمانؓ بن عوف بہت دولتمند تھے مگر آپ کا قلب خشیت اللہ سے معمور تھا۔ دنیاوی نعماء ان کے ابتلاء کی بجائے ازدیاد ایمان کا باعث ہوتیں۔ ایک دفعہ تمام دن روزہ سے رہے۔ شام کے وقت کھانا آیا تو اسے دیکھ کر رو پڑے اور کہا مصعبؓ بن عمیر مجھ سے بہتر تھے۔ جب شہید وہ ہوئے تو کفن ایک چادر تھی۔ جس سے سر چھپاتے تو پاؤں ننگے ہو جاتے۔ اسی طرح

حضرت حمزہؓ فوت ہوئے تو ان کی حالت بھی یہی تھی۔ پورا کفن بھی نہ تھا۔ مگر اب دنیا ہمارے لئے فراخ ہوگئی ہے اور اس کی نعمتیں بکثرت حاصل ہوگئی ہیں اور میں ڈرتا ہوں کہ کہیں نیکیوں کا بدلہ ہمیں یہیں نہ مل جائے اور اس قدر رقت طاری ہوئی کہ کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ تو یہ تھی صحابہ کرامؓ کی حالت۔ وہ گلیم پوش تھے۔ فاقہ کش تھے۔ بے سروسامان تھے۔ انہوں نے کبھی قصر و دیوان نہ مانگے۔ لیکن عشق خدا اور محبت رسولؐ سے مالا مال تھے اور وہی ان کا سرمایہ حیات تھا اور اسی میں تھے۔ جمال یار نے انہیں روک رکھا تھا۔ دید دوست ان کی غذا تھی۔ لطف حبیب ان کا اوڑھنا اور بچھونا تھا اور یہی حقیقی جنت تھی۔

اس رخ کا دیکھنا ہی تو ہے اصل مدعا
جنت بھی ہے یہی کہ ملے یار آشنا

یاد رکھنا چاہیے کہ شرک یہ نہیں کہ بتوں کی پرستش کی جائے بلکہ شرک یہ ہے کہ اپنے نفس کو بت بنالے اور اس کی پرستش میں لگ جائے اور دن رات اس کی خواہشات کو پورا کرتا رہے۔ پھر یہ بھی دین نہیں کہ صرف دولت کمانے اور جمع کرنے کا شوق ہو۔ ایسے لوگ جو غیر ممالک میں صرف دنیا کمانے کے لئے جاتے ہیں وہاں ان کا دین بھی جاتا رہتا ہے کیونکہ وہاں کے معاشرہ میں دین کا رکھنا محال ہو جاتا ہے۔ مالی لحاظ سے تو وہ دولت مند بن جاتے ہیں لیکن دینی لحاظ سے مفلس و کنگال بن کر لوٹتے ہیں۔ پس دین کو دے کر دنیا لینا کون سی دانشمندی ہے۔ ارشاد خداوندی تو یہ ہے من خاف مقام ربه و نهى النفس عن الهوى فان الجنة هى الماوى جو خدا کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا اور ہوائے نفس سے بچ گیا وہ جنت کا مستحق ہے۔ پس بقول حضرت مسیح موعود علیہ السلام وہ لوگ بہت خطرے میں ہیں جن کے پاس مال کی کثرت ہے۔ انسان تو عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اس غرض کے لئے اسے جو چیز درکار ہے وہ اس کے لئے حلال ہے اور اگر وہ ضرورت سے زیادہ لیتا ہے تو گو وہ چیز حلال ہو اس کے لئے حرام ہو جاتی ہے۔ اسے چاہیے تھا کہ خدا کا عبد بنے پیٹ کا بندہ یا شکم کا عبد نہ بنے۔ پس اسلامی تعلیم تو یہ ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ جاننا چاہیے کہ رسول کریم ﷺ کی اتباع ہمارے لئے ضروری ہے اور یہ راہ نجات ہے۔ ان کے اسوہ کی پیروی ہمارا جزو ایمان ہے۔ وہ تو بوریا نشین تھے۔ ان کی زندگی ہر قسم کے آرام اور آسائش سے بالا تھی۔ ان کا نمونہ تو

ہمارے لئے قابلِ تقلید ہے۔ باقی راستے تو گمراہی اور ضلالت کے ہیں۔ یہ کیسی محبت رسولؐ ہے کہ ان کی اتباع نہ کی جائے۔ پھر خدا تعالیٰ کی محبت کیسے حاصل ہو سکے گی۔ دنیا اور خدا کی محبت تو اکٹھی نہیں ہو سکتی۔

ایک بار حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا۔ اے عمرؓ اگر تم اپنے آقا سے ملنا چاہتے ہو تو وہی کام کرو جو حضورؐ نے کیے تھے۔ اپنے کپڑوں کو پیوند لگاؤ۔ اپنا جوتا بھی خود گانٹھو شکم سیر ہو کر نہ کھاؤ اور رات کو بھی کم سوؤ۔ پس یہ ہے اسوہ رسولؐ جسے ہم نے اختیار کرنا ہے۔ لیکن ہماری حالت تو یہ ہے کہ کپڑوں میں پیوند لگانا بے عزتی سمجھتے ہیں۔ جوتا گانٹھنا ذلت خیال کرتے ہیں۔ شکم سیر ہو کر نہ کھائیں تو خطرہ ہے کہ وٹامن کی کمی نہ ہو جائے اور رات کو اگر کم سوئیں تو صحت خراب نہ ہو جائے۔

پس اے دنیاوی لذات کے ڈھونڈنے والو اور زیادہ سے زیادہ دنیا کمانے کی فکر میں جان کھپانے والو اور دنیا سے آرام یافتہ دوستو۔ یہ خیال کر لو کہ اگر یہ چیزیں دین کے راستہ میں حائل ہیں تو سخت خطرہ کی حالت ہے یعنی ان کی وجہ سے باجماعت نمازوں میں ڈھیل' چندوں میں ڈھیل' جانی اور مالی قربانیوں میں ڈھیل' خدمت خلق میں ڈھیل' خلیفہ وقت کے احکامات کی بجا آوری میں ڈھیل۔ تو یاد رکھنا چاہئے کہ ایسا شخص سخت مواخذہ کے نیچے ہے اور اگر یہ مال' اولاد اور اقتداء دین کے راستہ میں روک نہیں بلکہ سابق بالخیرات بناتے ہیں۔ خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے لذت آتی ہے یادِ خدا میں سرور ملتا ہے نمازوں میں شغف بڑھ گیا ہے تو یہ اس کے لئے مبارک ہے۔ غرض یہ یقینی اور قطعی بات ہے کہ جو لوگ دنیا سے آرام یافتہ ہیں وہ خدا کا قرب حاصل نہیں کر سکتے۔ اس کو دیکھنے کے لئے تو آنکھیں یہاں سے لے جانی پڑتی ہیں اور جس کو اس جہاں میں خدا کے جلوے نظر نہ آئے۔ صرف اپنا نفس ہی نظر آیا وہ اس جہان میں خدا کا دیدار کیسے کر سکے گا۔ خدا اور بندے کے درمیان سے سے بڑا حجاب تو اس کا اپنا نفس ہے جب تک یہ نہ مرے زندگی کیسے ملے۔ فنا کے بعد بقاء اور پھر لقاء ہے۔ کسی بزرگ نے بالکل صحیح کہا ہے کہ جو شخص دنیا سے دل باندھ لیتا ہے اسے خدا تعالیٰ کے ساتھ خلوت کی لذت نصیب نہیں ہوتی جو لہو و لعب کو اپنا لیتا ہے وہ خدا تعالیٰ کے کلام سے محروم رہتا ہے جو اقتدار اور جاہ پسندی کا خوگر ہے اسے اللہ تعالیٰ کے حضور عجز و نیاز کی لذت نہیں ملتی۔ پس اگر خدا سے ملنا چاہتے ہو اور اس کا

دیدار کرنا چاہتے ہو تو اپنی آنکھوں کو غیر اللہ سے بند کرلو۔ اس کا دیدار ملے گا اس کی دلربا آواز سننا چاہتے ہو تو نامحرم آوازیں 'عشقیہ گانے' قوالیاں' راگ رنگ سننا چھوڑ دو وہ اپنے پاک کلام سے مشرف کرے گا۔ اگر دل کو غیر اللہ کی محبت سے آزاد کرو گے تو وہ ہمارے دلوں میں جلوہ گری فرمائے گا اور اسے سکینت اور اطمینان سے بھرے گا۔ پس اس مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تک تن کی دنیا آباد ہے من کا دروازہ نہ کھلے گا۔ کسی نے بالکل صحیح کہا ہے۔

میری بینا ہی شاید مانع دیدار تھی
بند جب آنکھیں ہوئیں تیرا تماشائی ہوا

اور کیا ہی پیاری بات ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمائی کہ

"خدا کی رضا کو تم کسی طرح پا ہی نہیں سکتے جب تک تم اپنی رضا کو چھوڑ کر' اپنی لذات کو چھوڑ کر' اپنی عزت کو چھوڑ کر' اپنا مال چھوڑ کر' اپنی جان چھوڑ کر اس کی راہ میں تلخی نہ اٹھاؤ لیکن اگر تم تلخی اٹھالو گے تو تم پر ہر نعمت کے دروازے کھولے جائیں گے لیکن تھوڑے ہیں جو ایسے ہیں"۔

خدا کرے کہ ہم اس نصیحت پر عمل کرنے والے ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق الٰہی

جس بابرکت وجود نے دنیا میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے محبت کی۔ وہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود تھا۔ آپ حضرت احدیت کے عشق میں اتنے سرشار رہتے تھے کہ مکہ کے لوگ کہتے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ سے عشق ہو گیا ہے۔ (عشق محمد علی ربہ) اسی عشق کی گواہی خود اللہ تعالیٰ نے دی۔ قرآن میں ہے۔ ووجدک ضالا فھدی کہ ہم نے آپ کو اپنے عشق میں گم گشتہ پایا۔ پس اپنے تک پہنچنے کی راہ دکھادی۔ اللہ تعالیٰ سے وصال کی تڑپ حضور کو آٹھوں پہر بے قرار رکھتی۔ اور یہی تڑپ آپ کو غار حرا میں لے جاتی۔ جہاں وہ اپنے رب کی مناجات میں ہفتوں لگے رہتے کھانے پینے کا کچھ تھوڑا سا سامان ساتھ لے جاتے۔ اور دن رات وہاں بیٹھ کر دعاؤں میں مصروف ہو جاتے۔ چنانچہ حضور کی محبت نے اللہ تعالیٰ کی محبت کو کھینچا۔ حضور کے قلب مطہر پر حضرت احدیت نے جلوہ گری فرمائی۔ جس کی وجہ سے تپیدہ دل کو قرار آگیا۔

لیکن اس جلوہ گری کے نتیجہ میں رب تعالیٰ کی طرف سے حضور کو ایک بہت بڑا کام سپرد کیا گیا اور وہ ساری دنیا کی ہدایت کا کام تھا یہ سچ ہے کہ عاشق ہر بوجھ کو ہلکا سمجھتا ہے اور جو کام بھی اسے اپنے محبوب کی طرف سے سپرد کیا جائے۔ اسے برضاو رغبت کرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آپ نے یہ عظیم کام اپنے ذمہ لے لیا۔ اور اس بار امانت کو خوشی خوشی اٹھالیا۔ اور اسی عشق کی بدولت اس کام کو آخری دم تک نبھایا اور کامیاب ہوئے۔

عارفین کا مقولہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس شخص سے مشکل کام کراتا ہے۔ اسے اپنی محبت کا جام پلاتا ہے تاکہ وہ مشکلات کی گھاٹیوں سے گھبرا نہ جائے اور قدم آگے ہی آگے بڑھائے اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی محبت اور عرفان کے لبالب جام حضور کو پلائے۔ اور اسی کے طفیل ساری دنیا کی ہدایت کا کام حضور پر آسان ہو گیا۔ سرکار دو عالم اللہ تعالیٰ کی صفات کے مظہر اتم بنے۔ وہی اخلاق دکھلائے جو اللہ تعالیٰ کو پسند تھے۔ ہر مصیبت میں سے گزرے مگر اف تک نہ کی۔ اپنے رب سے راضی رہے۔ حضور کا ارشاد ہے کہ سب سے زیادہ مصائب انبیاء پر آتے ہیں۔ اور

ان میں سے سب سے زیادہ مصائب مجھ پر آئے۔ دنیا والوں نے آپ کو بے حد تکالیف پہنچائیں لیکن ان کو خوشی خوشی برداشت کیا۔ ایک لفظ بھی شکوہ کا زبان پر نہ آیا۔ اور نہ اذیت دینے والوں کے لئے بد دعا کی۔ طائف والوں نے جب آپ کے پیغام کو نہ سنا اور لڑکوں اور لفنگوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا۔ وہ پتھر مارتے جاتے تھے۔ اور گالیاں بھی دیتے جاتے تھے۔ اس وقت بھی رحمت دو عالم کی زبان سے ان کے حق میں برا کلمہ نہ نکلا۔ پھر جب آپ ایک ندی کے کنارے اپنے زخموں کو صاف کر رہے تھے تو غلام زید نے کہا کہ حضورؐ ان لوگوں کے لئے آپ بد دعا کیوں نہیں کرتے۔ انہوں نے ہمیں سخت تکلیف پہنچائی ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ نہیں نہیں۔ یہ لوگ مجھے پہچانتے نہیں میں ان کی ہدایت کے لئے آیا ہوں۔ تباہی کے لئے نہیں آیا۔ ایک فرشتہ بھی اس وقت حضورؐ کے پاس آیا اور کہا اگر آپؐ چاہیں تو ہم ان طائف والوں کو غرق کر دیں۔ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ نہیں۔ اگر یہ غرق ہو گئے تو کیا ہوا۔ شاید ان کی نسل سے خدا سے عشق کرنے والے پیدا ہوں۔ یہ تھا حضورؐ کا اخلاق گرامی۔ اور یہ سب اس عشق کی وجہ سے تھا۔ جو حضور ﷺ کو اپنے رب سے تھا حسن ازل کی راہ میں ہر مصیبت کو اٹھانا ان کے لئے آسان تھا۔ بلکہ عین راحت تھی۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا سلوک بھی یہ ہوا کہ آپ کو وہ مقام عطا کیا گیا جو دنیا میں کسی کو نہ ملا۔ دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی ۔ ولسوف یعطیک ربک فترضی آپ کو مخاطب کر کے کہا گیا یہ عشق و محبت کے جلوے تھے جو مختلف شکلوں میں آپ پر ظاہر ہوئے۔ اور انہیں کی بدولت دنیا کی ہدایت کا کام آپ پر آسان ہوا۔

پھر دوسری طرف اسی عشق کا پر تو اللہ تعالیٰ کی مخلوقات پر بھی ہوا۔ جو کچھ حضورؐ کو ملا وہ سب اللہ تعالیٰ کی راہ میں لوگوں کو دے دیا۔ ان گنت دولت' منوں سونا چاندی' غلہ اور مویشی۔ غرض جو کچھ بھی ملا راہ خدا میں لٹا دیا۔ اور اپنے لئے کچھ بھی نہ رکھا۔ مہینوں گھر میں آگ نہ جلتی تھی۔ کھانے کو وہی جو کی روٹی۔ کچھ کھجور' یا جو کے ستو اور پانی یہ تھی حضورؐ کی غذا۔ بیٹھنے کو کھجور کے پتوں کی چٹائی۔ اور سونے کے لئے ایک گدا۔ یہ تھا دربار رسالتؐ کا ساز و سامان اور اس کی کل کائنات۔

عاشق کی محبت صرف اپنے محبوب سے نہیں ہوتی۔ بلکہ محبوب سے نسبت رکھنے والوں سے بھی ہوتی ہے۔ اس لئے حضورؐ نے اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے محبت کی ان کی ہدایت کے لئے

دعائیں کیں ان کی تعلیم و تربیت کے لئے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی جو کچھ بھی میسر آیا ان میں تقسیم کر دیا۔ مظلوموں کی دستگیری کی' یتیموں کی پرورش کی' غلاموں کے مولا بنے' غریبوں پر دست شفقت دراز کیا۔ غرض ہر دل میں گھر کیا۔ اور ہر صحابیؓ یہی سمجھتا تھا کہ حضورؐ کو دوسروں کی نسبت مجھ سے زیادہ محبت ہے غرض مخلوق سے جو محبت تھی وہ خدا تعالیٰ سے عشق کا پرتو تھا۔ ورنہ اصل محبت تو حضورؐ کو حضرت احدیت سے تھی۔

ایک بار حضرت عائشہؓ کسی کام کے واسطے حضورؐ کے پاس گئیں۔ حضورؐ اس وقت عبادت میں تھے۔ اور استغراق کی حالت تھی۔ حضرت عائشہؓ نے آواز دی۔ جواب نہ آیا۔ پھر آواز دی۔ تو حضورؐ نے فرمایا کون؟ کہا عائشہ! فرمایا۔ کون عائشہ۔ کہا عائشہ بنت ابوبکرؓ۔ فرمایا کون ابوبکرؓ؟ کہا ابوبکرؓ بن ابو قحافہ۔ فرمایا کون ابو قحافہ؟ جب یہ سنا تو ڈر گئیں اور چلی گئیں۔ جب ربودگی کا عالم دور ہوا۔ اور آپ گھر تشریف لائے تو حضرت عائشہ نے دریافت کیا۔ کہ حضورؐ آج کیا بات تھی۔ فرمایا عائشہ جب ہم اپنے یار حقیقی سے راز و نیاز کی منزل میں ہوتے ہیں تو اس وقت ہمیں دنیا و مافیہا کا کچھ بھی خیال نہیں آتا۔ جب کبھی ہم پر ایسی حالت طاری ہو جائے۔ اس وقت ہم سے کلام نہ کیا کرو۔ یہ تھی حضورؐ کی اپنے رب سے راز و نیاز کی داستان۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اگر دنیا میں کسی سے خالص اور حقیقی محبت کرنا جائز ہوتا تو ہم ابوبکرؓ سے ایسی محبت کرتے۔ دنیا والوں کے ساتھ تو اخوت اور برادری ہے محبت تو اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے۔ اور پھر یہ بھی ہے۔ کہ کبھی کبھی حسن اپنے عاشق کو آزماتا ہے۔ جب راز و نیاز میں دیر ہو جاتی ہے۔ ہمکلامی میں توقف ہو جاتا ہے۔ تو عاشق تڑپ اٹھتا ہے ایک موقعہ پر ایسی حالت ہوئی۔ وحی کا سلسلہ کچھ عرصہ کے لئے منقطع ہو گیا۔ تو حضورؐ نے خیال کیا کہ شاید وہ یار ازل ناراض ہو گیا ہے۔ کیونکہ بہت عرصہ سے اپنے کلام سے سرفراز نہیں فرمایا۔ آپ کی تڑپ اور بے قراری بڑھ گئی۔ سوز میں زیادتی ہوئی۔ کئی دن اور راتیں اضطراب میں گزر گئیں۔ ادھر حسن میں بھی بے تابی ہوئی۔ وحی آئی کہ اے میرے محبوب! ہمیں تیرے بیقرار دن اور راتوں کی قسم ہے کہ ہم آپ سے ناراض نہیں ہوئے۔ اور نہ آپ کو چھوڑا ہے۔ اب تو جو کچھ چاہے گا وہی کچھ ملے گا۔

والضحی والیل اذا سجی ما ودعک ربک وما قلی ولسوف یعطیک

ربک فترضی

پہنچا بلندیوں پہ وہ اپنے کمال سے
ناپید ظلمتیں ہوئیں اس کے جمال سے
حسن صفات ختم ہیں اس خوش خصال پہ
صلوت اس کی ذات پہ اور اس کی آل پہ

اللھم صلی علی محمد و علی آل محمد و بارک و سلم

علم وہدایت کا سرچشمہ قرآن کریم

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی ایک صفت یہ بیان کی ہے کہ وہ کتاب "مکنون" ہے۔ یعنی پوشیدہ کتاب ہے۔ اور اس کے مطالب تک وہی پہنچتے ہیں۔ جو پاک اور مطہر دل رکھتے ہیں لا یمسہ الا المطھرون دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں اخفاء کا پہلو ضرور ہوتا ہے کیونکہ یہاں امتحان مقصود ہے۔ دنیا بھی دار العجب ہے کچھ آشکار ہے اور کچھ مخفی ہے۔ اللہ تعالیٰ خود نہاں در نہاں ہستی ہے اس کے ملائکہ بھی نظر نہیں آتے اور نہ اس کے رسولوں پر کسی نے وحی کو اترتے دیکھا ہے اس لئے وہ بھی کسی حد محجوب ہوتے ہیں نہ جنت اور دوزخ کو کسی نے دیکھا ہے۔ یہ وجہ ہے کہ مومن کی بڑی صفت یومنون بالغیب ہے۔ اسی طرح قرآن مجید بھی اللہ تعالیٰ کا ایک پوشیدہ کلام ہے جو وحی کے ذریعہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مطہر پر اترا۔ لیکن بصیرت سے عاری دنیا ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اور اس کے کلام کا انکار کرتی چلی آئی ہے۔ دنیا پر انبیاء کی سچائی اور خدا کے کلام کی صداقت مخفی رہی ہے۔ اس صداقت کو قبول کرنے کی سعادت صرف ان لوگوں کو حاصل ہوئی جو قلب مطہر رکھتے یا جن کو بصیرت حاصل تھی۔ خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے ینظرون الیک وھم لا یبصرون اے نبی! لوگ تیری طرف دیکھتے تو ہیں لیکن تو انہیں نظر نہیں آتا یہی وجہ ہے کہ ابوجہل' ابولہب' عتبہ' شیبہ جیسے لوگوں کو سرکار دوعالم ﷺ کا وجود نظر نہ آیا۔ مگر ابوبکرؓ' عمرؓ' عثمانؓ' علیؓ' طلحہؓ' زبیرؓ وغیرہ نے پہچان لیا۔ اسی طرح مشرکین مکہ نے قرآن سے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ خدا کا کلام نہیں یہ خود بناتا ہے یا دوسرے اس کی مدد کرتے ہیں واعانہ علیہ قوم اخرون افسوس ہے کہ اندھی دنیا کو اس کلام میں کوئی خوبی کوئی ندرت نظر نہ آئی۔ اگر نظر آئے تو سراپا عیب اور نقائص۔ لہذا وہ لوگ جو استہزاء اور تمسخر میں اور بھی بڑھ گئے اور قرآن کا یہ قول پورا ہوا کہ یضل بہ کثیرا و یھدی بہ کثیرا موجودہ زمانہ میں بھی اسلام دشمن لوگوں نے قرآن پاک پر اعتراض کیے اور کہا کہ سراسر بے جوڑ' بے ربط اور بے مطلب کلام کا مجموعہ ہے۔ لیکن سنت اللہ اسی طرح پر ہے کہ اس کے

ہر کام میں پردہ ہوتا ہے۔ اگر پردہ کھل جائے تو ایمان کی کوئی قیمت نہ رہے۔ اسی لئے قرآن کریم کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں شک والی کوئی بات نہیں لیکن یہ ان لوگوں کے لئے ہدایت ہے جو متقی ہیں اور غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ پس جہاں دشمنان اسلام پر اس کتاب کا حقیقی حسن مخفی رہا وہاں اکثر مسلمانوں نے بھی اس کی حقیقی خوبیوں پر اطلاع نہیں پائی اور بعض جگہ اس کے مطالب کو سمجھنے میں دھوکہ کھایا ہے یہی وجہ ہے کہ ایک قرآن ہوتے ہوئے امت فرقوں میں بٹ گئی ہے ہر فرقہ اپنے آپ کو قرآن سے منسوب کرتا ہے لیکن ان کے درمیان جزئیات میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ قرآن تو اختلاف مٹانے آیا تھا۔ مگر اس کے پڑھنے والوں نے دھوکہ کھایا اور ملت کو بگاڑ دیا۔ ہر ایک نے اپنے ذوق کے مطابق مطالب اخذ کئے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ ایک وقت میری امت میں ایسا آئے گا کہ اسلام کا نام صرف رہ جائے گا۔ ایمان ثریا پر چلا جائے گا۔ لوگ قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گا سو یہ وہی زمانہ ہے کہ لوگ قرآن تو پڑھتے ہیں۔ اس لئے نہیں کہ اس پر عمل کریں بلکہ اس لئے کہ قرآن پڑھ کر اس کا ثواب اپنے بزرگوں اور دوستوں کو بخش دیں۔ ان کے نزدیک ثواب کمانے کا طریق صرف قرآن پڑھنا ہے۔ یا برکت کے لئے اسے چھونا یا قسم کھانے کے لئے اسے استعمال کرنا ہے اس سے زیادہ نہیں۔ قرآن مجید تو ہدایت کے لئے بھیجا گیا تھا یہ ہر خوبی کا سرچشمہ تھا اس میں انسان کی رہبری اور بھلائی کے لئے تمام ضروری باتیں تھیں۔ جسمانی اخلاقی اور روحانی ترقی کے لئے ہدایات تھیں۔ خدا تعالیٰ کا عبد بننے اور اس کا قرب حاصل کرنے کے طریق تھے مگر غافل انسان نے ان کی طرف توجہ نہ کی اور اسے مہجور چھوڑ دیا اور دنیا کی طرف متوجہ ہو گیا قیامت کے روز سرور دو عالم ﷺ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی امت کے بعض افراد کا گلہ کریں گے اور کہیں گے۔ خدایا! میں نے ان کو تیری ہدایات سنائیں۔ محبت بھرا پیغام پہنچایا۔ مگر افسوس ہے کہ انہوں نے بجائے اس کے کہ اس مژدہ جانفزا کو سن کر سر بسجود ہو جاتے اور اپنی اصلاح کر لیتے۔ تیرے قرب کی راہیں تلاش کرتے اسے مہجور چھوڑ دیا اور اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور دنیا کمانے کی طرف مشغول ہو گئے۔ ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا ذرا غور کرو کہ اس دکھ اور درد بھرے شکوہ میں سوز پنہاں ہے۔ جو ایک عقلمند اور بصیرت رکھنے والے انسان کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس دنیا میں اس لئے

تشریف لائے کہ وہ اسلام کو پھر سے زندہ کریں اور قرآن کی شریعت کو دنیا میں قائم کریں اور اسی جدوجہد میں انہوں نے ساری عمر وقف کر دی۔ ان کی جتنی کتابیں ہیں وہ قرآن کریم کی تشریح اور تفسیر ہیں قرآن کریم سے ان کو اتنا عشق تھا کہ بار بار اپنے رب کریم کو مخاطب کر کے کہا۔

دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں
قرآن کے گرد گھوموں کعبہ میرا یہی ہے

اور دنیا کو مخاطب کر کے کہا۔

یک قدم دوری ازاں روشن کتاب
نزد ما کفر است خسران و تباب

اور یہ سچ ہے کہ خدائے واحد کے کلام کے متعلق کسی گوشہ سے بھی گستاخی برداشت نہ کر سکتے تھے بلکہ فوراً اس کی تردید کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے پس قرآن کریم کی اشاعت ان کی جماعت کا اہم فریضہ ہے۔ یہی جماعت اسلام کی سربلندی اور قرآن کریم کی حکومت قائم کرنے کے لئے کھڑی ہوئی ہے۔ اگر اس کے افراد خود قرآن کریم کو نہ جانتے ہوں تو اس کی خوبیاں لوگوں میں کیسے بیان کر سکیں گے۔ اور قرآن کی حکومت کیسے قائم ہوگی۔ پس ضروری ہے کہ ہم قرآن کو پڑھیں اس کے مطالب کو سمجھیں اپنی اولادوں کو اس سے روشناس کرائیں۔ ان کے دلوں میں اس کی محبت پیدا کریں کہ یہی صراط مستقیم ہے۔ یہ نجات کا ذریعہ ہے اور یہی دینی اور دنیاوی فلاح کا باعث ہے۔ لیکن عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے کہ نوجوان نسل قرآن کریم سے ناآشنا ہے الاماشاء اللہ نمازوں کو تو کبھی کبھی پڑھ لیں گے۔ لیکن قرآن کریم کو روزانہ کھول کر پڑھنا اور اس کے مطالب پر غور کرنا ہم نے بہت کم دیکھا ہے۔ اخبار اور گندے رسالوں کو پڑھنے کے لئے ان کے پاس بہت وقت ہے لیکن وقت نہیں تو قرآن پڑھنے کے لئے دنیاوی علوم کیلئے تو ان کی عمر کا تہائی حصہ صرف ہو جاتا ہے۔ لیکن قرآن کے علم سے وہ بالکل کورے ہیں اکثر والدین بھی اسی نہج پر سوچتے ہیں کہ ان کا بچہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرے یا ڈاکٹر بنے یا انجنیئر بنے یا بہت بڑا افسر بن جائے تا کہ اس کی زندگی عیش و آرام سے گزرے لیکن اس کی روحانی زندگی جو اصل زندگی ہے کی طرف بہت کم ہی توجہ ہوتی ہے۔ جہاں اس قسم کی بے اعتنائی ہو وہاں نئی نسل کا خدا حافظ ہے۔ مولانا روم کی مشہور حکایت ہے کہ

ایک نحوی کشتی میں سوار ہوا اور ملاح سے پوچھنے لگا کیا تو نے نحو کا علم پڑھا ہے اس نے کہا نہیں۔ نحوی نے کہا تو نے آدھی عمر گنوادی۔ کچھ دیر بعد دریا میں طوفان آگیا۔ اور کشتی ڈانواں ڈول ہونے لگی۔ ملاح نے نحوی سے پوچھا تیرنا جانتے ہو۔ اس نے کہا نہیں۔ ملاح نے کہا۔ تو نے ساری عمر گنوادی۔

عام طور پر لوگ اس نحوی کی طرح فنی علوم میں پڑے رہتے ہیں۔ لیکن جو اصل علم ہے زندگی بسر کرنے کا علم۔ اسے حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے حالانکہ اس کے بغیر دریائے زندگی عبور کرنا ناممکنات میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر یہی علم سکھانے کے لئے آتے رہے ہیں اور سب سے آخر میں ہمارے آقانبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور انہوں نے اس علم کو مکمل اور اکمل طور پر پیش کیا۔ ساری آسمانی کتابیں زندگی کی کتابیں تھیں۔ اور قرآن کریم تو زندگی کی آخری اور جامع کتاب ہے اور اس میں زندگی بسر کرنے کا مکمل علم درج ہے لیکن ایسا نادان انسان فنی علوم کو جاننے کے لئے تو ساری عمر صرف کردیتا ہے پر زندگی گزارنے کے علم کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ پس ہماری جماعت کو قرآن کریم کی طرف خاص توجہ کی ضرورت ہے اور اسی میں ہماری حیات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو شفاء لما فی الصدور کہا ہے جس طرح شہد جسمانی بیماریوں کے لئے شفا ہے۔ اسی طرح قرآن روحانی بیماریوں کے لئے شفا ہے لیکن اس بے رغبتی کی وجہ سے معاشرہ میں طرح طرح کی بیماریاں رونما ہوگئی ہیں جنہوں نے ملک اور قوم کو تباہ کردیا ہے اگر ہم قرآن کریم کی طرف توجہ نہ کریں گے اور اس کے مطابق اپنی زندگی نہ گزاریں گے تو خدا تعالیٰ اپنے فیصلہ کے مطابق ایک اور قوم لے آئے گا جو قرآنی حکومت کو قائم کرنے والی ہوگی اور اسلام کو دوسرے ادیان پر غالب کرے گی۔..... خلیفہ وقت کی طرف سے قرآن کریم پڑھنے اور پڑھانے کی جو تحریکات ہوئی ہیں وہ اس سلسلہ کی کڑی ہیں۔ حضور کی تمنا ہے کہ کوئی احمدی ایسا نہ ہو جو قرآن کے مطالب نہ جانتا ہو۔ اور یہ کہ جماعت کا ہر فرد قرآن کی صداقت دنیا میں پھیلانے کے لئے اپنے آپ کو تیار کرے۔ اور خود قرآن کی عملی تصویر نظر آئے جیسا کہ حضرت مصلح موعودؓ نے فرمایا:۔

حسن کردار سے قرآن مجسم ہو جا
تجھے ابلیس بھی دیکھے تو مسلماں ہو جائے

علم وہدایت کا سرچشمہ قرآن کریم

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی ایک صفت یہ بیان کی ہے کہ وہ کتاب "مکنون" ہے۔ یعنی پوشیدہ کتاب ہے اور اس کے مطلب تک وہی پہنچتے ہیں جو پاک اور مطہر دل رکھتے ہیں۔ لا یمسہ الا المطہرون دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں اخفاء کا پہلو ضرور ہوتا ہے کیونکہ یہاں امتحان مقصود ہے۔ دنیا بھی دار العجب ہے کچھ آشکار ہے اور کچھ مخفی ہے۔ اللہ تعالیٰ خود نہاں در نہاں ہستی ہے اس کے ملائکہ بھی نظر نہیں آتے اور نہ اس کے رسولوں پر کسی نے وحی کو اترتے دیکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مومن کی بڑی صفت یومنون بالغیب ہے۔ اسی طرح قرآن مجید بھی اللہ تعالیٰ کا ایک پوشیدہ کلام ہے۔ جو وحی کے ذریعے سے نبی کریم ﷺ کے قلب مطہر پر اترا۔ لیکن بصیرت سے عاری دنیا ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اور اس کے کلام کا انکار کرتی چلی آئی ہے۔ دنیا پر انبیاء کی سچائی اور خدا کے کلام کی صداقت مخفی رہی ہے۔ اس صداقت کو قبول کرنے کی سعادت صرف ان لوگوں کو حاصل ہوئی جو قلب مطہر رکھتے یا جن کو بصیرت حاصل تھی۔ خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ ینظرون الیک ولا ھم یبصرون اے نبی لوگ تیری طرف دیکھتے تو ہیں لیکن تو انہیں نظر نہیں آتا۔ یہی وجہ ہے کہ ابوجہل، ابولہب، عتبہ، شیبہ جیسے لوگوں کو سرکار دو عالم کا وجود نظر نہ آیا مگر ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ، طلحہ رضی اللہ عنہ، زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ نے پہچان لیا۔ اسی طرح مشرکین مکہ نے قرآن سے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ خدا کا کلام نہیں یہ خود بناتا ہے یا دوسرے اس کی مدد کرتے ہیں۔ قوم اخرون کے اندھوں کو اس کلام میں کوئی ندرت نظر نہ آئی۔ اگر نظر آئے تو سراپا عیب اور نقائص لہٰذا وہ لوگ استہزاء اور تمسخر میں اور بھی بڑھ گئے اور قرآن کا یہ قول پورا ہوا کہ یضل بہ کثیرا و یھدی بہ کثیرا موجودہ زمانہ میں بھی اسلام دشمن لوگوں نے قرآن پاک پر اعتراض کئے اور کہا کہ سراسر بے جوڑ بے ربط اور بے مطلب کلام کا مجموعہ ہے۔ لیکن سنت اللہ اسی طرح ہے کہ اس کے ہر کام میں پردہ ہوتا ہے۔ اگر پردہ کھل جائے تو ایمان کی کوئی قیمت نہ

رہے۔ اسی لئے قرآن کریم کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں شک والی کوئی بات نہیں لیکن یہ ان لوگوں کے لئے ہدایت ہے جو متقی ہیں اور غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ پس جہاں دشمنان اسلام پر اس کتاب کا حقیقی حسن مخفی رہا وہاں اکثر مسلمانوں نے بھی اس کی حقیقی خوبیوں پر اطلاع نہیں پائی اور بعض جگہ اس کے مطالب کو سمجھنے میں دھوکہ کھایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک قرآن ہوتے ہوئے امت فرقوں میں بٹ گئی ہے۔ ہر فرقہ اپنے آپ کو قرآن سے منسوب کرتا ہے لیکن ان کے درمیان جزئیات میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ قرآن تو اختلاف مٹانے آیا تھا مگر اس کے پڑھنے والوں نے دھوکہ کھایا اور ملت کو بگاڑ دیا۔ ہر ایک نے اپنے ذوق کے مطابق مطالب اخذ کئے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ ایک وقت میری امت میں ایسا آئے گا کہ اسلام کا نام صرف رہ جائے گا۔ ایمان ثریا پر چلا جائے گا۔ لوگ قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گا۔ سو یہ وہی زمانہ ہے کہ لوگ قرآن تو پڑھتے ہیں۔ اس لئے نہیں کہ اس پر عمل کریں بلکہ اس لئے کہ قرآن پڑھ کر اس کا ثواب اپنے بزرگوں اور دوستوں کو بخش دیں۔ ان کے نزدیک ثواب کمانے کا طریق صرف قرآن پڑھنا ہے یا برکت کے لئے اسے چھونا یا قسم کھانے کے لئے اسے استعمال کرنا ہے اس سے زیادہ نہیں۔ قرآن مجید تو ہدایت کے لئے بھیجا گیا تھا۔ یہ ہر خوبی کا سرچشمہ تھا۔ اس میں انسان کی رہبری اور بھلائی کے لئے تمام ضروری باتیں تھیں۔ جسمانی اخلاق اور روحانی ترقی کے لئے ہدایات تھیں۔ خدا تعالیٰ کا عبد بننے اور اس کا قرب حاصل کرنے کے طریق تھے مگر غافل انسان نے ان کی طرف توجہ نہ کی اور اسے مہجور چھوڑ دیا اور دنیا کی طرف متوجہ ہو گیا۔ قیامت کے روز سرور دو عالم ﷺ اللہ تعالیٰ کے حضور ﷺ اپنی امت کے بعض افراد کا گلہ کریں گے اور کہیں گے خدایا میں نے ان کو تیری ہدایات سنائیں۔ محبت بھرا پیغام پہنچایا مگر افسوس ہے کہ انہوں نے بجائے اس کے کہ وہ ممنون ہوتے' بجائے اس کے کہ اس مژدہ جانفزا کو سن کر سربسجود ہو جاتے اور اپنی اصلاح کر لیتے' تیرے قرب کی راہیں تلاش کرتے' اسے مہجور چھوڑ دیا اور اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور دنیا کمانے کی طرف مشغول ہو گئے۔ ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا ذرا غور کرو کہ اس دکھ اور درد بھرے شکوہ میں سوز پنہاں ہے جو ایک عقلمند اور بصیرت رکھنے والے انسان کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس دنیا میں اس لئے تشریف لائے کہ وہ اسلام کو پھر سے زندہ کریں اور قرآن کی شریعت کو دنیا میں قائم کریں اور اسی جدوجہد میں انہوں نے ساری عمر صرف کر دی۔ ان کی جتنی کتابیں ہیں وہ قرآن کریم کی تشریح اور تفسیر میں ہیں۔ قرآن کریم سے ان کو اتنا عشق تھا کہ بارہا اپنے رب کریم کو مخاطب کر کے کہا۔

دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں
قرآن کے گرد گھوموں کعبہ میرا یہی ہے

اور دنیا کو مخاطب کر کے کہا۔

یکدم دوری ازاں روشن کتاب
نزد ما کفر است خسران و تباب

اور یہ سچ ہے کہ خدائے واحد کے کلام کے متعلق کسی گوشہ سے بھی گستاخی برداشت نہ کر سکتے تھے بلکہ فوراً اس کی تردید کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔ پس قرآن کریم کی اشاعت ان کی جماعت کا اہم فریضہ ہے۔ یہی جماعت ہی اسلام کی سربلندی اور قرآن کریم کی حکومت قائم کرنے کے لئے کھڑی ہوئی ہے۔ اگر اس کے افراد خود قرآن کریم کو نہ جانتے ہوں تو اس کی خوبیاں لوگوں میں کیسے بیان کر سکیں گے اور قرآن کی حکومت کیسے قائم ہوگی۔ پس ضروری ہے کہ ہم قرآن پڑھیں۔ اس کے مطالب کو سمجھیں اور اپنی اولادوں کو اس سے روشناس کرائیں۔ ان کے دلوں میں اس کی محبت پیدا کریں کہ یہی صراط مستقیم ہے۔ یہی نجات کا ذریعہ ہے اور یہی دینی اور دنیاوی فلاح کا باعث ہے۔

لیکن عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے کہ نوجوان نسل قرآن کریم سے ناآشنا ہے۔ الا ماشاء اللہ نماز تو کبھی کبھی پڑھ لیں گے لیکن قرآن کریم کو روزانہ کھول کر پڑھنا اور اس کے مطالب پر غور کرنا ہم نے بہت کم دیکھا ہے۔ اخبار اور گندے رسالوں کو پڑھنے کے لئے ان کے پاس بہت وقت ہے لیکن وقت نہیں تو قرآن پڑھنے اور سیکھنے کے لئے نہیں۔ دنیاوی علم پڑھنے کے لئے تو ان کی عمر کا تہائی حصہ صرف ہو جاتا ہے لیکن قرآن کے علم سے وہ بالکل کورے ہیں۔ اکثر والدین بھی اسی نہج پر سوچتے ہیں کہ ان کا بچہ اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے ڈاکٹر بنے یا انجینئر بنے یا بہت بڑا افسر

بن جائے تاکہ اس کی زندگی عیش و آرام سے گزرے لیکن اس کی روحانی زندگی جو اصل زندگی ہے کی طرف بہت ہی کم توجہ ہوتی ہے۔ جہاں اس قسم کی بے اعتنائی ہو وہاں نئی نسل کا خدا حافظ ہے۔

مولانا روم کی مشہور حکایت ہے کہ ایک نحوی کشتی میں سوار ہوا اور ملاح سے پوچھنے لگا کیا تو نے نحو کا علم پڑھا ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ نحوی نے کہا تو نے آدھی عمر گنوادی۔ کچھ دیر بعد دریا میں طوفان آگیا اور کشتی ڈانواں ڈول ہونے لگی۔ ملاح نے نحوی سے پوچھا تیرنا جانتے ہو۔ اس نے کہا نہیں۔ ملاح نے کہا تو نے ساری عمر گنوادی۔...... عام طور پر لوگ اس نحوی کی طرح فنی علوم میں پڑے رہتے ہیں لیکن جو اصل علم ہے زندگی بسر کرنے کا علم اسے حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے حالانکہ اس کے بغیر دریائے زندگی عبور کرنا ناممکنات میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر یہی علم سکھانے کے لئے آتے رہے ہیں اور سب سے آخر پر ہمارے آقا نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور انہوں نے اس علم کو مکمل اور اکمل طور پر پیش کیا۔ ساری آسمانی کتابیں زندگی کی کتابیں تھیں اور قرآن کریم تو زندگی کی آخری اور جامع کتاب ہے اور اس میں زندگی بسر کرنے کا مکمل علم درج ہے۔ لیکن نادان انسان فنی علوم کو جاننے کے لئے تو ساری عمر صرف کر دیتا ہے۔ پر زندگی گزارنے کے علم کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ پس ہماری جماعت کو قرآن کریم کی طرف خاص توجہ کی ضرورت ہے اور اسی میں ہماری حیات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو شفاء لما فی الصدور کہا ہے جس طرح شہد جسمانی بیماریوں کے لئے شفا ہے۔ اسی طرح قرآن روحانی بیماریوں کے لئے شفا ہے لیکن اس سے بے رغبتی کی وجہ سے معاشرہ میں طرح طرح کی بیماریاں رونما ہو گئی ہیں جنہوں نے ملک اور قوم کو تباہ کر دیا ہے اگر ہم قرآن کریم کی طرف توجہ نہ کریں گے اور اس کے مطابق اپنی زندگی نہ گزاریں گے تو خدا تعالیٰ اپنے فیصلہ کے مطابق ایک اور قوم لے آئے گا جو قرآنی حکومت کو قائم کرنے والی ہوگی اور اسلام کو دوسرے ادیان پر غالب کرے گی...... خلیفہ وقت کی طرف سے قرآن کریم پڑھنے اور پڑھانے کی جو تحریکات ہوئی ہیں وہ اس سلسلہ کی کڑی ہیں۔ حضور کی تمنا ہے کہ کوئی احمدی ایسا نہ ہو جو قرآن کے مطالب نہ جانتا ہو اور یہ کہ جماعت کا ہر فرد قرآن کی صداقت کو دنیا میں پھیلانے کے لئے اپنے آپ کو تیار نہ کرے اور خود قرآن کی عملی تصویر نظر آئے جیسا کہ حضرت مصلح

موعودؓ نے فرمایا۔

حسن کردار سے قرآن مجسم ہو جا
تجھے ابلیس بھی دیکھے تو مسلماں ہو جائے

خدا تعالیٰ ایسا ہی کرے۔

قرآن خدا نما ہے خدا کا کلام ہے
بے اس کے معرفت کا چمن ناتمام ہے

دنیا دارلحجب ہے۔ اللہ تعالیٰ خود نہاں در نہاں ہستی ہے اس کے ملائکہ بھی نظر نہیں آتے اور نہ اسکے رسولوں پر کسی نے وحی کو اترتے دیکھا ہے۔ اس لئے یہ بھی ایک حد تک محجوب ہوتے ہیں۔ نہ جنت اور نہ دوزخ کو کسی نے دیکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مومن صفت یومنون بالغیب ہے۔ قرآن کریم بھی وحی کے ذریعہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مطہر پر اترا۔ لیکن بصیرت سے عاری دنیا ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اور اس کے کلام کا انکار کرتی آئی ہے۔ دنیا پر انبیاء کی سچائی اور خدا کے کلام کی صداقت مخفی رہی ہے اس صداقت کو قبول کرنے کی سعادت صرف ان لوگوں کو حاصل ہوئی جو قلب مطہر رکھتے تھے یا جن کو بصیرت حاصل تھی۔ خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ تنظرون الیک وھم لا یبصرون (الاعراف: ع 24) کہ اے نبی لوگ تیری طرف دیکھتے تو ہیں مگر تو ان کو نظر نہیں آتا۔ یہی وجہ ہے کہ ابوجہل' ابولہب' عتبہ' شیبہ کی قسم کے لوگوں کو سرکار دوعالمؐ کا وجود نظر نہ آیا۔ مگر ابوبکرؓ' عمرؓ' عثمانؓ' علیؓ' طلحہؓ' زبیرؓ وغیرہ نے پہچان لیا۔ اسی طرح مشرکین مکہ نے قرآن سے انکار کیا اور کہا کہ یہ خدا کا کلام نہیں یہ خود بناتا ہے یا دوسرے لوگ اس کی مدد کرتے ہیں۔ واعانہ علیہ قوم اخرون (الفرقان) افسوس ہے کہ اندھی دنیا کو اس کلام میں کوئی خوبی' کوئی قدرت نظر نہ آئی۔ اگر نظر آئی تو سراپا استہزاء اور تمسخر میں اور بھی بڑھ گئے اور قرآن کا یہ قول بھی پورا ہوا یضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیرا (البقرہ: ع 3) لیکن سنت اللہ یہی ہے کہ اس کا ہر کلام پردہ میں ہوتا ہے۔ اگر پردہ کھل جائے تو ایمان کی کوئی قیمت نہ رہے۔ اسی لئے فرمایا کہ انہ القرآن کریم فی کتاب مکنون لا یمسہ الا المطھرون (الواقعہ: ع 3) کہ یہ قرآن پوشیدہ کتاب ہے اور اس کے مطالب تک وہی پہنچتے ہیں جو قلب مطہر رکھتے ہیں۔ پس جہاں دشمنان

اسلام پر اس کا حسن مخفی رہا وہاں اکثر مسلمانوں نے بھی اس کی خوبیوں پر اطلاع نہیں پائی اور بعض لوگوں نے مطالب سمجھنے میں دھوکا کھایا ہے۔ قرآن مجید کو ہدایت کے لئے بھیجا گیا تھا۔ یہ ہر خوبی کا سرچشمہ تھا۔ اس میں انسان کی رہبری اور بھلائی کے لئے تمام ضروری باتیں تھیں۔ جسمانی اخلاقی اور روحانی ترقی کے لئے ہدایات تھیں۔ خدا تعالیٰ کا عبد بننے اور اس کا قرب حاصل کرنے کے طریق تھے مگر غافل انسان نے اس طرف توجہ نہ کی اور اسے مہجور چھوڑ دیا۔ اور دنیا کی طرف متوجہ ہو گیا۔ قیامت کے روز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے حضور ﷺ اپنی امت کے بعض افراد کا گلہ کریں گے اور کہیں گے خدایا میں نے ان کو تیری ہدایات سنائیں۔ محبت بھرا پیغام پہنچایا مگر افسوس ہے انہوں نے بجائے اس کے کہ ممنون ہوتے۔ بجائے اس کے کہ وہ اس مژدہ جانفزا کو سن کر سر بسجود ہو جاتے اور اپنی اصلاح کر لیتے اور تیرے قرب کی راہیں تلاش کرتے اسے مہجور چھوڑ دیا اور اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور دنیا کمانے کی طرف مشغول ہو گئے وقال الرسول یارب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا (الفرقان) ذرا غور کرو کہ اس دکھ اور درد بھرے شکوہ میں کتنا سوز پنہاں ہے جو ایک عقلمند اور بصیرت رکھنے والے انسان کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے۔

پھر یہ بھی یاد رکھو کہ قرآن کریم انسان کے لئے ضابطہ حیات ہے۔ اس میں زندگی بسر کرنے کے لئے مکمل ہدایات ہیں۔ یہ غیر متبدل ہیں اور ان میں کبھی ترمیم کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ ان پر عمل کر کے انسان آسودہ اور امن کی زندگی بسر کر سکتا ہے۔ ان سے ہٹ کر اگر انسان تمدنی زندگی کے قوانین بنائے گا تو اس میں نقص ہوں گے کیونکہ انسان سراسر خیر نہیں۔ خیر اور شر کا مجموعہ ہے۔ اپنی کامیابی کا رستہ خود متعین نہیں کر سکتا۔ جس نے اسے بنایا ہے وہی اس کی فطرت سے واقف ہے اور وہی اس کا راستہ متعین کرے گا۔ قوانین بنانے والا ہی اس کی صحیح کارکردگی کے طریقے بتلائے گا ورنہ مشین صحیح کام نہ دے گی۔ یہی وجہ ہے کہ انسان نے قرآنی تعلیمات سے ہٹ کر جو قوانین اپنے لئے بنائے ہیں وہ سب ناکام ہیں اور الحاد پر منتج ہوتے ہیں۔ ہر وقت ان میں ترمیمات بھی ہوتی رہتی ہیں لیکن بے سود۔ دنیا اب تباہی کے کنارے کھڑی ہے اور اگر معاملہ یونہی رہا تو تباہی یقینی نظر آتی ہے۔ اللہ رحم فرمائے۔

پھر قرآن کریم میں صرف ہدایات نہیں اس نے ان ہدایات کی حکمتیں بھی بیان کر دی ہیں۔

کوئی حکم بغیر حکمت کے نہیں دیا' چاہے اس کی سمجھ میں آئے یا نہ۔ اگر انسان ان پر عمل کرے گا اور ان کے مطابق زندگی گزارے گا تو اسے دنیا و آخرت میں حیات طیبہ ملے گی اور وہ خدا تعالیٰ کے سامنے سرخرو ہو کر اس کے فرمانبردار بندوں میں شامل کر دیا جائے گا۔ غرض قرآن انسان کی ورلی زندگی میں پوری پوری رہنمائی کرتا ہے اور ہر شعبہ ہائے زندگی کے متعلق ہدایات دیتا ہے۔

تمدن ہو' معاشرت' معیشت' اخلاقیات اور عبادات ہوں سب کے متعلق ہدایات ہیں۔ روز مرہ کی زندگی کے متعلق قرآن کہتا ہے کہ چال دھیمی رکھو' اکڑ کر نہ چلو' زبان سے اچھی بات کہو' جھوٹ نہ بولو' جھوٹی گواہی نہ دو' غیبت نہ کرو' تہمت نہ لگاؤ' عیب چینی نہ کرو' برے نام سے نہ پکارو' بد ظنی نہ کرو' ایک دوسرے پر سلام کہو' درگزر کرو' غصہ نہ کرو' احسان کرو بلکہ ایثار سے کام لو' مخلوق کی خدمت کرو' پھر لین دین کے متعلق کہتا ہے کہ دھوکہ نہ دو' کم نہ تولو' چوری نہ کرو' بد عہدی نہ کرو' سودے پر سودا نہ کرو' کسی کا حق نہ مارو' ظلم نہ کرو' سود نہ لو' پھر شادی اور طلاق کے متعلق ہدایات ہیں۔ دیندار عورت سے شادی کرو' بیوی سے احسان کا سلوک کرو' اسے مہمان عزیز سمجھو' اگر جدائی ضروری ہو تو احسان کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ پھر والدین کے حقوق بتائے کہ ان کی عزت اور خدمت کرو' درشت کلامی نہ کرو۔ پھر بچوں' رشتہ داروں اور ہمسایوں کے متعلق کہا کہ ان کے حقوق کو نگاہ رکھو۔ دل آزاری نہ کرو۔ وراثت کے قوانین بتائے کہ مرنے والے کا ترکہ اتنا اتنا حقداروں کو ملے۔ پھر آجر اور مزدور کے متعلق ہدایات کہ دونوں ایک دوسرے کے حقوق کی نگہداشت کریں حاکم اور محکوم کے متعلق ہدایات کہ حاکم منصف اور عادل ہو اور رعایا حاکم وقت کی اطاعت گزار ہو۔ اسی طرح خدا نے کہا کہ خدا کے حقوق پوری طرح ادا کئے جائیں۔ عبادت اس کے لئے خاص ہو۔ راہبانہ زندگی سے روک دیا۔ خالق کی یاد ہر وقت دل میں رہے اور ذکر الٰہی عام مشغلہ اور دعا انسان کا اوڑھنا بچھونا رہے۔

غرض زندگی کا کوئی ایک پہلو بھی ایسا نہیں کہ قرآن کریم نے واضح ہدایات نہ دی ہوں۔ بتاؤ کہ ایسی حسین تعلیم کا مقابلہ کوئی اور مذہب یا کتاب کر سکتی ہے۔ نہیں اور ہرگز نہیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ قرآن کریم حکمتوں اور معارف کا جامع ہے۔ اس میں ایسے علوم بھرے ہوئے ہیں جو ہر زمانہ میں ضرورت کے مطابق کھلتے جائیں گے اور خلقت اس سے فائدہ اٹھائے گی۔ اسی لئے قرآنی آیات پر تدبر کا حکم ہے۔ نیز قرآن روحانی بیماریوں کے لئے شفا ہے۔ فرمایا فیہ شفاء

للناس (نحل: ع 9) اس کی روزانہ تلاوت نفس کا تزکیہ کر کے روح کو تازگی بخشتی ہے۔
خوش الحان قاری سے قرآن سنتا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے فرشتے اس کی حمد گا رہے ہیں روح وجد میں آجاتی ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی آیات اب نازل ہو رہی ہیں۔ حضرت سالمؓ خوش الحان قاری تھے۔ حضورؐ ان سے قرآن سن کر آبدیدہ ہو جایا کرتے تھے اور ان کے حق میں بہت دعا کیا کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی بھی لحن داؤدی رکھتے تھے۔ جب قرآن پڑھتے تو سننے والے وجد میں آجاتے ایک انگریز ڈی۔سی نے ان سے قرآن سننے کی خواہش ظاہر کی تو اس کی یہ خواہش پوری کر دی گئی وہ سنتا رہا اور سر دھنتا رہا۔
حقیقت یہ ہے کہ قرآن بندے کے نام اس کے رب محسن کا ایک خط ہے جو اس کی ہدایت اور کامیاب زندگی کے لئے آیا ہے۔ جب کسی کے پاس اس کے محسن' دوست' عزیز اور رشتہ دار کا خط آجاتا ہے تو وہ اسے غور سے پڑھتا ہے اور مطلب سمجھتا ہے اور اگر وہ خود نہ پڑھ سکتا ہو تو دوسروں سے پڑھواتا ہے اور اس وقت تک اسے چین نہیں آتا جب تک کہ وہ اس کا مطلب نہ سمجھ لے۔ بندے کے نام اس کے رب کا خط آیا ہو اور وہ اس سے بے رغبت ہو' اس کی طرف توجہ نہ کرے نہ پڑھے نہ سمجھنے کی کوشش کرے حالانکہ وہ اس کی بھلائی کے لئے ہو تو اس کی محرومی اور بدقسمتی پر جتنا ماتم کیا جائے کم ہے۔
یاد رکھو کہ یہی قرآن ہے جو ہر مسلمان کے ایمان کا مصدق یا مکذب ہے۔ اگر چاہتے ہو کہ قرآن تمہارے خلاف گواہی نہ دے تو اس کو وہی مرتبہ دو جو اس کا حق ہے اور اس پر پورا پورا عمل کرو اور قرآنی سانچہ میں ڈھل جاؤ اور تمہارا معاملہ "قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن" والا بن جائے۔ حضرت اقدس بانی سلسلہ کو تو قرآن سے عشق تھا اور اسے کعبہ سمجھتے تھے۔ فرماتے ہیں:۔

دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں
قرآں کے گرد گھوموں کعبہ مرا یہی ہے

اور پھر اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

اے عزیزو سنو کہ بے قرآں
حق کو پاتا نہیں کبھی انساں

جس کو اس نور کی خبر ہی نہیں
اس پہ اس یار کی نظر ہی نہیں

پس یاد رکھو کہ جماعت احمدیہ اس لئے کھڑی کی گئی ہے کہ وہ دنیا میں قرآن کی عظمت کو قائم کرے قرآن کی حکومت کو دلوں پر بٹھائے اور خود قرآنی تعلیمات پر عمل کر کے اپنے اندر اتنی کشش پیدا کرے کہ نوع انسانی اسلام کی طرف خود بخود کھچی چلی آئے۔

حسن کردار سے قرآن مجسم ہو جا
کہ تجھے ابلیس بھی دیکھے تو مسلمان ہو جائے

(مصلح موعود)

قرآن کریم اور ہمارے فرائض

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی ایک صفت یہ بیان کی ہے کہ وہ "کتاب مکنون" ہے ایک پوشیدہ کتاب ہے۔ اور اس کے مطالب تک وہی پہنچتے ہیں۔ جو پاک اور مطہر دل رکھتے ہیں لا یمسہ الا المطھرون دیکھا جائے۔ تو اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں اخفاء کا پہلو ضرور ہوتا ہے۔ کیونکہ یہاں امتحان مقصود ہے۔ دنیا دار الحجب ہے۔ کچھ آشکار ہے۔ اور کچھ مخفی ہے۔ اللہ تعالیٰ خود نہاں در نہاں ہستی ہے اس کے ملائکہ بھی نظر نہیں آتے۔ نہ اس کے رسولوں پر کسی نے وحی کو اترتے دیکھا ہے۔ اس لئے وہ بھی ایک حد تک محجوب ہوتے ہیں۔ نہ جنت نہ دوزخ کو کسی نے دیکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مومن کی بڑی صفت یومنون بالغیب ہے۔ اسی طرح قرآن کریم بھی اللہ تعالیٰ کا ایک پوشیدہ کلام ہے جو وحی کے ذریعہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مطہر پر اترا۔ لیکن بصیرت سے عاری دنیا ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اور اس کے کلام کا انکار کرتی آئی ہے۔ دنیا پر انبیاء کی سچائی اور خدا کے کلام کی صداقت مخفی رہی ہے اس صداقت کو قبول کرنے کی سعادت صرف ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو قلب مطہر رکھتے تھے یا جن کو بصیرت حاصل تھی۔ خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ۔

"ینظرون الیک وھم لا یبصرون" کہ اے نبی لوگ تیری طرف تو ہیں مگر انہیں نظر نہیں آتا۔ یہی وجہ ہے کہ ابوجہل، ابولہب، عتبہ، شیبہ کے قبیل کے لوگوں کو سرور دو عالم ﷺ کا وجود نظر نہ آیا۔ مگر ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ وغیرہ نے پہچان لیا۔ اسی طرح مشرکین مکہ نے قرآن سے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ یہ خدا کا کلام نہیں۔ یہ خود بناتا ہے یا دوسرے لوگ اس کی مدد کرتے ہیں واعانہ علیہ قوم اخرون افسوس ہے کہ اندھی دنیا کو اس کلام میں کوئی خوبی کوئی قدرت نظر نہ آئی اگر نظر آئی تو سراپا عیب اور نقائص۔ لہٰذا وہ لوگ استہزاء اور تمسخر میں اور بھی بڑھ گئے اور قرآن کا یہ قول پورا ہے کہ یضل بہ کثیرا و یھدی بہ کثیرا موجودہ زمانہ میں بھی اسلام دشمن لوگوں نے قرآن پاک پر اعتراضات کئے سوامی دیانند کی ستیارتھ

پرکاش کو دیکھو۔ اس کے چوتھے ادھیائے میں اس نے اتنے لچر اور لوچ اعتراضات کئے ہیں جن کو پڑھ کر ایک مسلمان کا خون کھولنے لگ جاتا ہے۔ الحمد کی الف سے والناس کی س تک اسے عیب ہی عیب نظر آئے اور وہ لکھتا ہے کہ یہ سراسر بے جوڑ' بے ربط اور بے مطلب کلام کا مجموعہ ہے۔

لیکن سنت اللہ اسی طرح پر ہے کہ اس کے ہر کام میں پردہ ہوتا ہے۔ اگر پردہ کھل جائے تو ایمان کی کوئی قیمت نہ رہے۔ اسی لئے قرآن کریم کے متعلق اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں شک والی کوئی بات نہیں مگر یہ ان لوگوں کے لئے ہدایت ہے جو متقی ہیں اور غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ پس جہاں دشمنان اسلام پر اس کتاب کا حقیقی حسن مخفی رہا۔ وہاں اکثر مسلمانوں نے بھی اس کی حقیقی خوبیوں پر اطلاع نہیں پائی۔ اور بعض جگہ اس کے مطالب کو سمجھنے میں دھوکہ کھایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک قرآن ہوتے ہوئے امت فرقوں میں بٹ گئی ہے ہر فرقہ اپنے آپ کو قرآن سے منسوب کرتا ہے۔ لیکن ان کے درمیان جزئیات میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ قرآن تو اختلاف مٹانے آیا تھا۔ مگر اس کے پڑھنے والوں نے دھوکا کھایا اور ملت کو بگاڑ دیا۔ ہر ایک نے اپنے ذوق کے مطابق مطالب اخذ کئے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ایک وقت میری امت پر ایسا آئے گا کہ اسلام کا صرف نام رہ جائے گا ایمان ثریا پر چلا جائے گا لوگ قرآن پڑھیں گے مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گا سو یہ وہی زمانہ ہے۔ کہ لوگ قرآن تو پڑھتے ہیں۔ اس لئے نہیں کہ اس پر عمل کریں بلکہ اس لئے کہ قرآن پڑھ کر اس کے ثواب بزرگوں کو بخش دیں ان کے نزدیک ثواب کمانے کا طریق قرآن پڑھنا ہے۔ یا برکت حاصل کرنے کے لئے اسے چھونا یا اس کے نیچے سے گزرنا۔ یا قسم کھانے کے لئے استعمال کرنا ہے۔ اس سے زیادہ نہیں قرآن مجید تو ہدایت کے لئے بھیجا گیا تھا۔ یہ ہر خوبی کا سرچشمہ تھا اس میں انسان کی رہبری اور بھلائی کے لئے تمام ضروری باتیں تھیں۔ جسمانی اخلاقی روحانی ترقی کے لئے ہدایات تھیں۔ خدا تعالٰی کا عبد بننے اور اس کا قرب حاصل کرنے کے طریق تھے مگر غافل انسان نے ان کی طرف توجہ نہ کی اور اسے مہجور چھوڑ دیا اور دنیا کی طرف متوجہ ہو گیا۔ قیامت کے روز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالٰی کے حضور اپنی امت کے بعض افراد کا گلہ کریں گے اور کہیں گے۔ خدایا میں نے ان کو تیری ہدایات سنائیں محبت بھرا پیغام پہنچایا مگر افسوس ہے

کہ انہوں نے بجائے اس کے کہ وہ ممنون ہوتے بجائے اس کے کہ اس مژدہ جانفزا کو سن کر سربسجود ہو جاتے اور اپنی اصلاح کر لیتے اور قرب کی راہیں تلاش کرتے۔ اسے مہجور چھوڑ دیا۔ اور اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور دنیا کمانے کی طرف مشغول ہو گئے ان قومی اتخذوا هذا القران مهجورا ذرا غور کرو کہ اس دکھ اور درد بھرے شکوہ میں کتنا سوز پنہاں ہے جو ایک عقلمند اور بصیرت رکھنے والے انسان کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے۔ (خدا کرے۔ کہ ہم اس شکوہ کی ذیل میں نہ آئیں۔ آمین)

قرآن کریم کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ وہ بہتوں کے لئے ہدایت کا موجب ہے اور بہتوں کے لئے گمراہی کا موجب بھی ہے۔ یضل به کثیرا و یهدی به کثیرا۔ یعنی ہر شخص اپنی مخفی صلاحیتوں کے مطابق اس سے اثر لے گا۔ اگر بری صلاحیت ہے تو برائی میں بڑھ جائے گا اور اگر اچھی صلاحیت رکھتا ہے تو وہ اچھائی میں بڑھ جائے گا۔ اس کی مثال یوں سمجھ میں آسکتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے متعلق قرآن پاک کے متعدد مقامات میں واضح ذکر موجود ہے۔ مگر مسلمان حیات مسیح کے قائل ہیں توفی کے معنی لغت عربی میں موت کے سوائے اور کچھ نہیں۔ مگر یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں توفی کے یہ معنے نہ کریں گے اسی طرح خاتم النبیین کے معنی ہر قسم کی نبوت کو بند کرنے کے کریں گے۔ حالانکہ کہیں بھی خاتم کے معنی بند کرنا نہیں۔ عربی لغت میں اس کے معنی دیکھ لو۔ مگر یہ لوگ اپنی ضد پر قائم ہیں خاتم المحدثین۔ خاتم الشعراء۔ خاتم الاولیاء وغیرہ کے معنی بند کرنے والا نہ کریں گے مگر جب خاتم النبیین ہو تو فوراً اپنا نقطہ نگاہ بدل لیں گے۔ اور اس کے مقابل کس بات کو اہمیت نہ دیں گے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس دنیا میں اس لئے آئے کہ وہ اسلام کو زندہ کریں اور شریعت کو قائم کریں۔ لہذا ان کا مشن قرآن پاک کی تعلیم کو پھیلانا ہے۔ اور یہی فرض جماعت کا ہونا چاہئے۔ حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں کہ۔

"اگر تم میرے ساتھ تعلق پیدا کرتے ہو تو میرے اغراض و مقاصد کو بھی پورا کرو۔

ایک اور جگہ فرمایا کہ

"جو میرے اغراض و مقاصد کو پورا کرے گا۔ قیامت میں میرے ساتھ ہوگا"۔

پس یہی کام حضرت مسیح موعود اور ان کے خلفاء کا ہے۔ حضرت مسیح موعود کی جتنی کتابیں ہیں۔ وہ قرآن کی تفسیر اور تشریح ہیں۔ حضور کو رسول پاک ﷺ سے جو عشق اور لگاؤ تھا۔اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی ساری زندگی قرآن کریم کی صداقتوں کی اشاعت میں گزر گئی اور کہا۔

دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں
قرآں کے گرد گھوموں کعبہ میرا یہی ہے

اور دنیا کو مخاطب کر کے کہا۔

کہ یک قدم دوری ازاں روشن کتاب
نزد ما کفر است خسراں و تباب

اور یہ سچ ہے کہ اپنے محبوب رب العالمین کے کلام کے متعلق کسی گونہ کی گستاخی برداشت نہ کر سکتے تھے بلکہ فوراً اس کی تردید کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔ حضرت خلیفہ اول کو بھی قرآن سے خاص لگاؤ تھا۔ ان کی عمر بھی قرآن پڑھتے اور پڑھاتے گزر گئی۔ عمر کے آخری ایام میں جب آپ سخت بیمار تھے تب بھی قرآن کا پڑھنا نہ چھوڑا۔

محبت سے بھری ہوئی یاد خدا کا نام نماز ہے

(مسیح موعودؑ)

انسان کا مقصد حیات تو اللہ تعالیٰ کی تلاش اور اس کی بندگی ہے۔ دنیا کی کل نعمتیں اس کے لئے ہیں۔ لیکن وہ صرف خدا کے لئے ہے دنیا سے اس کا تعلق صرف اس قدر ہے کہ وہ اس سے اپنی ضروریات پوری کرے اور اپنے آپ کو خدا کی معرفت حاصل کرنے اور اس کے حکموں پر چلنے کے قابل بنائے۔ بندے کا خدا تعالیٰ پر ایمان ایک عہد ہے کہ تیرے سوا میرا کوئی معبود، مسجود اور مطلوب نہیں میں تیری مناجات کروں گا اور تجھے ہی قبلہ حاجات بناؤں گا۔ اللہ تعالیٰ بھی بندے سے فرماتا ہے کہ اگر تم مجھے یاد کرو گے تو میں بھی تجھے یاد کروں گا فاذکرونی اذکرکم لہٰذا سب سے عمدہ صورت اس کی یاد کی تو نماز ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ محبت سے بھری ہوئی یاد خدا کا نام نماز ہے۔ اس میں تمام آداب نیازمندی آجاتے ہیں۔ یہ خدا تک لے جانے والی گاڑی ہے اگر سواری نہ ہو تو وہاں پہنچے گا کیسے؟ آخر خدا تک پہنچنا بھی تو ایک منزل ہے اور اس تک رسائی اتنی سہل نہیں۔

صد ہزاراں فرسخے در کوئے یار
دشت پر خار و بلائش صد ہزار
ہست دیں تخم فنا را کاشتن
از سر ہستی قدم برداشتن

نماز مومن کا معراج ہے۔ اسی کے ذریعہ سے اسے عروج ملتا ہے لاہوتی سے ملکوتی بن جاتا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو نفس امارہ کی گرفت میں آجاتا ہے اور گرتے گرتے اسفل السافلین میں پہنچ جاتا ہے۔ پس نماز کی سب حالتوں سے زیادہ خدا کو سجدہ بہت پیارا ہے۔ اسی وجہ سے اس نے اسے دو دفعہ رکھ دیا ہے۔ سجدہ کی حالت ہی میں انسان خدا سے زیادہ قریب ہو جاتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ

جب قرب مل جائے تو انسان اپنی باتیں بھی آسانی سے منا سکتا ہے اور قرب کی وجہ سے اس کی پذیرائی بھی ہو جاتی ہے۔ پس سب عبادتوں کا خلاصہ تو نماز ہے۔ اگر نماز نہیں تو عبادت بھی نہیں۔ نماز تو خدا کا حق ہے۔ جو بندے کے ذمہ ہے۔ اگر وہ یہ حق ادا نہیں کرتا تو اس کی اطاعت سے نکل جانے والا ہے' باغی ہے۔ یاد رکھئے کہ نماز دوسری عبادتوں کی طرح مشروط نہیں یہ غیر مشروط ہے اسے ہر حالت میں ادا کرنا ہے۔ صحت ہو' بیماری ہو' سفر ہو حضر ہو' اس میں چھوٹ نہیں۔ اس کے لئے تو قرآن پاک میں تین سو بار تاکیدی احکام آئے ہیں۔ اگر پھر بھی بندہ نماز کو چھوڑ دیتا ہے تو وہ سزا اور عتاب کا مستحق ہے۔ قرآن مجید میں لکھا ہے کہ جنتی دوزخیوں سے پوچھیں گے کہ تم کو کیا چیز دوزخ میں لے گئی۔ وہ کہیں گے کہ ہم نماز ادا نہیں کیا کرتے تھے۔ اور یہی چیز ہمیں دوزخ کا مستحق بنا گئی۔ پھر یہ بھی آیا ہے کہ نماز کا ترک کر دینا بندہ کو کافر بنا دیتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ نماز میں پکے رہو جو مسلمان ہو کر نماز ادا نہیں کرتا وہ بے ایمان ہے۔ انسان تو یہی چاہتا ہے کہ اس کا ایمان سلامت رہے اور اس کا انجام بخیر ہو۔ لیکن جو نماز نہیں پڑھتا اس کا خاتمہ ایمان پر کیسے ہو گا۔ پس یہ کتنا نقصان عظیم ہے جو وہ اٹھاتا ہے۔ اس کی زندگی جو فرصت عمل تھی اکارت گئی۔ اس سے بہتر تھا کہ وہ پیدا ہی نہ ہوتا۔

غرض جس کا نفس نماز پڑھنے کی تکلیف برداشت نہیں کرتا وہ شیطان کے قبضہ میں ہے۔ استحوذ علیھم الشیطان فانساھم ذکراللہ اور جو شیطان کے قبضہ میں ہو اسے ہدایت کا راستہ کیسے مل سکتا ہے۔ وہ تو اسے ہلاکت تک پہنچائے گا۔ وہ گم گشتہ راہ ہے پس اپنا محاسبہ کرو اور دیکھو کہ نماز ہم پر بھاری تو نہیں اگر بھاری ہے تو سمجھ لو کہ شیطان ہم پر غالب آ گیا ہے۔ اس کا فکر کرو۔ ورنہ بیماری بڑھتے بڑھتے خدا سے دور لے جائے گی۔ پس ایسی حالت پیدا کرنے کی کوشش کرو کہ اگر ایک نماز بھی چلی جائے تو تمہیں اتنا افسوس ہو کہ ہم سے ایک ناقابل معافی جرم سرزد ہو گیا ہے اور تمہیں کسی پہلو بھی قرار نہ آئے۔ ندامت اور شرمندگی طاری رہے اگر یہ حالت پیدا نہیں ہوتی تو سمجھ لینا چاہیے کہ تمہارا نفس مسلمان نہیں۔ رومی نے سچ کہا ہے۔۔

زندگی بے بندگی شرمندگی

پس اللہ تعالیٰ کی جنت تو مشکلات سے گھری ہوئی ہے۔ اس میں داخلہ آسان نہیں۔ بے حد

مشکل ہے۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ پل صراط سے گزر کر وہاں جانا پڑتا ہے جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے مطلب اس کا یہ ہے کہ جب تک نفس کا اونٹ مجاہدات سے پتلا ہو کر سوئی کے ناکے سے نہ گزر جائے جنت میں داخلہ ممکن نہیں۔ جنت کے دروازے تو اللہ تعالیٰ نے تنگ بنائے ہیں۔ اس میں وہی داخل ہو سکتا ہے جو اپنے نفس کو مجاہدات سے باریک کرے اور ہر قسم کی میل کچیل سے پاک ہو جائے پس دل کی پاکیزگی کے لئے مجاہدات کی ضرورت ہے اور جسمانی مجاہدہ کی صورت تو نماز میں رکھی ہے ہر روز کم از کم پانچ وقت کا مجاہدہ۔ اگر اتنا مجاہدہ بھی اس پر گراں ہے تو اسے سمجھ لینا چاہئے کہ اس کے نفس کا تزکیہ ممکن نہیں۔ پھر اس کے تزکیہ کے لئے خدا تعالیٰ کوئی اور صورت کرے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ دنیا میں دو قسم کی تکالیف ہوتی ہیں۔ ایک تکالیف شرعیہ ہیں اور دوسری تکالیف سماویہ۔ تکالیف شرعیہ تو نماز، روزہ اور حج ہیں کہ ان کے لئے انسان خود تکالیف اٹھاتا ہے۔ نماز کے لئے پانچ وقت مسجد جاتا ہے، کام چھوڑتا ہے، وضو کرتا ہے، روزہ کی صورت میں سارا دن بھوکا رہتا ہے۔ نفس پر جبر کرتا ہے اور حج کے لئے سفر کی صعوبتیں اٹھاتا ہے وغیرہ۔ چونکہ انسان تعبد ابدی کے لئے پیدا کیا گیا ہے اس لئے یہ عبد بنے گا۔ چاہے تکالیف شرعیہ اٹھا کر عبد بن جائے۔ چاہے تکالیف سماویہ برداشت کر کے عبد بنے۔ لیکن یاد رکھو کہ تکالیف سماویہ بہت سخت ہوتی ہے۔ جب آسمان سے پڑتی ہیں تو انسان کی کمر توڑ دیتی ہیں۔ کبھی تو یہ بیماری کے رنگ میں آتی ہیں کہ انسان کو عاجز اور لاغر کر دیتی ہیں نہ زندوں میں اور نہ مردوں میں۔ کبھی یہ اتلاف جان کی صورت میں کہ عزیز و اقارب میں سے کسی کی اچانک اور بے وقت موت۔ کبھی مقدمہ بازی اور رسوائی کے رنگ میں کہ مال بھی برباد اور عزت بھی برباد اور کبھی مالی نقصان کی صورت میں کہ انسان پیسے پیسے کا محتاج ہو جائے۔ پس یہ تکالیف انسان کو خدا کی طرف رجوع کرنے کے لئے آتی ہیں۔ پھر وہ خدا کو پہچانتا اور اس کی طرف رخ کرتا ہے اور اپنے گزشتہ گناہوں کی معافی مانگتا ہے۔ اور یہ تکالیف اس کے لئے کفارہ کا کام دیتی ہیں۔ لیکن یاد رکھو کہ تکالیف سماویہ بہت ہی کڑی ہوتی ہیں اور انسان ان کو برداشت نہیں کر سکتا۔ لیکن مجبوراً ان سے گزرنا پڑتا ہے پس تکالیف شرعیہ خوشی سے برداشت کر لو کہ اسی میں بھلائی ہے اسی میں خیر ہے۔ بیل جو خود بخود چلتا ہے اس کا مالک اس سے پیار کرتا ہے۔ اس کی خبر گیری کرتا ہے اور جو خود بخود نہیں چلتا اس پر ڈنڈے پڑتے ہیں اگر پھر بھی سیدھا

نہ ہو تو قصاب کے حوالے کر دیا جاتا ہے یہ حال فرمانبردار اور بے فرمان بندے کا ہے۔
پس نماز چٹی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے ملنے اور اس سے انعامات حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔
وہ پانچ وقت اپنے دربار میں بلاتا ہے کہ میری طرف آؤ فلاح کے لئے آؤ۔ میں رحمت کے خزانے لٹانے لگا ہوں۔ آؤ جھولیاں بھر لو۔ کریم جب بلاتا ہے تو انتظار بھی کرتا ہے دروازہ بھی کھولتا ہے۔ اور جھولیاں بھی بھر دیتا ہے بدنصیب ہے وہ شخص جو اس کی طرف نہیں جاتا۔ بلکہ اپنے نفس کے آرام کو مقدم رکھتا ہے۔ اس کی محرومی قابل ماتم ہے اللہ تعالیٰ پر ایمان تو اس بات کا متقاضی ہے کہ وہ اس سے محبت کرے گا۔ اس کے حکموں پر چلے گا کیونکہ اطاعت اور عبادت بغیر محبت کے بے معنی چیز ہے۔ پس محبت کی علامت تو بندگی اور نیاز ہے۔ اگر نیاز اور بندگی نہیں تو ایمان بھی نہیں۔ نیاز بندگی کا دوسرا نام نماز ہے۔ پس محبت ہو تو سب تکالیف آسان ہیں بلکہ لذت اور سرور کا باعث بنتی ہیں۔

از محبت تلخ از شیریں شود

محبوب کے حکم کی بجا آواری تو اصل دین و ایمان ہے محبوب اگر پانچ بار اپنے دربار میں ملاقات کے لئے بلاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ اگر دس بار باریابی کا موقع ملے تو میں حاضر ہوں۔ اور یہ صحیح ہے کہ اگر خدا مل جائے تو انسان کو اور کیا چاہئے۔ "یہ دولت لینے کے لائق ہے اگر جان دینے سے ملے اور یہ لعل خریدنے کے لائق ہے اگر تمام وجود کھونے سے ملے۔" اگر رکوع، سجود اور قیام سے خدا مل جاتا ہے تو اس سے سستا سودا اور کیا ہو سکتا ہے۔ غرض حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت سے پہلے خدا سے پیار کرنے والوں کو بہت سے مجاہدات سے گزرنا پڑتا تھا اور برسوں چلے کاٹنے پڑتے تھے تب جا کر خدا ملتا تھا لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ماننے والوں کے لئے تو اللہ تعالیٰ قریب آ گیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں تمہارے قریب ہوں۔ تقویٰ اختیار کرو۔ تھوڑی سی کوشش کرو اور مجھے پالو۔ تارک الدنیا ہونے کی ضرورت نہیں جنگلوں میں دشت لوردی کی ضرورت نہیں صرف اخلاص کی ضرورت ہے۔ دنیا کو ترک کرنے کی ضرورت نہیں صرف دین کو مقدم کر لو اس کی راہ میں اپنے مال بھی دو اور اپنا سر نیاز جھکا دو تو وہ ملے گا اور تم کو ابرار و اخیار میں شامل کر دے گا۔ اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ملنے والوں کو صحابہ کا درجہ دیا گیا۔
حضرت مصلح موعودؓ نے فرمایا ہے۔۔۔

لے جائے در پہ یار کے وہ بال و پر کہاں
دیکھے جمال یار وہ ایسی نظر کہاں
سجدہ کا حکم دے کے مجھے تاجور کیا
میری جبیں کہاں ہے تیرا سنگ در کہاں

لیکن اس بات کو بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ نماز تو باجماعت نماز ادا کرنے کا نام ہے علیحدہ نماز کسی شرعی عذر کے بغیر نماز نہیں ایسا نمازی تارک الصلوۃ ہے۔ پس مسجدوں میں جاکر نماز با جماعت ادا کرو تا مسجدیں بھی تمہاری حاضری کی شہادت دیں کہ تم خدا کے سچے عبد تھے۔ وہ سجدہ گاہیں بھی شہادت دیں کہ تمہیں اس کی تلاش تھی........ آنے جانے والے راستے بھی گواہی دیں کہ تم خدا کی آواز سن کر۔ تمام دنیاوی کام چھوڑ کر خدا کے گھر کی طرف جاتے تھے اور اس کی حاضری دیتے تھے خدا کو وہ قدم بھی پیارے ہیں جو تم اس کی راہ میں اٹھاتے تھے وہ سجدے بھی عزیز ہیں جو اس کے لئے گزارتے تھے۔ وہ قیام بھی عزیز ہیں جو اس کے دربار میں جاکر دست بستہ کھڑے ہوتے تھے وہ قدر دان ہے شکور علیم ہے اور بڑھ چڑھ کر بدلہ دینے والا ہے وہ بندہ نواز ہے اور نوازنا اس کا کام ہے اس کی رحمت بے حساب ہے۔ اور اس کے انعامات بھی بے حساب ہیں وہ اس اخلاص کو دیکھ کر بندے کی تمام لغزشوں اور گناہوں کو معاف کر دیتا ہے اور پھر تا کر شرمندہ بھی نہیں کرتا بلکہ وہ اتنا کریم ہے کہ سابقہ سیات کو حسنات سے بدل دیتا ہے اور ان کو نیکیاں شمار کر لیتا ہے۔ بتاؤ کہ ایسے کریم سے منہ موڑنا اور اس کو بھول جانا کہاں کی دانشمندی ہے۔ پس خوشی سے تکالیف شرعیہ برداشت کر لو تاکہ تم سے تکالیف سماویہ اٹھ جائیں کیونکہ جب خدا کی معیت مل جائے تو تکالیف کا نزول کیسے ہو سکتا ہے۔ ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون اور اگر کسی قسم کی آزمائش مقدر بھی ہو تو وہ بلاء حسنا بنا دے۔ خدا کرے کہ ہم اس کے آستانہ پر ہمیشہ سر بسجود رہیں۔ آمین۔

نماز اور اس کی اہمیت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:۔

"نماز خدا کا حق ہے اسے خوب ادا کرو۔ صدق و وفا کا خیال رکھو۔ اگر گھر غارت ہوتا ہے تو ہونے دو۔ نماز ترک نہ کرو"۔

یہ صحیح ہے کہ نماز خدا کا حق ہے اور ایک مسلمان کو خدا کا یہ حق ہر حالت میں ادا کرنا چاہئے اور جو یہ حق ادا نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ اس کی اطاعت سے نکل جاتا ہے۔ یہ حق معاف نہیں ہوگا اور نہ اس کی عدم ادائگی میں کوئی عذر قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ اس میں جتنی ممکن آسانیاں تھیں وہ فراہم کر دی گئی ہیں۔ اب تو اس حکم کو بہر صورت بجالانا ہی ہوگا۔

حکم ہے کہ اگر تم کھڑے ہو کر نماز ادا نہیں کر سکتے تو بیٹھ کر ادا کرو۔ بیٹھ کر ادا کرنا مشکل ہے تو لیٹ کر ادا کرو۔ سخت کمزوری ہے تو اشارہ سے پڑھو۔ پانی نہ ہو تو تیمم کر لو۔ کپڑے ناپاک ہیں تو کوئی حرج نہیں انہیں سے پڑھ لو۔ نماز ترک نہ کرو۔ دوسرے وقت میں کپڑوں کو پاک کر لو۔ اگر سفر میں ہو تو قصر کر لو۔ ضرورت پڑے تو ظہر اور عصر کو ملا لو۔ مغرب اور عشاء کو بھی جمع کر سکتے ہو۔ سفر در پیش ہے تو ریل یا لاری میں ہی پڑھ لو۔ سواری نہ ٹھہر سکے یا پانی نہ مل سکے تو تیمم ہی کر لو۔ اگر دشمن کے خوف کی وجہ سے بھاگنے کی نوبت آجائے تو بھاگتے ہوئے پڑھ لو۔ غرضیکہ غرغرہ (موت) کی حالت سے پہلے جیسا بھی ممکن ہو اس فرض کو ادا کرو۔ اس میں ہرگز کوتاہی نہ ہو۔ کیونکہ اس میں کوئی قضا نہیں۔ یاد رکھنا چاہئے کہ نماز صرف مجنون پر فرض نہیں۔ باقی سب حالتوں میں صحت ہو یا بیماری نماز فرض ہے اور اس کا ادا کرنا لازمی ہے۔

دیکھئے! اللہ تعالیٰ نے ادائگی نماز میں کتنی سہولتیں دے رکھی ہیں۔ کیا ان آسانیوں کے علاوہ کسی اور چھوٹ کی بھی گنجائش ہے۔ اگر ان رعایات کے باوجود ایک مسلمان نماز ادا نہیں کرتا اور اس میں سستی کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نماز پڑھنا ہی نہیں چاہتا۔ ورنہ اس کی ادائگی میں کونسی مشکل باقی رہ جاتی ہے۔ اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا نہیں۔ اور

نہ اسے یوم آخرت پر ایمان ہے۔ حالانکہ ایمان کی بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ بعث بعد الموت پر یقین رکھے اور جزاء و سزا کو حق جانے۔ اگر وہ اس عقیدہ پر یقین نہیں رکھتا تو وہ مسلمان نہیں۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری امت میں سے عمداً ترک صلوٰۃ کرتا ہے وہ کافر ہے۔

ایک جماعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا کہ ہم مسلمان ہونے کو تیار ہیں لیکن ہمیں نماز سے مستثنیٰ کیا جائے۔ کیونکہ ہم کاروباری آدمی ہیں نماز کے لئے وقت نہیں نکال سکتے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جس مذہب میں نماز نہیں وہ کوئی مذہب نہیں۔ جاؤ خدا تعالیٰ کو ایسے ایمان لانے والوں کی کوئی ضرورت نہیں۔

ارشادِ نبویؐ ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا۔ اگر یہ حساب ٹھیک رہا تو دوسرے اعمال کی طرف اللہ تعالیٰ توجہ فرمائے گا ورنہ نہیں۔

فرض کرو ایک شخص ہزاروں یا لاکھوں روپیہ خدا کی راہ میں روزانہ خرچ کرتا رہا ہو اور دوسرے نیک کام بھی کرتا رہا ہو مگر نماز کا تارک ہو یا اس سے غفلت کرنے والا ہو تو اس کے دوسرے اعمال کو بھی کوئی وقعت نہ دی جائے گی۔ انسان ذرا غور کرے تو اسے سمجھ آسکتی ہے۔ یہ بات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل بجا فرمائی ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھ میں آسکتی ہے کہ اگر کسی طالب علم نے اپنے امتحانی پرچہ میں پہلے اور لازمی سوال عمدگی سے اور صحیح صحیح حل کئے ہوں تو ممتحن اس سے یہ نتیجہ نکال لیتا ہے کہ یہ لڑکا قابل ہے۔ وہ اسی تصور کے زیر اثر دوسرے جوابات کو بھی صحیح سمجھتے ہوئے سرسری طور پر دیکھتا جاتا ہے اور زیادہ سے زیادہ نمبر دیتا چلا جاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر کسی قابل لڑکے نے لازمی سوال ہی غلط کر دیئے ہوں یا اس میں کم عقلی کا مظاہرہ کیا ہو تو ممتحن یہ سمجھتا ہے کہ یہ لڑکا نالائق ہے۔ اور اسی تاثر کے پیش نظر اس کے دوسرے جوابات کو گو وہ صحیح بھی ہوں کاٹتا چلا جاتا ہے یا معمولی نمبر دے دیتا ہے۔

اسی اصل کے ماتحت انسان کو غور کرنا چاہئے کہ اس کا معاملہ نمازوں کے متعلق کیا ہے۔ اگر وہ سستی کر رہا ہے تو اسے چاہئے کہ سستی دور کرے کیونکہ اس معاملہ میں اس کی طرف سے کوئی عذر قبول نہیں کیا جائے گا۔

قرآن کریم میں سب سے زیادہ تاکید نماز کے لئے ہی آئی ہے۔ قیامت کے روز جنتی لوگ

دوزخیوں سے دریافت کریں گے کہ بتاؤ تمہیں کونسی چیز دوزخ میں لے گئی۔ ماسلککم فی سقر۔ قالوا لم نک من المصلین..... وکنا نکذب بیوم الدین وہ کہیں گے کہ ہم دنیا میں نماز ادا نہ کیا کرتے تھے اور نہ جزاء سزا کے دن کو سچا سمجھتے تھے اس لئے دوزخ میں ڈالے گئے۔ گویا نمازوں کا ادا نہ کرنا ایک مسلمان کو دوزخ کا مستحق بنا دیتا ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ جو لوگ بادشاہت کی وجہ سے نماز ادا نہ کرتے ہوں گے ان کو فرعون کے ساتھ کھڑا کر دیا جائے گا۔ یعنی ان کا حشر نشر فرعون کے ساتھ ہوگا۔ جو حکومتی کاموں کی وجہ سے سست ہونگے ان کو ہامان کی صف میں۔ جو دولت کی فراوانی کی وجہ سے غافل رہے ہوں گے ان کو قارون کی صف میں اور جو تجارت اور کاروبار کی وجہ سے سستی کرتے ہوں گے ان کو ابی بن خلف کی صف میں کھڑا کر دیا جائے گا اور ان کا معاملہ ان لوگوں جیسا ہوگا۔ گویا خدا تعالیٰ کے حق کو ادا نہ کرنے کی وجہ سے انسان قیامت کے دن ذلت اٹھائے گا۔

سچی بات تو یہ ہے کہ اگر انسان اپنے مالک کو نہیں پہچانتا اور اس کے آگے سجدہ نہیں کرتا تو یہ سخت کفران نعمت ہے۔ کتا بھی اپنے مالک کو پہچانتا ہے۔ جب مالک گھر آئے تو دوڑ کر اس کے قدموں میں جا لوٹتا ہے۔ گویا اس کو سجدہ کرنا چاہتا ہے۔ اگر انسان اپنے رب کو نہ پہچانے اور اس کے آگے پانچ وقت اپنی جبین نیاز نہ جھکائے' تو وہ اشرف المخلوقات کہلانے کا مستحق نہیں۔ یہ اس کی کتنی بدقسمتی ہے کہ وہ عبد ہو کر نافرمانوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ اور اپنا شرف کھو بیٹھتا ہے۔ دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کے بندہ پر اتنے احسانات ہیں کہ وہ ان کو گن بھی نہیں سکتا۔ ان احسانات کا تقاضا تو یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اس کے آگے سربسجود رہے اور اگر نماز میں غفلت کرتا ہے تو یاد رکھے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے کوئی فعل نہیں بچا سکے گا۔ اور اگر یہ نہیں تو زندگی محض شرمندگی ہے مولانا رومؒ نے سچ کہا ہے۔

زندگی ۔ ہے ۔ بندگی ۔ شرمندگی

نماز اور اس کی اہمیت

قرآن مجید میں سب سے زیادہ تاکید جس امر کے متعلق ہے وہ نماز کی ادائیگی ہے۔ یہ ایسا فریضہ انسان کے ذمہ ہے جسے اس نے ہر حالت میں ادا کرنا ہے۔ چاہے صحت ہو۔ یا بیماری۔ سفر ہو یا حضر۔ جنگ ہو یا امن۔ غرض اس میں قضا نہیں بعض دوسرے فرائض مشروط ہیں۔ مثلاً روزہ ہے۔ اگر صحت خراب ہو تو روزہ ملتوی کیا جاسکتا ہے۔ سرمایہ نہ ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں اور نہ حج فرض ہے۔ لیکن نماز کا ہر حالت میں ہر وقت ادا کرنا ضروری ہے۔ اس میں کسی قسم کا عذر قبول نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ اس میں امکان بھر سہولتیں میسر کردی گئی ہیں۔ اب اگر کوئی شخص باوجود ان رعایات کے یا ان تاکیدی احکامات کے نماز ادا نہیں کرتا تو وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچ نہیں سکتا۔ یہ بات اس مثال سے بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے کہ فرض کریں آپ اپنے کسی نوکر یا لڑکے کو کہیں بھیجتے ہیں اور اس کے ذمہ چند کام لگاتے ہیں اور اسے آپ نے ہر ممکن سہولت بھی فراہم کردی ہے۔ مثلاً ٹھہرنے کے لئے جگہ۔ آنے جانے کے لئے سواری معقول زاد راہ اور دیگر آسانیاں۔ اور اسے ہدایت کی جاتی ہے کہ تم نے تمام کام سرانجام دینے ہیں اور ان میں سے ایک کام کے لئے اسے بار بار تاکید کردی جاتی ہے کہ یہ کام ہر حالت میں کرکے آنا ہے۔ چاہے دوسرے کام اگر کسی جائز عذر کی وجہ سے نہ ہوسکیں تو مضائقہ نہیں۔ اسے ضرور کرنا ہے۔ اور وہ کام اس کی طاقت کے اندر بھی ہو۔ اور جب وہ واپس آئے اور آپ سے آکر کہے۔ کہ حضور! اور کام تو میں کچھ نہ کرتا رہا ہوں مگر وہ کام جس کے متعلق بہت تاکید کی گئی تھی۔ سستی اور غفلت کی وجہ سے نہیں کرسکا تو آپ ہی بتلائیں۔ کہ آپ اس سے کیا معاملہ کریں کیا آپ اسے معاف کردیں گے۔ نہیں! بلکہ اسے نافرمانی کی قرار واقعی سزا دیں گے یہی حال اللہ تعالیٰ اور اس بندہ کا ہے جو نماز کو ترک کردیتا ہے یا بے پرواہی کرتا ہے۔ ایسا بندہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچ نہ سکے گا۔ پھر جو حشر اس کے ساتھ ہوگا۔ اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ الا ماشاء اللہ۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی عذر قبول نہ کیا جائے گا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حشر کے دن بیماری کا عذر کرنے والے کے سامنے حضرت ایوب کو پیش کیا جائے گا۔ اور کہا

جائے گا۔ کہ وہ باوجود سخت بیماری کے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہے ہیں۔ جو کثرت اولاد کا عذر کرے گا اس کے سامنے حضرت یعقوبؑ کو پیش کیا جائے گا۔ اور جو حکومت کا عذر کرے گا اس کے سامنے حضرت سلیمانؑ اور حضرت داؤدؑ کو پیش کیا جائے گا اور اگر ظلم و تشدد کا عذر ہو گا۔ تو حضرت آسیہ (فرعون کی بیوی) کو پیش کیا جائے گا کہ یہ بھی آخر ایک جابر اور ظالم شخص کے ظلم سہتی رہتی ہے۔ مگر عبادت سے غافل نہیں رہی۔ آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ نماز کی عدم ادائیگی کی وجہ سے کتنی ذلت اور رسوائی اٹھانا پڑے گی اور کتنا وہ خوفناک منظر ہو گا۔ جب اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائیں گے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہی اصل جہنم ہے اور اگر کوئی اور سزا نہ بھی ملے تو بھی مالک حقیقی کی خفگی ہی دوزخ سے کم نہیں۔ اگر وہ حشر کے دن منہ پھیر لے۔ ناراض ہو جائے۔ تو کیا یہ عذاب سے کم ہے۔ (العیاذ باللہ)

جب مومن اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے تو اس کی یہ شان نہیں کہ وہ اپنے رب کی بات کو نہ مانے یا اس کی ناراضگی والے کام کرے یا اس کے حکموں کو معمولی معمولی نفسانی آرام پر ٹال دے۔ کسی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ کو کونسا عمل زیادہ پسند ہے۔ فرمایا۔ کہ نماز کا بروقت پڑھنا۔ ماں باپ سے حسن سلوک کرنا۔ اور خدا کی راہ میں جہاد کرنا۔ پس سب سے زیادہ پسندیدہ عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک نماز کا بروقت ادا کرنا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ وہ اپنے بندہ کو سجدہ میں پڑا ہوا دیکھے۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص زکوۃ سے ہاتھ اٹھا لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے مال کی حفاظت سے ہاتھ اٹھا لیتا ہے جو صدقہ سے ہاتھ اٹھا لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی عافیت سے ہاتھ اٹھا لیتا ہے جو نماز سے ہاتھ اٹھا لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے حسن انجام سے ہاتھ اٹھا لیتا ہے یعنی اس کو ایمان کی موت نصیب نہ ہوگی۔ ظاہر ہے کہ مومن کی سب سے بڑی خواہش یہی ہوتی ہے کہ وہ دنیا سے ایمان سلامت لے جائے۔ اور اگر ایمان کی موت نصیب نہ ہو تو اس کی ہلاکت میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ پس نماز کو ترک کر دینے والے کا خاتمہ ایمان پر نہ ہو گا۔

دراصل دیکھا جائے تو نماز چٹی نہیں بلکہ یہ تو بندہ کو رب سے ملانے کا ایک ذریعہ ہے اس سے تو بندہ اپنے رب کے قریب ہو جاتا ہے اور اس سے اپنا تعلق قائم کر لیتا ہے وہ اس لئے دنیا میں آیا ہے۔ وہ اپنا تعلق اپنے پیدا کرنے والے سے قائم کرے اور اسے سب پر ترجیح دیوے۔ نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ نماز مومن کی معراج ہے اس سے اس کا تزکیہ نفس ہوتا ہے اور اس سے وہ روحانی مدارج طے کرتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ نماز اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والی گاڑی ہے اگر نماز ترک کرو گے۔ تو خدا تعالیٰ تک کیسے پہنچو گے سواری کے بغیر انسان منزل مقصود تک کیسے پہنچ سکتا ہے۔

سوچنا چاہیے کہ نماز اصل میں ہے کیا؟ یہی کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اقرار اور اپنے عجز کا اظہار۔ نماز میں ہر مقام پر دعا کے مواقع ہیں۔ اگر وہ ان مواقع سے فائدہ نہیں اٹھاتا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی عاجزی کا اظہار کر کے دعا نہیں کرتا تو اس کی بدقسمتی میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ دنیا میں دو بڑی عزتیں ہیں۔ ایک یہ کہ بادشاہ اس سے کلام کرے۔ دوسری یہ کہ بادشاہ اس کی عرض معروض کو سنے۔ یہ دونوں باتیں بندہ کو نماز میں حاصل ہیں۔ پس اس سے زیادہ خوش قسمتی اور کیا ہو سکتی ہے۔ کہ بندہ اپنی حاجات بادشاہ حقیقی کے سامنے بیان کرتا ہے اور وہ انہیں سن کر قبول کرتا ہے۔ اور یہی راز و نیاز کا سلسلہ بندہ اپنے رب سے نماز اور نوافل کے ذریعہ سے قائم کر لیتا ہے۔ یاد رکھو کہ اس محسن حقیقی سے انسان کا تعلق تو اطاعت اور محبت کا ہے۔ اگر یہ نہیں تو پھر زندگی کیا ہے۔ ؎

زندگی کچھ بھی نہیں تیری محبت کے بغیر
اور بے روح محبت ہے اطاعت کے بغیر

نماز باجماعت
اللہ تعالیٰ کی معرفت کا ذریعہ

نماز کا حکم قرآن مجید میں واقیموا الصلوٰۃ کے الفاظ میں آیا ہے۔ یعنی نماز قائم کرو۔ اس سے مراد نماز باجماعت ہے چنانچہ نماز باجماعت سے پہلے تکبیر اقامت کہتے ہوئے قد قامت الصلوٰۃ کے الفاظ سے بھی یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی یہی تشریح فرمائی ہے۔ اور اپنے عمل سے بتلا دیا ہے کہ نماز صرف جماعت ہی سے قائم ہو سکتی ہے۔ اکیلے طور پر نماز تو بعض شرعی مجبوریوں کی وجہ سے استثنیٰ ہے۔ مثلاً بیماری سفر بارش طوفان وغیرہ۔ نماز باجماعت کی اہمیت کو حضور ﷺ کی یہ حدیث واضح کر دیتی ہے کہ ایک موقعہ پر حضور ﷺ نے فرمایا۔ جو لوگ مسجد میں آکر نماز میں شامل نہیں ہوتے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ نماز کی امامت کسی اور کے سپرد کروں اور میں جا کر ان کے گھروں کو آگ لگا دوں۔ خیال کیجئے کہ حضور ﷺ کے اس ارشاد میں کتنے رنج و غصہ کا اظہار ہے۔ حالانکہ حضور ﷺ رحمۃ للعالمین تھے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کو یہ بات سخت ناگوار تھی کہ کوئی شخص مسجد میں آکر نماز ادا نہ کرے۔

دوسری جگہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک نابینا صحابیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں ضعیف ہو گیا ہوں۔ اور آنکھوں سے بھی نابینا ہوں۔ لوگوں نے اپنے گھروں کی دیواروں میں پتھر اور کنکر لگا رکھے ہیں میں نماز کی خاطر مسجد کی طرف آتا ہوں تو ان کی وجہ سے گر پڑتا ہوں۔ اور میرے پاؤں زخمی ہو جاتے ہیں۔ حضور ﷺ مجھے اجازت مرحمت فرمائیں کہ میں نماز گھر پر پڑھ لیا کروں۔ حضور نے اس سے دریافت فرمایا کہ کیا اذان کی آواز تمہارے کان تک پہنچتی ہے اس نے جواب دیا۔ حضور ﷺ اذان تو سنتا ہوں۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا۔ چاہے کچھ بھی ہو۔ نماز مسجد میں ہی آکر ادا کرو تمہاری نماز گھر پر نہیں ہو سکتی۔ جب ایک بوڑھے اور

اندھے کو گھر پر نماز پڑھنے کی اجازت نہ ملی۔ تو باقی لوگوں کے لئے گھر پر نماز پڑھنے کا کیا جواز ہو سکتا ہے۔ صحابہ کا بیان ہے کہ حضور کے زمانہ میں ہر شخص مسجد میں آکر نماز پڑھتا تھا۔ اور جو لوگ ضعیف یا کمزور ہوتے تھے۔ ان کو سہارا دے کر مسجد میں لایا جاتا تھا۔ اور صف میں کھڑا کر دیا جاتا تھا۔ سوائے منافقین کے اور کوئی بھی نماز سے غیر حاضر نہ رہتا تھا۔

ایک بار کسی صحابیؓ کو نماز میں دیر ہو گئی۔ جب وہ مسجد میں آیا۔ تو حضور نے دیر کی وجہ دریافت فرمائی۔ وہ کہنے لگا کہ حضور ﷺ میں اپنی کھجوروں کی جھنڈائی کرا رہا تھا۔ صرف ایک کھجور باقی تھی اور نماز کا وقت ہو رہا تھا۔ سوچا کہ ایک کھجور کو پورا کر کے ہی مسجد میں جاؤں۔ مگر جب آیا تو نماز ہو چکی تھی۔ رحمت دو عالم ﷺ نے سن کر فرمایا۔ کہ دیکھو "جھنڈائی سے نماز زیادہ ضروری ہے" حضور ﷺ کے یہ الفاظ سن کر اس شخص کو اتنا قلق ہوا۔ کہ جب وہ گھر واپس گیا۔ تو سرے سے کھجوروں کو ہی اڑا دیا کہ نہ کھجوریں ہوں گی نہ نماز میں دیر ہو گی۔ یہ تھا ان لوگوں کا ایمان اور جذبہ اطاعت وہ قرآن کے حکم اور حضور ﷺ کے فرمان سے کسی اور کو مقدم نہ سمجھتے تھے۔

غور کیا جائے تو اسلام 'نماز باجماعت ادا کرنے کا سبق بندہ کو پیدائش ہی سے دیتا ہے۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے ایک کان میں اذان اور دوسرے میں تکبیر کہی جاتی ہے یہ اس کی طرف اشارہ ہے کہ اے اللہ کے بندے بڑے ہو کر جب تیرے کان میں اذان کی آواز پہنچے تو۔ تو (تکبیر والی) نماز کے لئے مسجد کی طرف چل پڑ۔ یعنی نماز باجماعت جا کر ادا کیا کر۔ پس یہ اذان اور تکبیر بے مطلب نہیں اس میں بھی یہ سبق پنہاں ہے۔ کہ نماز باجماعت ادا کی جائے افسوس ہے کہ بندہ اس سبق کو بھول جاتا ہے۔ اور دنیا کے کاموں میں الجھ جاتا ہے۔

عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ لوگ چھوٹے چھوٹے عذر سے نماز باجماعت کو ترک کر دیتے ہیں۔ اور طرح طرح کے عذرات پیش کرتے ہیں۔ جو قرآن پاک میں آیا ہے۔ کان الانسان اکثر شی جدلا کہ انسان ہر وقت کوئی نہ کوئی عذر تراشتا رہتا ہے۔ کوئی دوری کا بہانہ کرتا ہے۔ کوئی کاروباری مصروفیت کا کوئی ملازمت میں دیر سے فارغ ہونے کا۔ کوئی بیوی بچوں کی بیماری کا۔ کوئی کچھ۔ کوئی کچھ۔ لیکن اگر ان لوگوں کا کہیں دنیاوی مفاد وابستہ ہو۔ تو اپنے کاموں کا ہرج کر کے بھی وہاں جائیں گے۔ اور کئی کئی گھنٹے وہاں صرف کر دیں گے۔ مگر مسجد میں

آنے کا عذر ان کو مل جائے گا۔ حالانکہ مومن کی حالت اس سے مختلف ہونی چاہئے۔ وہ جب اذان سنے تو دنیاوی کاموں کو فوراً چھوڑ کر نماز کے لئے چل پڑتا ہے۔ ایسے ہی مومنوں کے متعلق قرآن فرماتا ہے۔

"والذین ھم علی صلوتھم یحافظون"

حدیث شریف میں آیا ہے کہ نماز باجماعت کا ثواب اکیلے نماز کی نسبت ۲۷ گنا زیادہ ہے لیکن اس بات کو کون دیکھتا ہے۔ انسان جلد باز واقع ہوا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ جو کچھ فائدہ ملتا ہو جلد مل جائے۔ وہ دوسری دنیا تک انتظار نہیں کرتا۔ یوم آخرت کا احساس اس کے نفس نے اس کے دل سے نکال دیا ہے۔ اس لئے تو ادنیٰ ادنیٰ دنیاوی مفاد کے پیچھے بھاگتا ہے اور دین کو چھوڑ دیتا ہے۔ اگر کسی طرح اس کو ۲۷ روپے نقدی نماز باجماعت کے عوض یہاں مل جاتے تو وہ بھی مسجد سے باہر جانے کا نام نہ لیتا۔ بلکہ بال بچوں سمیت مسجد میں آکر ڈیرہ لگا لیتا۔ تاکہ سب کا معاوضہ مل جائے لیکن چونکہ نماز کی جزاء اللہ تعالیٰ نے محشر پر انحصار رکھی ہے۔ اس لئے اس کو کوئی وقعت نہیں دیتا۔

ایک صحابیؓ کے متعلق آتا ہے کہ وہ مسجد سے دور مدینہ کے کنارے پر رہا کرتے تھے۔ اور پنجگانہ نماز کے لئے مسجد میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ کسی دوست نے ان کو مشورہ دیا کہ آپ ایک ٹٹو یا خچر لے لیں اور اس پر سوار ہو کر آیا کریں۔ گرمی' سردی' بارش وغیرہ کی تکالیف سے بچ جائیں گے۔ تو وہ کہنے لگے کہ کیا آپ نے حضور ﷺ کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ جو شخص گھر سے چل کر مسجد کی طرف آتا ہے تو اس کے ہر قدم پر ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور ایک گناہ معاف کیا جاتا ہے۔ اور جب تک وہ گھر واپس نہیں جاتا۔ نماز ہی میں رہتا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ جب سے میں نے حضور ﷺ کا یہ ارشاد سنا ہے میں نے مسجد سے قریب آنے کا خیال بھی ترک کر دیا ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ میرا مکان اس سے بھی کچھ اور دور ہو۔ تاکہ چند مزید نیکیاں میرے اعمال میں لکھی جائیں اور خدا میرے اس فعل سے راضی ہو جائے۔ یہ تھا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان۔ اور ان کا عمل۔ وہ حضور ﷺ کی صحبت سے فیض یافتہ تھے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کی رضا کو ڈھونڈتے تھے۔ لیکن اب لوگ تن پروری میں لگ گئے ہیں دین کے معاملہ میں ذرا سی تکلیف اور صعوبت بھی برداشت کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔ حالانکہ ثواب اور اجر تو اسی کام پر ہے۔

جس میں کچھ تکلیف ہو۔ اگر تکلیف نہ ہو۔ تو ثواب کیسا۔ نیکی تو نفس کی مخالفت کا نام ہے۔ اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ نری رسمی نماز اور روزوں سے انسان کی اندرونی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ نفس کو مجاہدہ میں نہ ڈالا جاوے اگر مجاہدہ سے بچے گا تو مصائب آسمانی وارد کر کے اس کمی کو پورا کیا جائے گا۔ اور یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ جو تکلیف آسمان سے اترتی ہے وہ بہت سخت ہوتی ہے۔ بہ نسبت اس مشقت کے جو انسان اپنے اوپر خود وارد کرتا ہے۔ لہذا مسجد میں حاضر ہو کر نماز باجماعت ادا کرنے کی مشقت کو دلی بشاشت سے قبول کرنا چاہئے اور اسے خدا کی رضا کا ایک ذریعہ سمجھنا ہے۔

زندگی بے بندگی شرمندگی

اللہ تعالیٰ کے بندہ پر بے انتہا احسان ہیں۔ وہ ہر وقت اس کی ربوبیت کر رہا ہے ہر وہ چیز جو اس کے بقاء اور ترقی کے لئے ضرور ہے اسے دے رکھی ہے۔ اسے اشرف المخلوقات بنا کر دنیا کی ہر شے پر قدرت بخش دی ہے اس کے بدلے میں وہ اپنا حق مانگتا ہے۔ وہ حق کیا ہے۔ یہی نماز کہ اس کا بندہ پانچ وقت اس کے آگے اپنا سر جھکائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ۔

"نماز خدا کا حق ہے اسے خوب ادا کرو۔ صدق و صفا کا خیال رکھو اور گھر غارت ہوتا ہے تو ہونے دو۔ نماز ترک نہ کرو۔"

یہ صحیح ہے کہ نماز خدا کا حق ہے اور ایک مسلمان کو خدا کا یہ حق ہر حالت میں ادا کرنا چاہئے۔ اور جو یہ حق ادا نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ اس کی اطاعت سے نکل جاتا ہے۔ یہ حق معاف نہیں ہوگا اور نہ اس کی عدم ادائیگی میں کوئی عذر قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ اس میں جتنی ممکن آسانیاں تھیں وہ فراہم کر دی گئی ہیں۔ اب تو اس حکم کو بہر صورت بجالانا ہی ہوگا۔ حکم ہے کہ اگر تم کھڑے ہو کر نماز ادا نہیں کر سکتے تو بیٹھ کر ادا کرو۔ اور بیٹھ کر ادا کرنا مشکل ہے تو لیٹ کر ادا کرو۔ سخت کمزوری ہے تو اشارہ سے پڑھو۔ پانی نہ ہو تو تیمم کر لو۔ کپڑے ناپاک ہیں تو کوئی حرج نہیں۔ انہیں سے پڑھ لو۔ نماز ترک نہ کرو۔ دوسرے وقت میں کپڑوں کو پاک کر لو۔ اگر سفر میں ہو تو قصر کر لو۔ ضرورت پڑے تو ظہر اور عصر کو ملا لو۔ مغرب اور عشاء کو بھی جمع کر سکتے ہو۔ سفر درپیش ہے تو ریل یا لاری میں پڑھ لو۔ سواری نہ ٹھہر سکے یا پانی نہ مل سکے تو تیمم ہی کر لو۔ اگر دشمن کے خوف کی وجہ سے بھاگنے کی نوبت آجائے تو بھاگتے ہوئے پڑھ لو۔ غرضیکہ غرغرہ کی حالت سے پہلے جیسا بھی ممکن ہو اس فرض کو ادا کرو۔ اس میں ہرگز کوتاہی نہ ہو۔ کیونکہ اس میں کوئی قضا نہیں۔ یاد رکھنا چاہئے کہ نماز صرف مجنوں پر فرض نہیں۔ باقی سب حالتوں میں صحت ہو یا بیماری نماز فرض ہے اور اس کا ادا کرنا لازمی ہے۔

دیکھئے اللہ تعالیٰ نے ادائیگی نماز میں کتنی سہولتیں دے رکھی ہیں۔ کیا ان آسانیوں کے علاوہ

کسی اور چھوٹ کی بھی گنجائش ہے۔ اگر ان رعایات کے باوجود ایک مسلمان نماز ادا نہیں کرتا اور اس میں سستی کرتا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نماز پڑھنا چاہتا ہی نہیں۔ ورنہ اس کی ادائیگی میں کون سی مشکل باقی رہ جاتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک موقعہ پر فرمایا کہ سجدہ کے لئے زمین بھی موجود ہے اور وضو کے لئے پانی بھی موجود ہے۔ پھر اور کونسی چیز نماز پڑھنے میں روک ہے۔ اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا نہیں اور نہ اسے یوم آخرت پر ایمان ہے۔ حالانکہ ایمان کی بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ بعث بعد الموت پر یقین رکھے۔ اور جزا سزا کو حق جانے۔ اگر وہ اس عقیدہ پر یقین نہیں رکھتا تو وہ مسلمان نہیں ہے۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص میری امت میں سے عمداً ترک صلوٰۃ کرتا ہے وہ کافر ہے۔

ایک جماعت نبی کریم ﷺ کے پاس آئی اور کہا کہ ہم مسلمان ہونے کو تیار ہیں۔ لیکن ہمیں نماز سے مستثنیٰ کیا جائے کیونکہ ہم کاروباری آدمی ہیں نماز کے لئے وقت نہیں نکال سکتے۔ آپ نے فرمایا جس مذہب میں نماز نہیں وہ کوئی مذہب نہیں۔ خدا تعالیٰ کو ایسے ایمان لانے والوں کی ضرورت نہیں۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا۔ اگر یہ حساب ٹھیک رہا تو دوسرے اعمال کی طرف اللہ تعالیٰ توجہ فرمائے گا ورنہ نہیں۔ فرض کرو ایک شخص ہزاروں روپیہ خدا کی راہ میں روزانہ خرچ کرتا رہا ہو اور دوسرے نیک کام بھی کرتا رہا ہو۔ مگر نماز کا تارک یا غفلت کرنے والا ہو تو اس کے دوسرے اعمال کو بھی کوئی وقعت نہ دی جائے گی۔ اسی اصل کے ماتحت انسان کو غور کرنا چاہئے کہ اس کا معاملہ نمازوں کے متعلق کیا ہے۔ اگر وہ سستی کر رہا ہے تو اسے دور کرے کیونکہ اس معاملہ میں اس کی طرف سے کوئی عذر قبول نہیں کیا جائے گا۔ اسلام کے جتنے ارکان ہیں۔ ان میں نماز کو فضیلت حاصل ہے۔ نبی کریمؐ نے نماز کو دین کا ستون قرار دیا ہے۔ یعنی اس بناء پر دین قائم ہے۔ اگر نماز نہیں تو دین بھی نہیں۔ قرآن کریم میں سب سے زیادہ تاکید نماز کے لئے ہی آئی ہے۔ قیامت کے روز جنتی لوگ دوزخیوں سے دریافت کریں گے کہ بتاؤ تمہیں کون سی چیز دوزخ میں لے گئی۔ ما سلککم فی سقر قالوا لم نک من المصلین و کنا نکذب بیوم الدین وہ کہیں گے کہ ہم دنیا میں نماز ادا نہ کیا کرتے تھے اور نہ جزا اور سزا کے دن کو سچا سمجھتے تھے۔ اس لئے دوزخ میں ڈالے

گئے۔ گویا نماز کا ادا نہ کرنا ایک مسلمان کو دوزخ کا مستحق بنا دیتا ہے۔
حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو لوگ بادشاہت کی وجہ سے نماز ادا نہ کرتے ہوں گے ان کو فرعون کے ساتھ کھڑا کر دیا جائے گا اور ان کا حشر نشر فرعون کے ساتھ ہو گا۔ جو حکومتی کاموں کی وجہ سے سست ہوں گے ان کو ہامان کی صف میں، جو دولت کی فراوانی کی وجہ سے غافل رہے ہوں گے ان کو قارون کی صف میں اور جو تجارت اور کاروبار کی وجہ سے سستی کرتے ہوں گے ان کو ابی بن خلق کی صف میں کھڑا کر دیا جائے گا اور ان کا معاملہ ان جیسا ہو گا۔ گویا خدا تعالیٰ کے حق کو ادا نہ کرنے کی وجہ سے انسان قیامت کے دن ذلت اٹھائے گا۔ بعض نوجوان، ملازمت پیشہ اور کاروباری آدمی نمازوں میں سستی کرتے ہیں۔ بعض پانچ نمازوں میں سے کچھ نمازیں چھوڑ دیتے ہیں۔ کوئی پانچ میں سے دو پڑھتا ہے تو کوئی تین۔ یہ درست نہیں۔ متفق علیہ حدیث ہے کہ عمداً نماز کو ترک کرنے والا کافر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ نماز میں قضا نہیں کہ پھر سے ادا کر دی جائے۔ پس جان لو کہ یہ کفر ایسا نہیں کہ آیا اور جاتا رہے۔ جب پڑھ لی تو چلا جائے اور جب نہ پڑھی تو آ جائے۔ دین مذاق نہیں۔ جب ایک بار بندہ عمداً نماز کو ترک کرنے والا کافر بن جاتا ہے اور یہ کفر اس وقت تک نہیں جاتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں اور سستیوں کی معافی نہ مانگے اور توبہ کر کے آئندہ کے لئے باقاعدہ کا اقرار نہ کرے۔ پس یہ بڑا خطرناک معاملہ ہے اس میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ اور کوئی نماز بھی کسی حالت میں بھی ترک نہیں کرنا چاہئے۔

• حضرت مولوی نورالدینؓ نے ایک نوجوان سے پوچھا کہ بتاؤ نمازوں کا کیا حال ہے۔ کہنے لگا کہ مولوی صاحب! صبح کی نماز تو معاف کریں باقی نمازیں کبھی کبھی پڑھ لیتا ہوں۔ انا للہ........
تو یہ حالت ہے۔ واقعی سارے نوجوانوں پر صبح، ظہر اور عشاء کی نمازیں بہت بوجھل ہیں۔ انہیں بار بار سمجھانا اور جگانا چاہئے کہ اگر ہمارے نوجوان بھی دوسروں کی طرح سست رہے تو ان کو احمدیت میں رہ کر کیا ملے گا۔ جاننا چاہئے کہ نماز کوئی چٹی نہیں ہے بلکہ مومن کا معراج ہے۔ یہ خدا تعالیٰ تک لے جانے والی گاڑی ہے۔ اس کے بغیر وہ منعم حقیقی تک پہنچ نہیں سکتا۔ وہ پانچ وقت اس لئے بلاتا ہے کہ ہمیں پاک کرے اور اپنے فیضان سے مالا مال کرے۔ کریم جب کسی کو بلاتا ہے تو خالی ہاتھ نہیں لوٹاتا۔ اسی طرح جب رب کریم بندہ کو بلاتا ہے تو خالی واپس نہیں کرتا یہ اس کی شان کے خلاف ہے۔ انتظار بھی کرتا ہے، دروازہ بھی کھولتا ہے اور بے انداز دیتا ہے۔ ہر

محض اس کی رحمتیں اپنے دامن میں سمیٹ لاتا ہے۔ پس نماز چٹی نہیں بلکہ اس کی ملاقات کا ایک ذریعہ ہے۔ اس کی بخشش اور کرم کا دوسرا نام ہے۔ اسی سے بندہ کو سرفرازی ملتی ہے۔ بلکہ یوں کہو کہ سجدہ کا حکم دے کر اس نے عبودیت کے سر پر تاج رکھ دیا ہے۔ اسی عطاء خاص کے متعلق حضرت مصلح موعودؓ نے اپنے رب کریم سے مخاطب ہو کر مستانہ وار یوں کہا تھا۔ ذرا سنئے تو سہی۔

لے جائے در پہ یار کے وہ بال و پر کہاں
دیکھے جمال یار وہ ایسی نظر کہاں
سجدہ کا حکم دے کے مجھے تاجور کیا
میری جبیں کہاں ہے ترا سنگ در کہاں

سچی بات تو یہ ہے کہ اگر انسان اپنے مالک کو نہیں پہچانتا اور اس کے آگے سجدہ نہیں کرتا تو یہ سخت کفران نعمت ہے۔ کتا بھی اپنے مالک کو پہچانتا ہے۔ جب مالک گھر آئے تو دوڑ کر اس کے قدموں میں جا لوٹتا ہے۔ گویا اس کو سجدہ کرنا چاہتا ہے۔ اگر انسان اپنے رب کو نہ پہچانے اور اس کے آگے پانچ وقت اپنی جبین نیاز نہ جھکائے تو وہ اشرف المخلوقات کہلانے کا مستحق نہیں۔ یہ اس کی کتنی بدقسمتی ہے کہ وہ عبد ہو کر نافرمانوں میں شامل ہو جاتا ہے اور اپنا شرف کھو بیٹھتا ہے۔ دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کے بندہ پر اتنے احسانات ہیں کہ وہ ان کو گن بھی نہیں سکتا۔ ان احسانات کا تقاضا تو یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اس کے آگے سربسجود رہے۔ اگر نماز میں غفلت کرتا ہے تو اس کی محرومی میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس غفلت سے بچائے۔

ماہ صیام اور اس کی برکات

ماہ رمضان برکتوں کا مہینہ ہے اس مبارک مہینہ میں اللہ تعالیٰ کی برکتوں کا کثرت سے نزول ہوتا ہے اس کے فرشتے رحمتیں لیکر زمین پر اترتے ہیں اور مومنوں کو بشارتیں دیتے ہیں۔ شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے تاکہ وہ بندے اور خدا تعالیٰ کے درمیان روکیں پیدا نہ کر سکیں بندے اپنے رب سے قریب ہو جائیں اور ان کا رب رحیم ان سے پیار اور محبت کا سلوک کرے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ماہ رمضان کا پہلا عشرہ رحمت اور دوسرا مغفرت اور تیسرا نجات ہے۔ اور یہ صحیح ہے کہ اگر اس کے بندے اس مبارک مہینہ میں اپنے رب سے ملنے کی ذرا سی کوشش بھی کریں تو وہ نہ صرف ان کے گناہوں کو بخش دے بلکہ اپنی رحمت اور شفقت کے دروازے بھی کھول دے۔

یہ برکات کا مہینہ اس لئے بھی ہے کہ اس میں "ذکر مبارک" یعنی قرآن جیسی عظیم نعمت اتری۔ اور اس مہینہ میں ایک رات ایسی بھی آتی ہے جو ہزار مہینوں سے برکات اور فیوض کے لحاظ سے بہتر ہے اور جو شخص اس کو پالے۔ اس کی خوش قسمتی میں کون شک کر سکتا ہے۔ حدیث نبوی ﷺ ہے کہ وہ شخص سخت بدنصیب ہے جس کے بوڑھے ماں باپ موجود ہوں اور وہ ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کر سکے اور وہ شخص بھی بدقسمت ہے جس کی عمر میں ماہ رمضان آیا اور وہ روزہ رکھ کر اپنے گناہوں کو نہ بخشا سکا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ نماز انسان کا تزکیہ نفس کرتی اور روزہ تصفیہ قلب کرتا ہے دل تو اللہ تعالیٰ کی تخت گاہ ہے۔ اگر یہ پاک نہ ہو تو وہ ذات اس میں کیسے آسکتی ہے۔ پس قلب کی صفائی تو روزوں سے ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کو وحی کے نزول سے پہلے روزہ رکھنے کی ہدایت کی جاتی ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں روزہ رکھ کر عبادت کیا کرتے تھے۔ پس جب تک دل کی پاکیزگی حاصل نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق ممکن نہیں۔ کیونکہ وہ قدوس ہے۔ یہ مقصد صرف روزہ سے پورا ہوتا ہے۔ روزوں سے بشری تقاضے سرد پڑ جاتے ہیں اور انسان میں ملکوتی صفات آجاتی ہیں۔ صوفیاء کہتے ہیں کہ سلوک کی منزل طے کرنے کے لئے تین باتوں پر عمل کرنا ضروری ہے۔ قلت

الطعام۔ قلت المنام۔ قلت الکلام اور یہ باتیں تصوف کی جان ہیں اور ابتدائی منزل ہیں۔ چنانچہ روزہ میں یہ تینوں باتیں میسر ہیں۔ روزہ دار کم کھاتا ہے کم سوتا ہے اور کم بولتا ہے۔ اس سے قلب کی صفائی ہونے لگتی ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر انسان روزہ کے تمام تقاضوں کو پورا کرتا رہے تو ایک ماہ گزرنے سے پیشتر اس کا قلب مہبط انوار الٰہی ہو جائے اور وہ دل کے آئینہ صافی سے بارگاہ جمال کا مشاہدہ کر لے۔ جو آئینہ دھندلا ہو۔ گناہوں کے گرد و غبار سے اٹا پڑا ہو وہ کب محبوب کا چہرہ دکھا سکتا ہے۔

انسان پر اللہ تعالیٰ نے روزے اس لئے فرض نہیں کئے کہ وہ دکھ میں پڑ جائے۔ بلکہ یہ تو اس نے انسان کی دینی اور دنیاوی بھلائی کے لئے بتلائے ہیں۔ اس کی روح جو گناہوں کی آلودگی سے خستہ اور کمزور پڑ جاتی ہے۔ روزوں سے اس میں توانائی آجاتی ہے اور وہ صعود کی طاقت حاصل کر لیتی ہے۔ انسان صرف روٹی سے نہیں جیتا بلکہ اس کے روحانی تقاضے بھی ہیں جو روزے سے پورے ہوتے ہیں اور اسی سے اس کی روحانیت میں بالیدگی آجاتی ہے۔ اس کے علاوہ اس کا روحانی نظام بھی سدھر جاتا ہے اور سال بھر کے کثیف مادے روزوں سے جل جاتے ہیں اور انسان پھر جسمانی زندگی کا لطف اٹھانے کے قابل ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا یہ حکم انسانی فطرت کے عین مطابق ہے چاہے کسی کی سمجھ میں بات آئے یا نہ میں نے یہ بات بغور دیکھی ہے۔ کہ جو لوگ التزام سے روزے رکھتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کو دوسرے ماہ رمضان تک کسی سخت بیماری میں مبتلا ہونے نہیں دیتا اور وہ سال بھر صحت والی زندگی کا لطف اٹھاتے رہتے ہیں۔

غور کیا جائے تو یہ روزے انسان پر بوجھ نہیں ہیں۔ اگر تھوڑی سی کوفت روزہ کے وقت انسان کو اٹھانی پڑتی ہے تو اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ کے انعامات کا اندازہ تو لگاؤ کہ وہ کتنے ہیں۔ حدیث نبوی ﷺ ہے کہ ہر نیک عمل پر جزا مقرر ہے اور وہ اس کی نسبت کے لحاظ سے ملتی ہے لیکن روزہ کی جزا تو خود خدا تعالیٰ ہے۔ اور جسے خود خدا مل جائے تو اسے اور کیا چاہیے۔ مقصود اور مطلوب تو اس کی ذات ہے۔ وہ مل جائے تو انسان نے اپنے مقصد کو پالیا روزہ کی کوفت تو چند گھنٹے ہوتی ہے لیکن اس کے بدلے میں انعام کی حد بست نہیں۔ دنیا کی مخلوق صحت کی واپسی کے لئے کیا کیا جتن نہیں کرتی معالج کے کہنے پر اگر کسی کو ہفتوں غذا چھوڑنی پڑے تو وہ خوشی سے قبول کر لیتا ہے نمک اور چینی کا استعمال چھوڑنا پڑے تو اس پر اعتراض نہیں کرتا۔ لیکن اگر چند گھنٹوں

کے لئے غذا سے صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر رک جائے تو کونسی آفت آجائے گی دوسری طرف اس کی افادیت کا اندازہ لگاؤ کہ وہ کتنی ہے۔ لیکن برا ہو اس نفس کا کہ اس کی خواہشات کو دبانا معمولی کام نہیں۔ انسانی نفس انتظار کا قائل نہیں اور نہ آخرت کا قائل ہے یہ کہتا ہے جو ملے ابھی ملے اور اس کی ہر خواہش کی تکمیل فوری ہو جائے۔ لیکن اسلام میں نیکی تو نفس کی مخالفت کا نام ہے۔ اسی لئے تو اسلام نے یہ فرائض عائد کئے ہیں نماز۔ روزہ وغیرہ ان سے تزکیہ نفس ہوتا ہے۔ پس نفس پر رحم کرنا اپنے اوپر ظلم کرنا ہے۔ یہ سچ ہے کہ نفس ہی خدا تعالیٰ اور بندے کے درمیان حجاب ہے۔ خدا تعالیٰ تو ایک بے بہا خزانہ اور بقول حضرت مسیح موعود "یہ دولت لینے کے لائق ہے اگر جان دینے سے ملے اور یہ لعل خریدنے کے لائق ہے اگر تمام وجود کھونے سے ملے"۔

پس اگر روزہ کی چند گھنٹوں کی کوفت سے خدا مل جائے تو کتنا سستا سودا ہے اور اس شخص کی محرومی پر جتنا ماتم کیا جائے کم ہے جو ادنیٰ سی نفسانی خواہش کے بدلے اس عظیم نعمت کو چھوڑ دیتا ہے۔ دیکھو لوگ چھوٹی سی شہرت کے لئے کتنے مشکل سے مشکل کام کر لیتے ہیں حتیٰ کہ اپنی جان سے بھی گزر جاتے ہیں۔ مثلاً کوہ پیمائی یا خلا نوردی اور اس مہم میں وہ اتنی تکالیف برداشت کرتے ہیں جن کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں روزہ کی تکالیف کیا ہیں اور ان میں بھی اکثر لوگ گریز کی راہیں ڈھونڈتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ رحم فرماوے۔ حضرت خلیفہ المسیح اولؓ رضی اللہ فرمایا کرتے تھے کہ زمیندار کہتے ہیں کہ روزہ سفر میں منع ہے تو کٹائی کے دنوں میں بھی معاف ہونا چاہئے تو دیکھو انسانی نفس کیسے کیسے عذرات پیش کرتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ الانسان عبدالاحسان یعنی انسان جس کا احسان مند ہو اس کا غلام بن جاتا ہے مثلاً کسی نے ڈوبنے سے بچایا ہو یا قرض کے بوجھ سے چھڑایا ہو تو انسان اس کوشش میں رہتا ہے کہ کاش وہ بھی اس کا احسان اتار سکتا عمر بھر اس کا ممنون رہتا ہے اور جان تک دینے سے گریز نہیں کرتا ادھر بندہ پر اللہ تعالیٰ کے اتنے احسانات ہیں کہ ان کا شمار بھی نہیں ہو سکتا ایک بینائی ہی کو لے لو کہ یہ کتنی بے بہا نعمت ہے جو اسے ملی ہوئی ہے صرف اس کا حق شکر بھی ادا نہیں ہو سکتا پس اگر انسان روزہ رکھنے میں سستی دکھائے یا تغافل کرے تو محسن حقیقی کے احسانات کی کتنی بے قدری ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ انسان اگر بغیر کسی شرعی عذر کے ایک روزہ بھی قضا کر دے تو ساری عمر کے روزے اس قضا شدہ روزے کی برابری نہیں کر

سکتے۔

پس میرے عزیزو اور بھائیو۔ اس مبارک مہینہ کی برکات سے کماحقہ فائدہ اٹھاؤ۔ اور اپنے رب رحیم کے اس تاکیدی حکم کو معمولی عذرات سے ٹال نہ دو۔ بلکہ اخلاص اور وفا کا مظاہرہ کرو۔ اور تمہارے ہر ذرہ سے اسلمت لرب العالمین کی آواز آئے۔ مومن کا معاملہ تو اللہ تعالیٰ سے عشق کا ہوا کرتا ہے۔ اور عاشق زبان حال سے اپنی محبت کا ثبوت دیتا ہے۔ کیونکہ۔

زندگی کچھ بھی نہیں تیری محبت کے بغیر
اور بے روح محبت ہے اطاعت کے بغیر

آخر میں ایک اور بات بھی دوستوں کو بتلا دوں۔ وہ یہ کہ اس ماہ کو قبولیت دعا سے خاص مناسبت ہے۔ روزہ دار جب عصر کے وقت روزہ سے نڈھال ہو کر ایک طرح کی کشمکش میں ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے خاص قرب کا وقت ہوتا ہے اس وقت اس کی رحمت بندہ کی حالت کو دیکھ کر شار ہو رہی ہوتی ہے۔ لکھا ہے کہ بندہ کی اس وقت کی دعا قبول کر لی جاتی ہے پس اس وقت سے فائدہ اٹھاؤ۔ غلبہ اسلام کی دعا کو اولیت دو اور دوسری دعاؤں کے ساتھ ساتھ خدمت دین کی زیادہ سے زیادہ توفیق چاہو۔ کیونکہ یہی اسے بہت پسند ہے۔

ماہ رمضان کی برکات سے فائدہ اٹھائیں

ماہ رمضان برکتوں کا مہینہ ہے۔ اس مہینہ میں اللہ تعالیٰ کی برکتوں کا کثرت سے نزول ہوتا ہے۔ اس کے فرشتے رحمتیں لے کر زمین پر اترتے ہیں اور مومنوں کو بشارت دیتے ہیں۔ شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے تاکہ وہ بندے اور خدا کے درمیان روکیں پیدا نہ کر سکیں۔ بندے اپنے رب سے قریب ہو جائیں اور ان کا رب رحیم ان سے پیار اور محبت کا سلوک کرے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ماہ رمضان کا پہلا عشرہ رحمت' دوسرا مغفرت اور تیسرا نجات ہے۔ اور یہ صحیح ہے کہ اگر اس کے بندے اس مبارک مہینہ میں اپنے رب سے ملنے کی ذرا سی کوشش بھی کریں تو وہ نہ صرف ان کے گناہوں کو بخش دے بلکہ اپنی رحمت اور شفقت کے دروازے بھی کھول دے۔

یہ برکات کا مہینہ اس لئے بھی ہے کہ اس میں ذکر مبارک یعنی قرآن جیسی عظیم نعمت اتری۔ اور اس مہینہ میں ایک رات ایسی بھی آتی ہے جو ہزار مہینوں سے برکات اور فیوض کے لحاظ سے بہتر ہے اور جو شخص اس کو پالے اس کی خوش قسمتی میں کون شک کر سکتا ہے۔

حدیث نبویؐ ہے کہ وہ شخص سخت بے نصیب ہے جس کے بوڑھے ماں باپ موجود ہوں اور وہ ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کر سکے اور وہ شخص بھی بدقسمت ہے جس کی عمر میں ماہ رمضان آیا اور وہ روزہ رکھ کر اپنے گناہوں کو نہ بخشوا سکا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ نماز تزکیہ نفس کرتی ہے اور روزہ تصفیہ قلب کرتا ہے۔ دل تو اللہ تعالیٰ کی تخت گاہ ہے۔ اگر یہ پاک نہ ہو تو وہ ذات اس میں کیسے آ سکتی ہے۔ پس قلب کی صفائی تو روزوں سے ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کو وحی کے نزول سے پہلے روزہ رکھنے کی ہدایت کی جاتی ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں روزہ رکھ کر عبادت کیا کرتے تھے۔ پس جب تک دل کی پاکیزگی حاصل نہ ہو اللہ تعالیٰ سے تعلق ممکن نہیں کیونکہ وہ قدوس ہے۔ یہ مقصد صرف روزہ سے پورا ہوتا ہے۔

روزوں سے بشری تقاضے سرد پڑ جاتے ہیں اور انسان میں ملکوتی صفات آ جاتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ

سلوک کی منزل طے کرنے کے لئے تین باتوں پر عمل کرنا ضروری ہے۔ قلت الطعام' قلت المنام' قلت الکلام' اور یہ باتیں تصوف کی جان ہیں۔ چنانچہ روزہ میں یہ تینوں باتیں میسر ہیں۔ روزہ دار کم کھاتا ہے کم سوتا ہے اور کم بولتا ہے۔ اس سے قلب کی صفائی ہونے لگتی ہے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر انسان روزہ کے تمام تقاضوں کو پورا کرتا ہے تو ایک ماہ گزرنے سے پیشتر ہی اس کا قلب مہبط انوار الٰہی ہو جاتے اور وہ دل کے آئینہ صافی سے بارگاہ جمال کا مشاہدہ کرے۔ جو آئینہ دھندلا ہو اور گناہوں کے غبار سے میلا ہو گیا ہو وہ کب محبوب کا چہرہ دکھا سکتا ہے۔

یاد رکھو کہ ہر شخص جو اسلام میں داخل ہوتا ہے اس کا امتحان ہوتا ہے کہ اس کا ایمان کیا ہے۔ قرآن کریم میں لکھا ہے۔ احسب الناس ان یقولوا امنا وھم لا یفتنون توحید کے اقرار کے بعد سب سے پہلا امتحان تو نماز کا ہے۔ اسے حکم ہے کہ روزانہ پانچ وقت مسجد میں حاضر ہو کر نماز باجماعت ادا کرے اور اس میں کسی قسم کی سستی نہ کرے۔ یہ وقت کا امتحان ہے۔ دوسرا جسمانی امتحان روزہ کا ہے کہ سال میں ایک ماہ مسلسل روزے رکھے۔ دن بھر بھوک اور پیاس کی شدت کو برداشت کرے۔ دیگر محرمات سے بچ کر ثابت کرے کہ وہ اپنے ایمان پر قائم ہے۔ ایسے بندے کو اللہ تعالیٰ سمجھتا ہے کہ وہ پکا مومن ہے۔ اسے حیات طیبہ عطا کرتا ہے۔ لیکن اگر وہ معمولی معمولی عذرات پر روزہ کو چھوڑ دیتا ہے اور اس سے بچنے کی راہ ڈھونڈتا ہے تو وہ مومن نہیں۔ اس کا ایمان محض دھوکہ ہے۔ وہ لقاء ربی کے قابل نہیں یاد رکھو کہ امتحان میں سے گزرے بغیر انسان کے ایمان کا پتہ کیسے لگے کہ وہ مومن بھی ہے۔

پس روزہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک امتحان ہے اور یہ ایسا امتحان بھی نہیں کہ انسان ہمیشہ کے لئے دکھ میں پڑ جائے۔ روزہ سے تو صرف دو تین گھنٹے کی تکلیف ہوتی ہے جب کہ پیاس ستاتی ہے۔ لیکن اس کے بدلے میں جب وہ افطار کرتا ہے تو اسے ٹھنڈے پانی کا اتنا لطف آتا ہے کہ اسے کبھی بھی نہ آیا ہو گا اور وہ سمجھتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتنی عظیم الشان نعمت ہے جو اسے میسر ہے۔ بھوک سے دوسروں کی گرسنگی کا احساس ہوتا ہے کہ آخر ان کی بھی ضروریات ہیں جنہیں نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔

روزہ کی اتنی تکلیف نہیں کہ برداشت بھی نہ کی جا سکے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تمہارے لئے تکلیف نہیں چاہتا۔ آسانی چاہتا ہوں اب روزہ میں تو تمہارے لئے بے شمار فوائد ہیں۔ اس

سے تمہاری روحانیت ترقی کرے گی اور قلب کو پاکیزگی حاصل ہوگی۔ ذرا اندازہ لگاؤ کہ کیا یہ تھوڑی سی تکلیف اس تکلیف سے کوئی نسبت رکھتی ہے کہ ایک انسان دشمن کی قید میں ہو یا زیر حراست ہو جہاں اسے پیٹ بھر کر کھانا نہ ملے اور نہ پانی۔ آخر ایسے مصائب تو دنیا میں موجود ہیں۔ اگر ایسے مصائب اس پر گزر جائیں تو کیا وہ برداشت نہ کریگا؟ یا اگر اسے ایسی بیماری ہو جس میں غذا بند کر دی جائے تو کیا اس سے بچنے کی کوئی راہ ہے؟ اگر اللہ تعالیٰ کی خاطر چند گھنٹے وہ اپنی جائز خواہشات سے رکا رہے تو اس پر کونسی آفت آجائے گی۔ انسان اگر یہی سوچے تو میرا خیال ہے کہ وہ روزہ کے حکم کی تعمیل میں ذرہ بھر بھی پس و پیش نہ کرے اور اسے عین راحت جانے۔ پھر یہ بھی تو ہے کہ روزہ کا اجر خود خدا تعالیٰ ہے۔ جسے خود خدا تعالیٰ مل جائے یعنی بادشاہ اس کا اپنا ہو جائے اس کی خوش قسمتی کا کیا ٹھکانا۔ یہ دولت لینے کے لائق ہے اگر جان دینے سے ملے اور یہ لعل خریدنے کے لائق ہے اگر تمام وجود کھونے سے ملے۔

پھر یہ بھی صحیح ہے کہ روزہ اکثر بیماریوں کا علاج ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم بے فائدہ نہیں دیا۔ صرف آزمائش ہی مقصود نہیں بلکہ اس میں بندے کا روحانی اور جسمانی فائدہ ہے۔ روزہ سے جہاں تصفیہ قلب ہوتا ہے اور روح کو بالیدگی ملتی ہے۔ وہاں جسمانی طور پر بھی وہ بیماریوں سے محفوظ رکھا جاتا ہے جس طرح ماں بچے کو کبھی کبھی زبردستی صحت اور کوڑ پلاتی ہے کہ اس کی صحت ٹھیک رہے اور اس کی نشوونما ترقی کرے ٹھیک اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی سال میں ایک ماہ اپنے بندوں کو کوڑ پلانے کا اہتمام کر رکھا ہے کہ اس کے ذریعہ سے ان کا روحانی اور جسمانی نظام ٹھیک رہے۔ پس یہ حکم اس کی طرف سے عین شفقت و رحمت ہے۔ چاہے یہ بات کسی کی سمجھ میں آسکے یا نہ........ اور اگر بندہ اس کے حکم سے اعراض کرتا ہے تو جہاں اس کی روح بیمار ہو جاتی ہے وہاں اس کی جسمانی حالت بھی ٹھیک نہیں رہتی۔ اس کو امراض قلب 'بلڈ پریشر' ذیابیطس اور فالج وغیرہ جیسے امراض کا سامنا کرنا ہوگا کیونکہ یہ بیماریاں پرخوری کے نتائج ہیں۔ اگر سال میں ایک ماہ کم کھانے 'کم سونے اور کم بولنے کی ٹریننگ کرے تو اسے پتہ لگ جائے گا کہ اس میں کتنے راز پوشیدہ ہیں اور پھر وہ ان کو اپنا دستور العمل بنا کر روحانی اور جسمانی طور پر صحت مند زندگی بسر کر سکتا ہے۔

ایک اور بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ روزہ کا مقصد تو تطہیر قلب و نگاہ ہے۔ اگر یہ حاصل

نہ ہوئی تو روزہ بے کار رہا۔ اگر روزہ دار روز مرہ کی طرح لہو ولعب ' فلم ' ٹی۔ وی ' کھیل تماشے سے بد نظری کا مرتکب رہا' فحش رسالے اور مخرب اخلاق گانے سنتا رہا تو وہ اپنے قلب و نگاہ کو ناپاک کرتا رہا۔ اسے سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ بھی حاصل نہ ہوا اور یہ صحیح ہے کہ جب تک قلب و نظر پاک نہ ہو وہ یار نہیں ملتا کیونکہ ہر ناپاک آنکھ اس سے دور ہے اور ہر ناپاک دل اس سے بے خبر ہے۔ یہ مہینہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ٹریننگ کے لئے دیا گیا ہے کہ انسان ہر قسم کی محرکات سے پاک ہو جائے' اپنے نفس کو مغلوب کر کے اپنی خواہشات پر قابو پا لے۔ اگر سارے مہینہ میں وہ یہ چیز حاصل نہ کر سکا اور روزہ کے تقاضے بھی پورے نہ کر سکا تو اس کا مومن ہونا نہ ہونا برابر رہا۔

پس اے عزیزو اور بھائیو! اس مبارک مہینہ کی برکات سے کما حقہ فائدہ اٹھاؤ اور اپنے رب رحیم کے اس تاکیدی حکم کو معمولی عذرات سے ٹال نہ دو بلکہ اخلاص اور وفا کا مظاہرہ کرو اور تمہارے ہر ذرہ سے اسلمت لرب العلمین کی آواز آئے۔ مومن کا معاملہ تو اللہ تعالیٰ سے عشق کا ہوتا ہے اور عاشق قال سے نہیں حال سے اپنی محبت کا ثبوت دیتا ہے۔

زندگی کچھ بھی نہیں تیری محبت کے بغیر
اور بے روح محبت ہے اطاعت کے بغیر

ماہ رمضان کی برکات اور روزہ کے فوائد

ماہ رمضان برکتوں کا مہینہ ہے اس مبارک مہینہ میں اللہ تعالیٰ کی برکتوں کا نزول کثرت سے ہوتا ہے۔ اس کے فرشتے رحمتیں لے کر زمین پر اترتے ہیں اور بندوں کو بشارت دیتے ہیں شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے تا وہ بندے اور خدا تعالیٰ کے درمیان روکیں پیدا نہ کر سکیں۔ بندے اپنے رب کے قریب ہو جائیں اور ان کا رب الرحیم ان سے پیار اور محبت کا سلوک کرے اور یہ صحیح ہے کہ اگر اس کے بندے اس مبارک مہینہ میں اپنے رب سے ملنے کی ذرا سی کوشش بھی کریں تو وہ نہ صرف ان کے گناہوں کو بخش دے۔ بلکہ اپنی رحمت اور شفقت کے دروازے بھی کھول دے۔ یہ برکات کا مہینہ اس لئے بھی ہے کہ اس میں ذکر مبارک یعنی قرآن جیسی عظیم نعمت اتری اور اس مہینہ میں ایک رات ایسی بھی آتی ہے جو ہزار مہینوں سے برکات اور فیوض کے لحاظ سے بہتر ہے اور جو شخص اس کو پالے اس کی خوش قسمتی میں کون شک کر سکتا ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ وہ شخص سخت بدنصیب ہے جس کے بوڑھے ماں باپ موجود ہوں اور وہ ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کر سکے اور وہ شخص بھی سخت بدقسمت ہے جس کی عمر میں ماہ رمضان آیا اور وہ روزہ رکھ کر اپنے گناہوں کو نہ بخشوا سکا اور نہ اپنے رب کو راضی کر سکا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

- نماز انسان کا تزکیہ نفس کرتی ہے اور روزہ تصفیہ قلب کرتا ہے۔ دل تو اللہ تعالیٰ کا تخت گاہ ہے اگر یہ پاک نہ ہو تو وہ ذات اس میں کیسے آ سکتی ہے۔

پس قلب کی صفائی تو روزوں سے ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ انبیاء کو وحی کے نزول سے پہلے روزہ رکھنے کی ہدایت کی جاتی ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں روزہ رکھ کر عبادت کیا کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی روزے رکھنے کی ہدایت ہوئی حضور نے ہوشیار پور جا کر چلہ کشی کی تب وحی الٰہی کا نزول ہوا اور یہی سنت انبیاء ہے۔

پس جب تک دل کی پاکیزگی حاصل نہ ہو اللہ تعالیٰ سے تعلق ممکن نہیں اور یہ مقصد صرف

روزہ سے پورا ہوتا ہے۔ روزہ سے بشری تقاضے سرد پڑ جاتے ہیں۔ اور انسان میں ملکوتی صفات آ جاتی ہیں۔ صوفیاء کہتے ہیں کہ سلوک کی منزل کو طے کرنے کے لئے تین باتوں پر عمل کرنا ضروری ہے قلت الطعام، قلت الکلام اور قلت المنام اور یہ تین باتیں تصوف کی جان ہیں اور ابتدائی منزل ہیں چنانچہ روزہ میں یہ تینوں باتیں میسر ہیں روزہ دار کم کھاتا ہے۔ کم سوتا ہے اور کم بولتا ہے۔ اسی سے قلب کی صفائی ہونے لگتی ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر انسان روزہ کے تمام تقاضوں کو پورا کرتا رہے تو ایک ماہ گزرنے سے پیشتر ہی اس کا قلب مہبط انوار الٰہی ہو جائے اور وہ دل کے آئینہ صافی سے بارگاہ جمالی کا مشاہدہ کرے جو آئینہ دھندلا ہو گناہوں کی گرد و غبار سے اٹا پڑا ہو وہ کب محبوب کا چہرہ دیکھ سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان پر روزے اس لئے فرض نہیں کئے کہ وہ دکھ میں پڑ جائے بلکہ یہ تو اس نے انسان کی دینی اور دنیاوی بھلائی کے لئے بتلائے ہیں اس کی روح جو گناہوں کی آلودگی سے خستہ اور کمزور پڑ جاتی ہے۔ روزوں سے اس میں توانائی آ جاتی ہے اور وہ صعود کی طاقت حاصل کر لیتی ہے۔ نیز روزوں سے انسان کا جسمانی نظام بھی سدھر جاتا ہے اور سال بھر کے کثیف مادے ان سے جل جاتے ہیں اور انسان پھر سے جسمانی زندگی کا لطف اٹھانے کے قابل ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا یہ حکم انسانی فطرت کے عین مطابق ہے چاہے کسی کی سمجھ میں یہ بات آئے یا نہ۔ یہ حکم اس نے انسان کو محض اپنی رحمت کے تقاضے سے دیا ہے کہ اس کے نتیجہ میں وہ متقی ہو کر محسنین میں شامل ہو جائے۔ غور کیا جائے تو یہ روزے انسان پر بوجھ نہیں ہیں اگر تھوڑی سی کوفت روزوں کے وقت انسان کو اٹھانی پڑتی ہے تو اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ کے انعامات کا اندازہ لگاؤ کہ وہ کتنے ہیں حدیث نبویؐ ہے کہ ہر نیک عمل پر جزاء مقرر ہے اور وہ اس کی نسبت کے لحاظ سے ملتی ہے اور جسے خود خدا تعالیٰ مل جائے تو اسے اور کیا چاہئے روزہ کی کوفت چند گھنٹے محسوس کرتا ہے لیکن اس کے بدلے میں انعام کی کوئی حد بست نہیں۔ دنیا کی مخلوق صحت کی واپسی کے لئے کیا کیا جتن نہیں کرتی معالج کے کہنے پر اگر کسی کو ہفتوں غذا چھوڑنی پڑے تو وہ خوشی سے قبول کرتا ہے نمک اور چینی کا استعمال چھوڑنا پڑے تو اس پر اعتراض نہیں کرتے۔ حالانکہ ان دو چیزوں کے بغیر زندگی کا کیا لطف اور بسیار خوری کے بد نتائج سے آج کل Dieting کا مسئلہ چل نکلا ہے۔ بہت لوگ ہیں جو مجبور ہو کر اس پر عمل پیرا ہیں لیکن اگر چند گھنٹوں کے لئے انسان غذا سے صرف اللہ

تعالیٰ کی خاطر رک جائے تو کونسی آفت آجائیگی۔ دوسری طرف اس کی افادیت کا اندازہ لگاؤ کہ وہ کتنی ہے لیکن برا ہو اس نفس کا کہ اس کی خواہشات کو دبانا معمولی کام نہیں۔ انسانی نفس انتظار کرنے کا قائل نہیں اور نہ آخرت کا قائل ہے۔ یہ کہتا ہے جو ملے ابھی ملے اور اس کی ہر خواہش کی تعمیل فوری کی جائے۔ لیکن اسلام میں نیکی تو نفس کی مخالفت کا نام ہے اس لئے تو اسلام نے یہ فرائض عائد کئے ہیں۔ نماز' روزہ' حج' زکوۃ وغیرہ ان کے ذریعہ سے ہی نفس کو مغلوب کیا جا سکتا ہے ان کے بغیر نفس کا تزکیہ ممکن نہیں۔ پس نفس پر رحم کرنا یا اس کی رعایت اپنے اوپر ظلم کرنا ہے اور یہ سچ ہے کہ نفس ہی خدا تعالیٰ اور انسان کے درمیان سب سے بڑا حجاب ہے خدا تعالیٰ تو ایک بے بہا خزانہ ہے اور بقول حضرت مسیح موعود "یہ دولت لینے کے لائق ہے اگر جان دینے سے ملے اور یہ لعل خریدنے کے لائق ہے اگر تمام وجود کھونے سے ملے۔"

پس اگر روزوں کی چند گھنٹوں کی کوفت سے خدا مل جائے تو یہ کتنا سستا سودا ہے اور اس شخص کی محرومی پر جتنا ماتم کیا جائے کم ہے۔ جو ادنیٰ سی نفسانی خواہش کے بدلے میں اس عظیم نعمت کو چھوڑ دیتا ہے۔ دیکھو لوگ چھوٹی سی شہرت کے لئے کتنے مشکل سے مشکل کام کر لیتے ہیں حتیٰ کہ اپنی جان سے بھی گزر جاتے ہیں حالانکہ ان کا نہ اجر ہے اور نہ ثواب۔ مثلاً ہر سال بعض لوگ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھنے کے لئے جاتے ہیں اور اس مہم میں اتنی تکالیف برداشت کرتے ہیں جس کا ہم تصور ہی نہیں کر سکتے لیکن اس کے مقابلہ میں روزہ کی تکالیف کیا ہیں ان میں بھی اکثر لوگ گریز کی راہیں ڈھونڈتے ہیں اللہ تعالیٰ رحم فرماوے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول" فرمایا کرتے تھے کہ زمیندار تو کہتے ہیں کہ جب روزہ سفر میں منع ہے تو کٹائی کے دنوں میں بھی معاف ہونا چاہئے تو دیکھو انسانی نفس کیسے کیسے عذرات پیش کرتا ہے اور روزہ سے بچنے کے لئے کیسی راہیں ڈھونڈتا ہے۔ کہتے ہیں الانسان عبد الاحسان یعنی انسان جس کا احسان مند ہو اس کا غلام بن جاتا ہے۔ مثلاً کسی نے ڈوبنے سے بچایا ہو یا قرض کے بوجھ سے چھڑایا ہو تو انسان اس کوشش میں رہتا ہے کہ کاش وہ بھی اس کا احسان اتار سکتا ہے۔ عمر بھر اس کا ممنون رہتا ہے اور جان تک دینے سے دریغ نہیں کرتا۔ ادھر بندہ پر اللہ تعالیٰ کے اتنے احسانات ہیں کہ ان کا شمار بھی نہیں ہو سکتا ایک بینائی ہی کو لے لو کہ یہ کتنی بے بہا نعمت ہے جو اسے ملی ہوئی ہے صرف اس کا حق شکر بھی ادا نہیں ہو سکتا۔ پس اگر انسان روزہ رکھنے میں سستی دکھائے یا تغافل کرے تو محسن حقیقی

کے احکامات کی کتنی بے قدری ہے اور یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس محسن ذات کو ناراض کر لینا بندہ کس طرح برداشت کر سکتا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ انسان بغیر کسی شرعی مجبوری کے ایک روزہ بھی قضا کر دے تو ساری عمر کے روزے بھی اس قضا شدہ روزہ کی برابری نہیں کر سکتے۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا سچا عبد بننے کی توفیق دے اور اپنی قرب کی راہ میں حقیقی روکیں ہیں وہ خود دور کرے۔ آمین

درود شریف کے فضائل

لکھا ہے کہ ایک شخص حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے میں غفلت کیا کرتا تھا۔ ایک رات خواب میں اسے حضور ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی اس نے حضور ﷺ کو جا کر سلام کیا لیکن حضور ﷺ نے التفات نہ فرمایا اس نے عرض کی کہ حضور ﷺ آپ مجھے پہچانتے ہیں میں تو حضورؐ کا ایک امتی ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا میں نہیں جانتا آپ کون ہیں۔ کہنے لگا۔ حضورؐ علماء کہتے ہیں کہ حضورؐ اپنے ماننے والوں کو ایسا پہچانتے ہیں جیسا ماں اپنے بچے کو پہچان لیتی ہے۔ میں تو حضورؐ کا ایک امتی ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا واقعی علماء ٹھیک کہتے ہیں۔ لیکن میں اپنے امتی کو اس نسبت سے پہچانتا ہوں جس نسبت سے وہ مجھ پر درود بھیجتا ہے۔ آپ کی طرف سے تو میرے پاس کبھی درود نہیں آیا۔ میں کس طرح جانوں کہ آپ میرے امتی ہیں۔ جب وہ شخص خواب سے بیدار ہوا تو دل میں بہت نادم ہوا کہ میں واقعی درود شریف پڑھنے میں سستی کرتا رہا ہوں۔ تب اس شخص نے عہد کر لیا کہ آئندہ حضورؐ کی ذات بابرکات پر کم از کم یکصد بار ضرور درود بھیجا کروں گا اور اس میں ناغہ نہ ہوگا۔ چنانچہ کچھ دیر کے بعد اسے حضورؐ کی پھر زیارت نصیب ہوئی۔ حضورؐ کو جب اس نے سلام کیا تو حضورؐ نے فرمایا اب میں تجھے پہچانتا ہوں تمہارے درود اور سلام میرے پاس پہنچتے رہتے ہیں۔ اب تمہاری شفاعت مجھ پر واجب ہو گئی ہے۔ پس حضورؐ سے نسبت صرف ایمان لانے پر موقوف نہیں۔ بلکہ ان سے تعلق تو درود شریف کی نسبت سے استوار ہوتا ہے اور اسی کی نسبت سے وہاں قرب ملے گا۔ ایک مومن بندہ کی سب سے بڑی خواہش تو یہی ہوتی ہے کہ وہ کسی طرح حضورؐ کی شفاعت کا مستحق ہو جائے اور خدا اس سے اس کے گناہوں کا مواخذہ نہ کرے اور یہ بات اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے۔ جب اس کا حضورؐ سے محبت کا تعلق قائم رہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ بندہ اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سب چیزوں سے زیادہ محبت کرنے والا نہ ہو۔ لہٰذا اس کی محبت کا اندازہ تو اس بات سے لگ سکتا ہے کہ وہ ذات اس میں

کتنی سمائی ہوئی ہے کیا دل میں اس کی یاد اور زبان پر اس کا ذکر بھی ہے۔ اگر یہ بات موجود ہے تو اس کا دعویٰ درست ہے ورنہ وہ اپنے دعویٰ کو جھٹلاتا ہے۔ کیونکہ بقول حضرت مصلح موعود۔

علوت ذکر بھی ڈالو کہ یہ ممکن ہی نہیں
دل میں ہو عشق صنم لب پہ مگر نام نہ ہو

واقعی یہ ممکن نہیں کہ کسی ذات سے محبت کا تعلق تو قائم ہو مگر دل میں نہ اس کی یاد ہو اور نہ زبان پر ذکر آتا ہو۔ پس جو شخص حضورؐ سے محبت کا مدعی ہے وہ اس ذات پر درود اور سلام بھی بھیجتا ہوگا کیونکہ محبوب کی ذات تو عاشق کے رگ و ریشہ میں سمائی ہوئی ہوتی ہے۔ اور وہ اس کے ذکر سے ہی لذت اٹھاتا ہے۔ پس درود شریف کثرت سے پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کو حضور ﷺ سے خاص محبت ہے اور یہ صحیح ہے کہ وہ ذات ہی محبت کے لائق ہے اور درود کی مستحق بھی ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کائنات کے لئے رحمت اللعالمین' انسانیت کے لئے محسن اعظم اور گنہگاروں کے لئے نجات دہندہ اور شفیع ہیں ان کے ذریعہ سے ہی ہم نے اپنے خدا کو پایا ہے ورنہ اس وراء الوراء اور نہاں در نہاں ہستی کو کب پہچان سکتے تھے اور کسی نے یہ جو کہا ہے۔

خدا کو پہچانا ہے
جلوہ نشان ہے نشانی ہے

بالکل صحیح ہے اگر ہمارا رواں رواں زبان بن جائے اور حشر تک اس درود و سلام بھیجا جائے تو پھر بھی ان کے احسانات کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم بھی اور ہمارے فرشتے بھی آسمان سے اس نبی پر درود بھیجتے ہیں اس لئے تم بھی اے مومنو اس نبی پر درود اور سلام بھیجو۔ پس اللہ تعالیٰ کا درود بھیجنا تو ان معنوں میں ہے کہ وہ حضورؐ کے درجات کو ہر وقت بڑھا رہا ہے اور درود ان کے بلند درجات کے لئے دعا ہے۔

جاننا چاہئے کہ درود شریف نہ صرف حضورؐ کے لئے ترقی کے درجات کی دعا ہے بلکہ اس میں اور بھی بہت سی برکات ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ درود پڑھنے والے کو ہر درود کے عوض دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ اور دس بدیاں جھڑ جاتی ہیں۔ تو یہ کتنا عظیم فائدہ ہے۔ جو ایک بندہ کو ملتا ہے۔ ایک شخص حضورؐ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ حضورؐ جب میں دعا مانگتا ہوں تو

آدھا درود پڑھتا ہوں اور آدھی دعا کرتا ہوں۔ حضور نے فرمایا چاہو تو درود اور زیادہ کر دو۔ کہنے لگا کہ حضورؐ آئندہ دو حصہ درود اور ایک حصہ دعا کروں گا۔ فرمایا چاہو تو اسے اور بھی بڑھا سکتے ہو۔ کہنے لگا۔ آئندہ صرف درود ہی پڑھا کروں گا۔ فرمایا بہت خوب ہے۔ اگر تو صرف درود کا ورد کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی طفیل تیرے سارے کام خود کر دیگا اور تجھے کچھ زیادہ تردد نہ کرنا پڑے گا۔ دعا میں تو اپنی چند ضروریات کا ذکر کرے گا لیکن اللہ تعالیٰ تیری ان ضروریات کو بھی جانتا ہے جو تجھ پر مخفی ہیں۔ وہ بھی پورے کرے گا تو دیکھو درود شریف میں کتنی برکات پوشیدہ ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے جو کچھ پایا ہے وہ حضورؐ کی محبت کے طفیل ہی پایا ہے۔ ورنہ اگر میرے اعمال پہاڑوں کے برابر ہوتے تو پھر بھی مجھے یہ مقام نہ ملتا جو اب ملا ہے۔ فرمایا کہ ایک بار میں نے بہت کثرت سے دن رات حضور ﷺ کی ذات پر درود اور سلام بھیجا تو خواب میں دیکھتا ہوں کہ فرشتے آسمان سے آتے ہیں اور نور کی مشکیں میرے مکان پر گرا دیتے ہیں اور یہ سلسلہ ساری رات برابر جاری رہا۔ میں نے پوچھا یہ کس وجہ سے ہے تو مجھے بتلایا گیا کہ یہ کثرت درود شریف کی وجہ سے ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضور ﷺ کی ذات مقدس میں یکسر فنا تھے اور ان کا اپنا وجود درمیان میں سے گم تھا۔ لوہا جب آگ میں پڑتا ہے تو آگ کا رنگ پکڑ لیتا ہے اور وہی خواص ظاہر کرتا ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام رسول کریم ﷺ کی محبت کی آگ میں پڑ کر یکسر ان کے ظل اور بروز بن گئے۔

منم محمد و احمد کہ مجتبیٰ باشد

اسی کی طرف اشارہ ہے کہ وھو یدفن معی فی قبری کہ مہدی اور میں ایک ہوں وہ مجھ سے جدا نہیں لیکن اگر لوگوں کو یہ بات سمجھ میں نہ آئے تو نہ آئے۔ عشق کی دنیا میں تو یہ بات ثابت شدہ ہے کہ کامل محب اپنے محبوب سے جدا نہیں۔ پھر اس میں بھی ذرہ بھر شک نہیں کہ حضور رسول کریم ﷺ کی امت میں حضورؐ کی ذات سے محبت کرنے والے بہت پیدا ہوئے اور قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام ان سب سے محبت کرنے میں بڑھ گئے اور اسی لئے یہ مقام پایا۔ آپ درثمین میں اپنی محبت کو یوں بیان کرتے ہیں۔

رہا ہے جان محمد سے میری جاں کو مدام
دل کو یہ جام لبالب ہے پلایا ہم نے
تیری الفت سے ہے معمور میرا ہر ذرہ
اپنے سینہ میں یہ اک شہر بسایا ہم نے
نقش ہستی تیری الفت میں مٹایا ہم نے
اپنا ہر ذرہ تیری راہ میں اڑایا ہم نے
دلبرا مجھ کو قسم ہے تیری یکتائی کی
آپ کو تیری محبت میں بھلایا ہم نے

پھر درود شریف میں ایک اور فضیلت بھی ہے وہ یہ ہے کہ اس کے باقاعدہ اور التزام سے پڑھنے والے کو حضورؐ کا دیدار ہو جاتا ہے۔ ہماری جماعت میں ہزاروں لوگ ایسے ہیں جو حضورؐ کی زیارت سے مشرف ہو چکے ہیں اور یہ سچ ہے کہ جس خوش نصیب کو حضورؐ کی زیارت میسر آ جائے وہ جنتی ہے۔ کیونکہ اس خواب کی تعبیر یہی ہے کہ اس کا خاتمہ بالخیر ہوگا اور جس کا خاتمہ ایمان پر ہو وہ نجات پا گیا اکثر لوگ یہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں حضورؐ کے روضہ اقدس کی زیارت کرائے تاکہ وہ اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچائیں لیکن وہ یہ دعا نہیں کرتے کہ خدا تعالیٰ انہیں روضہ والے کی زیارت کراوے تاکہ ان کا انجام بخیر ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ پر کچھ بھی مشکل نہیں اگر یہ دعا دلسوزی سے اور متواتر کی جائے تو اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرمائے گا اور اس بندہ کو زیارت سے مشرف کر دے گا۔ لیکن اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ طالب سونے سے پہلے وضو کرے۔ اور ایک سو مرتبہ درود شریف پڑھ کر اور دعا کر کے سو جاوے۔ انشاء اللہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ اسے اللہ تعالیٰ کے فضل سے زیارت حاصل ہو جائے گی۔ اس سلسلہ میں ایک اور شرط بھی ہے کہ طالب دیدار کا رزق حلال اور طیب ہو۔ کیونکہ ناجائز وسائل یا ظلم اور زیادتی سے حاصل کیا ہوا مال اگر جزو بدن ہوا۔ تو اس شخص کی نہ تو دعا سنی جائے گی اور نہ اسے درود فائدہ دے گا چاہے وہ ساری عمر ہی اس میں کیوں نہ لگا رہے۔ حضورؐ پاکوں کے سردار ہیں اور ایسا شخص جس کا جسم گوشت اور پوست ناپاک ہے۔ وہ اس پاک کو نہ پا سکتا ہے اور نہ دیکھ سکتا

ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سچ فرمایا ہے کہ۔

کوئی اس پاک سے جو دل لگاوے
کرے پاک اس کو تب اس کو پاوے

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ہر احمدی کو تسبیح اور درود

سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔ اللھم صلی علی محمد وال محمد

کو اپنا معمول بنانے کی ہدایت کر رکھی ہے۔ دوستوں نے اس کی افادیت کو جان لیا ہے۔ حضور کی یہ خواہش بھی ہے کہ اسے ہمیشہ حرز جان بنایا جائے۔ کیونکہ اس میں دینی اور دنیاوی برکات پوشیدہ ہیں۔ ایک غیر از جماعت دوست نے حضور کا یہ ارشاد سن کر کہا تھا کہ احمدیوں کے خلیفہ نے تسبیح، درود اور استغفار کا ورد بتا کر اپنی جماعت کو ہر قسم کی مصائب اور مشکلات سے محفوظ کر لیا ہے۔ اس کا یہ احساس کتنا صحیح تھا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو سرکار دو عالمؐ سے محبت کرنے اور اپنا تعلق مضبوط بنانے کی توفیق دے۔

اخلاق حسنہ اور شفقت علی خلق اللہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک جگہ فرمایا ہے کہ دین سے مراد اللہ تعالیٰ کی محبت اور لوگوں کی خدمت ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو عبادت سے راضی کرو۔ اور اس کی مخلوق کو خدمت سے۔ تب نجات ہوگی۔

دین میں حقوق اللہ اور حقوق العباد ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ انسان نے آخر دنیا میں مل جل کر رہنا ہے۔ ایک دوسرے سے اس کے تعلقات وابستہ ہیں۔ اگر وہ دوسروں کے حقوق پوری طرح ادا نہ کرے گا تو معاشرہ بگڑ جائے گا۔ اور دنیا کا امن برباد ہوگا۔ امن کی بربادی یعنی فساد اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ اور سنت اللہ ہے کہ معاشرہ میں فساد پھیلانے والے اور امن کو برباد کرنے والے کو سزا دی جاتی ہے۔

ارشاد ربانی ہے کہ تم سب بھائی بھائی ہو۔ آدم کی اولاد ہو مل جل کر رہو اور فساد نہ کرو۔ سوچنے کی بات ہے کہ آخر ایک شخص دوسرے لوگوں سے کیوں بگڑتا ہے۔ اس کا کیا نقصان ہوتا ہے۔ یا اس کی کونسی حق تلفی ہوتی ہے۔ اگر دیکھا جائے تو ساری مخلوق کسی نہ کسی رنگ میں اس کی خدمت پر لگی ہوئی ہے۔ کوئی اس کے لئے غلہ اگاتا ہے کوئی کپڑے تیار کرتا ہے کوئی مکان بناتا ہے۔ کوئی اس کے لئے کھانے پینے کی چیزوں کا اہتمام کرتا ہے۔ کوئی اس کے بچوں کو پڑھاتا ہے کوئی اس کے مال و جان کی حفاظت کرتا ہے۔ غرض ساری مخلوق کسی نہ کسی طور پر اس کی خدمت میں لگی ہوئی ہے۔ اور اپنا اپنا حق ادا کر رہی ہے۔ آخر اسے ان سے بگڑنے کا کیا سبب ہے؟ اسے حق ہی نہیں پہنچتا کہ کسی سے بگڑے۔ اسے تو نافع وجود بن کر رہنا چاہئے۔ اور دوسروں کے حقوق کا خیال رکھنا چاہئے۔ اگر کسی چھوٹی سی نفسانی غرض کے لئے اس کو کسی سے کبیدگی ہے تو اسے نظرانداز کر دینا چاہئے یا معاف کر دینا چاہئے اور اپنی بلند حوصلگی اور وسیع القلبی کا ثبوت دینا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم میں سے بہتر وہ ہے جو دوسروں کے قصور معاف کرتا ہے۔ اور جو اپنے بھائیوں کی غلطیوں کو معاف کرتے ہیں۔ ان کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے۔

من عفا واصلح فاجرہ علی اللہ اور جس کا اجر اللہ تعالیٰ دے اس کا حساب کون کر سکتا ہے۔ ذرا سوچئے کہ یہ کتنا نفع مند سودا ہے۔ پس ایک دوسرے کی لغزشوں کو بھول جانا چاہئے۔ اگر ہم کسی کا قصور معاف کردیں گے تو دوسرے بھی ہمارا قصور معاف کریں گے۔ کیونکہ غلطی اور لغزش تو انسانی سرشت ہے۔ یاد رکھئے کہ دوسرے آدمی کی تکریم خود اپنی تکریم ہے۔ اگر تم کسی سے ادب احترام اور نیاز مندی سے ملوگے اور اچھے نام سے بلاؤ گے تو وہ بھی تمہارا اسی طرح احترام کرے گا۔

پس اگر انسان چاہتا ہے کہ اس کا مال' جان' عزت و آبرو محفوظ رہے اور لوگ اس کی تکریم کریں تو وہ بھی دوسروں سے اسی طرح معاملہ کرے۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی کامل مومن نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہ پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ حقیقی مومن کی نشانی یہی ہے کہ وہ دوسروں کے مال جان و عزت و آبرو کی ویسی نگرانی کرتا ہے۔ جیسا کہ اپنے مال جان کی۔ اسلامی تعلیم کا خلاصہ یہی ہے کہ انسان نوع انسان کو کسی قسم کی تکلیف نہ دے۔ نہ ہاتھ سے نہ زبان سے۔ بلکہ اس کی خدمت میں لگا رہے۔ اور اس کے لئے شفقت اور محبت کے جذبات رکھے تب نجات ہوگی۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ جو شخص کسی دوسرے مسلمان کے کام کے لئے چلتا ہے وہ دس سال کے اعتکاف سے زیادہ ثواب رکھتا ہے اور گھر جانے اور آنے پر ہر قدم پر ستر نیکیاں ملتی ہیں۔ اور ستر گناہ معاف ہوتے ہیں۔ پس سوچئے کہ دوسروں کے کام آنا اور مخلوق خدا کی غم خواری اور غمگساری کتنا مقدس کام ہے اور کتنا رب تعالیٰ کو پسند ہے۔

مومن تو ایثار سے کام لیتا ہے۔ اگر اسے اپنا حق بھی چھوڑنا پڑے تو چھوڑ دیتا ہے لیکن دوسروں کے حقوق اور ذمہ داریاں پوری طرح ادا کرتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مومن تو قیامت کے دن بھی احسان کا معاملہ کرے گا۔ فرمایا کہ ایک شخص کے برے اور اچھے اعمال کا پلڑا برابر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اگر ایک نیکی اور ہوتی تو تجھے جنت مل جاتی وہ کہے گا حضور میں کسی سے مانگ لاتا ہوں مہلت عطا فرمائیں۔ ماں باپ بہن بھائی بیٹا سب کے پاس جائے گا کسی سے ایک نیکی نہ ملے گی۔ ایک مومن گنہگار اس سے دریافت کرے گا کہ کیا ماجرا ہے وہ بتائے گا۔ مومن کہے گا میری ایک نیکی لے جائیں تجھے دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس سے کہے گا کہ

تو نے یہ کیا کیا۔ وہ کہے گا یا اللہ میری ایک نیکی تھی وہ میرے کس کام کی تھی۔ اور عمل تو خراب تھے۔ اس شخص کا کام بن جائے۔ کیا برائی ہے۔ یہ تو جنت میں چلا جائے گا۔ میری خیر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے جس جذبہ ایثار سے کام لیا ہے۔ وہ مجھے پسند آگیا ہے۔ تو نے میری مخلوق پر رحم کیا ہے۔ جاؤ ہم نے تم دونوں کو بخش دیا۔ سبحان اللہ وبحمدہ

پس خدا کی مخلوق سے حسن سلوک اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قدر ہے۔ اس کے برعکس اس کی مخلوق کو ستانا اس کی رحمت سے یکسر محروم کر دیتا ہے۔ خواہ دوسرے عمل کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں۔ یہ بات یوں سمجھ میں آسکتی ہے کہ اگر آپ کا کوئی ملازم ہو کام پوری محنت اور دیانتداری سے کرتا ہو مگر وہ آپ کی اولاد سے نفرت کرے یا اسے ستائے۔ تو آپ اسے نکال دیں گے یا وہ آپ کی شفقت سے محروم ہو جائے گا۔ یہی حال اللہ تعالیٰ کی مخلوق کا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ ہمارے سامنے ہے۔ مخلوق خدا کی بھلائی اور بہتری کے لئے آپ کا ہر ہر لحہ وقف تھا۔ اور آپ کو اگر کوئی غم تھا تو یہی کہ کسی طرح خدا کی مخلوق اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے جہنم سے بچ جائے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کو فرمانا پڑا۔ فلا تذھب نفسک علیھم حسرات اے میرے پیارے مخلوق کے غم میں اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈال۔ کچھ اپنے نفس کا خیال کر۔ ہم تمہیں جو چاہئے گا دے دیں گے۔ ولسوف یعطیک ربک فترضی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو سمجھنے اور نبھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اخلاق حسنہ ادب اور تواضع

قرآن کریم میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے بندے تو وہ ہیں جو عاجزی اور فروتنی سے رہتے ہیں ان میں تکبر نہیں ہوتا وھم لا یستکبرون اور یہی لوگ ہیں جو بزرگوں کا ادب کرتے اور چھوٹوں سے پیار اور محبت کا سلوک کرتے ہیں۔ سچ پوچھو تو یہی اصل دین ہے۔ الطریق کلھا ادب دین انسان کو حسن اخلاق سکھاتا ہے اور حسن اخلاق کا نچوڑ تو ادب اور تواضع ہے۔ جو شخص ان خوبیوں سے عاری ہے وہ کوئی بھلائی حاصل نہیں کر سکتا۔ نہ دنیا میں اسے عزت ملے گی نہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی مغفرت سے حصہ لے گا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ برائی کی جڑ تکبر اور ہر نیکی کی جڑ ادب اور تواضع ہے۔ اور یہ بالکل صحیح ہے کہ بے ادبی اور گستاخی تمام اعمال کو ضائع کر دیتی ہے۔ بے ادب بے نصیب۔ باادب بانصیب۔

ابتداء میں صحابہ کبارؓ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حجابانہ اور زور زور سے باتیں کیا کرتے تھے جسے اللہ تعالیٰ نے ناپسند فرمایا۔ اور حکم دیا کہ لا تقدموا بین یدی اللہ ورسولہ کہ اے مسلمانو! اللہ اور اس کے رسول کے سامنے بڑھ بڑھ کر باتیں نہ کیا کرو۔ ادب کو ملحوظ رکھو۔ ورنہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ ایک اور مقام پر فرمایا۔ کہ لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی کہ اپنی آواز کو نبی کی آواز سے اونچا نہ کیا کرو۔ ورنہ گستاخی کے مرتکب ہو جاؤ گے جب یہ آیت اتری تو حضرت عمرؓ نے جو گرج کر بولنے والے تھے۔ اپنی آواز کو اتنا دھیما کر دیا کہ ان کی بات مجلس نبوی ﷺ میں ساتھ والا بھی نہ سن سکتا تھا۔ ایک اور صحابی حضرت ثابتؓ بن قیس نے جو جہیر الصوت تھے۔ مسجد میں آنا چھوڑ دیا۔ کہ شاید میں معصیت کا مرتکب نہ ہو جاؤں۔ حضور ﷺ نے ایک دن دریافت فرمایا کہ ثابت رضی اللہ عنہ کو کیا ہوا۔ کیا بیمار ہیں۔ عرض کیا گیا۔ نہیں حضور ﷺ! اصل بات یہ ہے کہ ان کی آواز میں کرختگی ہے اور جب سے یہ آیت اتری ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر میری آواز زیادہ بلند ہوئی تو میں معصیت کا مرتکب ہو جاؤں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ نہیں نہیں۔ وہ تو جنتی ہیں تو دیکھو

صحابہ ﷺ ادب کا کتنا خیال رکھتے تھے بعض کم عقل لوگ حضور ﷺ کو مکان کے پیچھے آوازیں دیا کرتے تھے۔ اور زور زور سے آواز دیکر بلاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام ایسی حرکات سے روک دیا اور فرمایا۔ مومنو۔ تم نبی کو تنگ نہ کیا کرو۔ جب تک کہ وہ خود باہر نہ آوے اس وقت تک انتظار میں بیٹھے رہا کرو۔ اور اس قسم کی گستاخیاں چھوڑ دو۔ تو حقیقت یہی ہے کہ اسلام میں سب سے پہلا ذریعہ فیض حاصل کرنے کا ادب اور احترام ہے اللہ تعالیٰ نے ماں باپ سے بھی ادب اور احترام کا حکم دیا۔ فرمایا کہ ان سے حسن سلوک کرو۔ ان کے سامنے اف تک نہ کرو۔ ان سے گستاخی سے پیش نہ آؤ۔ پس ادب نہ کرو گے تو تم ان کی دعاؤں سے محروم ہو جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ بھی تم سے ناراض ہو جائے گا۔

غرض ادب اور تواضع ایسی صفات ہیں جو انسان کو کامیاب بناتی ہیں جو ان سے خالی ہے۔ وہ بھلائی سے خالی ہے کتابوں میں آیا ہے کہ بغداد میں دو طالب علم تھے ایک بزرگ کی آمد پر دونوں ان کے ہاں حاضر ہوئے۔ ایک اس خیال سے گیا کہ اس شخص کی کیفیت معلوم کروں اور بحث و مباحثہ کروں اور دوسرا اس غرض سے کہ میرے حق میں دعائے خیر کردیں کہ میں علم حاصل کروں۔ ایک ادب کے لحاظ سے گیا اور ایک رعونت میں مبتلا ہو کر گیا۔ ثانی الذکر محقق تھا۔ جاتے ہی مناظرہ شروع کر دیا۔ اور مناظرہ میں خاموش کرنے کی کوشش میں تھا۔ دوسرا ادب سے خاموش بیٹھا رہا بزرگ نے کہا کہ تم کیسے آئے کہا کہ حضور میں تو صرف دعا کے لئے آیا ہوں اور استفادہ کے لئے۔ بزرگ نے آثار سے معلوم کر لیا کہ اس شخص کا تمام اولیاء پر اثر ہوگا۔ اس سے ایک عالم فیض پائے گا اور یہ صحیح ہے کہ یہ طالب علم آگے چل کر شیخ عبدالقادر جیلانی بن گیا۔ دوسرا حکومت کی طرف سے سفیر مقرر ہوا۔ اور غیر ممالک کو چلا گیا۔ اس کے نفس کا عجب اور غرور بڑھتا چلا گیا۔ چند یوم کے بعد عیسائی عورت پر عاشق ہوا اور اس کے کہنے پر اسلام کو چھوڑ دیا۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس کے خنزیروں کے ریوڑ چرانے لگا۔ غرض عشق نے ہر طرح ذلیل اور رسوا کر دیا۔ اور سینہ سے علم اور قرآن کو بھی اٹھوا دیا۔

تو یہ ہے اس گستاخی کی سزا جو دنیا میں اسے ملی۔ آخرت کی سزا تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ اس کے لئے کیا ہوگی اسی لئے کہا گیا ہے کہ۔

بے ادب محروم ماند از لطف رب

پس علم و فضیلت اور عزت حاصل کرنے کی کنجی تو ادب اور تواضع ہے جس کے پاس یہ نہیں وہ بے نصیب ہے۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے مکرم بنایا ہے۔ جو کام بھی وہ کرے اس کی عزت میں فرق نہیں پڑتا۔ لہٰذا ہر شخص کو ایک دوسرے کی عزت اور احترام کا خیال رکھنا چاہئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ساری عمر کسی چھوٹے سے چھوٹے آدمی کو بھی تو اور تم سے نہیں بلایا۔ ہمیشہ آپ کے لقب سے یاد فرمایا کرتے تھے۔ پس جو شخص اپنے لئے تو عزت کا خواہاں ہو۔ مگر دوسرے کی عزت کا خیال نہ رکھے۔ وہ سب سے زیادہ ذلیل انسان ہے۔ وہ کبھی عزت نہیں پا سکتا۔ دنیا میں معزز وہی شخص ہے جو اپنے آپ کو حقیر سمجھے اور لوگ اس کی عزت کریں نہ یہ کہ وہ خود کو معزز اور دوسروں کو حقیر جانے۔ پس جس شخص نے اپنے مقام کو دیکھنا ہو وہ دوسروں کے آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھ سکتا ہے۔ اسے اپنی تصویر صحیح رنگ میں نظر آجائے گی۔ یعنی اس کی پیٹھ پیچھے لوگ جو اسے سمجھتے ہیں وہی اس کی اصل تصویر ہے۔

لیکن افسوس کی بات تو ہے کہ انسان کو دولت، علم، نسب اور اقتدار اسی دھوکہ میں ڈال دیتے ہیں کہ وہ دوسروں سے زیادہ معزز ہے اسے ان پر شرف حاصل ہے۔ اسی وجہ سے وہ عجب اور پندار میں گرفتار ہو کر انسانیت سے گر جاتا ہے۔ نہ وہ پاس ادب کرتا ہے اور نہ کسی سے تواضع سے پیش آتا ہے اسی لئے وہ تمام بھلائیوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ پس اگر کسی نے روحانی بلندی کو حاصل کر کے دنیا میں کامیاب زندگی گزارنی ہو۔ تو وہ بزرگوں کا ادب کرنا سیکھے۔ کیونکہ ان کی دعاؤں سے فیضان کے دروازے کھلتے ہیں اور وہ اپنے رب کی عنایات کا مورد بنتا ہے۔ خلیفہ وقت، ماں، باپ سلسلہ کے علماء اور اراکین یہ وہ ہستیاں ہیں جن کے ادب اور احترام کے لئے خاص طور پر زور دیا گیا ہے۔ اور یہ سچ ہے کہ جب تک انسان ادب اور تواضع نیستی اور تذلل کو اختیار کر کے خدا کی راہ میں خاک نہیں ہو جاتا۔ حریم جمال تک رسائی ناممکن ہے اور نہ ہی وہ اس نہاں در نہاں ہستی کا چہرہ دیکھ سکتا ہے۔ حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں۔

نہاں اندر نہاں ہے کون لاوے
غریق عشق وہ موتی اٹھاوے

ثمر ہے درد کا اب غیر کھلوے
چلو اوپر کو وہ نیچے نہ آوے
جو مرتا ہے وہی زندوں میں جاوے
جو جلتا ہے وہی مردے جلاوے
مجھے تو نے یہ دولت اے خدا دی

فسبحان الذی اخزی الاعادی

دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں ادب اور تواضع کی توفیق دے۔

دین کا دوسرا نام اخلاق فاضلہ اور اعمال حسنہ

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی سے تعلق رکھتا ہے تو اس کی کسی خوبی کو دیکھ کر تعلق رکھتا ہے۔ اگر وہ برائیوں کو دیکھتا تو کسی سے معاملہ نہ کرتا۔ یہی صفت بندہ کو اختیار کرنی چاہیئے کیونکہ تخلقوا باخلاق اللہ کا تقاضا ہے کہ وہ خدائی صفات کو اختیار کرے مگر انسان اکثر اوقات اسلام کی اس تعلیم کو بھول جاتا ہے۔ وہ دوسروں کے عیبوں کو دیکھتا ہے اور اسی پر اپنی رائے قائم کرلیتا ہے اور جب کسی کے بارے میں اپنی رائے قائم کرلے تو اسے بدلتا نہیں بلکہ اپنی تائید میں اسے بہت سی باتیں مل جاتی ہیں۔ یہی بدظنی اور عیب جوئی بدترین گناہوں میں سے ہیں اور یہ مرض بڑھتے بڑھتے اسے حقارت نفرت اور توہین پر آمادہ کر دیتا ہے اور جب دوسرے کو اس کا پتہ لگتا ہے تو اس کا رد عمل یہ ہوتا ہے کہ وہ بھی اس کا دشمن ہو جاتا ہے۔ پس دشمنی دشمنی کو پیدا کرتی ہے اور محبت محبت کو۔ کسی کی عیب چینی کرو گے تو وہ بھی تمہارے بیسیوں عیب ظاہر کردے گا اور یہ چکر چلتا رہے گا...... پس دونوں کی زندگی جہنم بن جائے گی۔

لیکن اسلام کی تعلیم تو یہ ہے کہ دوسروں کی خوبیوں کو دیکھو اور ان کا ذکر کرو کیونکہ انسان بالطبع اپنی تعریف سننے کا شائق ہے اور یہ اشتہا اس کی ختم نہیں۔ اگر تم اس عمل کو جاری کرو گے تو تم دنیا کو اپنا دوست بنالو گے۔ لوگ بھی تمہاری خوبیوں کو دیکھیں گے اور ان کو بیان کریں گے۔ پس انسان کا پیدائشی حق ہے کہ اس کا احترام کیا جائے۔ قرآن کریم میں آیا ہے ولقد کرمنا بنی آدم کہ ہم نے بنی آدم کو مکرم بنایا ہے۔ وہ پیدائشی طور پر مکرم و معظم ہے۔ اپنی تکریم چاہتا ہے۔ اگر اس کی توہین کرو گے یا اس کی بدیوں کا برملا اظہار کرو گے تو اس کی عزت نفس کو صدمہ پہنچے گا اور وہ یہ چیز ہرگز برداشت نہیں کرسکتا۔ اس کے نتیجہ میں غصہ اور لڑائی پیدا ہوتی ہے۔

پس ہر ایک کو اس کا پیدائشی حق دو۔ اگر محروم کرو گے تو تم بھی اس حق سے محروم ہو جاؤ گے۔ کروڑی خویش آمدی چیش دنیا میں ہمیشہ اس بات پر اختلاف ہوتے ہیں اور نتیجہ دشمنی، دراز دستی اور لڑائی ہوتا ہے۔ پس زمانے میں خوش زندگی گزارنے کا یہی ایک گر ہے کہ دوسروں کو خوش رکھو۔

ان کی خوبیوں کو دیکھو۔ ان کی اچھائیوں کو بیان کرو۔ ان کی تعریف کرو۔ وہ بھی تمہارا احترام اور تمہاری تعریف کریں گے اور تم سے محبت کرنے لگیں گے۔ عیب تو ہم سب میں ہیں کیونکہ ہم بشر ہیں فرشتے نہیں ہیں کہ گناہوں سے پاک ہوں۔ پس نکتہ چینی نہ کرو بلکہ نکتہ آفرینی کرو۔ ہر شخص کے متعلق جو تم نے بری رائے قائم کر رکھی ہے اسے بدل ڈالو اور یہ یقین کر لو کہ وہ تم سے بہتر ہے۔ اگر تمہارا نفس اپنے آپ کو ذلیل اور سب سے چھوٹا سمجھنے کے لئے آمادہ ہے تو تمہارے نفس کا تزکیہ ہو سکتا ہے ورنہ نہیں کیونکہ تزکیہ کے بغیر وہ قبول کئے جانے کے لائق نہیں۔ تمہارا نفس موٹا ہے اور وہ اس راستے سے نہیں گزر سکتا جو خدا تک پہنچتا ہے۔ پس شیطان کا کہنا نہ مانو۔ اس نے کہا تھا کہ میں بہتر ہوں انا خیر منہ اس لئے مردود ہو گیا تھا۔ تمہیں کیا معلوم کہ جس شخص کو تم گندا اور خراب سمجھتے ہو اس کا روحانی مقام کہاں ہے۔ خدا تعالیٰ کو اس کی کی کوئی نیکی پسند آجائے اور وہ بخشا جائے اور تم سزا کے مستوجب بن جاؤ۔ پس خدا تعالیٰ کی مخلوق سے محبت کرنا سیکھو کہ یہی نیکی ہے اور یہی خدا تعالیٰ کو پسند ہے۔ لکھا ہے کہ خالق خلق میں ہے۔ اسے ڈھونڈتا ہو تو مخلوق میں ڈھونڈو۔ مخلوق کی سچی خیر خواہی اور ہمدردی میں وہ ملتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ تم سگے بھائیوں کی طرح رہو۔ اپنے پر دوسروں کو ترجیح دو۔ ایثار اور قربانی سے کام لو۔ تب تم قبول کئے جاؤ گے۔

حضرت ابو بن ادھم ایک مشہور بزرگ گزرے ہیں۔ ایک دن خواب میں دیکھا کہ ایک فرشتہ کتاب پر کچھ لکھ رہا ہے۔ پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ کہنے لگا کہ میں اس میں وہ نام لکھ رہا ہوں جو خدا تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ اس میں میرا نام بھی ہے۔ کہنے لگا کہ نہیں۔ میں نے کہا پھر کہا ٹھیک ہے۔ میں تو ان لوگوں میں سے ہوں جو خدا کی مخلوق سے محبت کرتے ہیں۔ فرشتہ غائب ہو گیا۔ دوسرے دن پھر آیا اور اس کے پاس ایک سنہری کتاب تھی۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے۔ کہا کہ اس میں ان لوگوں کے نام ہیں جن سے خدا محبت کرتا ہے۔ میں نے پوچھا اس میں میرا نام بھی ہے۔ کہا کہ ہاں۔ دیکھا تو میرا نام فہرست میں سب سے اوپر تھا۔ پس خدا تعالیٰ کی مخلوق سے محبت خدا تعالیٰ کو پسند ہے اور وہ انہیں سے محبت کرتا ہے جو اس کی مخلوق سے محبت کرتے ہیں لیکن جو اس کی مخلوق کو ستاتا ہے ہاتھ سے' زبان سے' یا کسی اور طریق سے تو وہ ظالم ہے اور ظالم عقوبت سے بچ نہیں سکتا۔ وہ نہیں مرتا جب تک وہ اپنے ظلم کی پاداش دنیا میں نہ

بھگت لے۔ بچھو سے کسی نے پوچھا کہ تو گرمی میں تو نکلتا ہے جاڑے میں کبھی نہیں نکلتا۔ کہنے لگا کہ گرمیوں میں میری کون سی تواضع ہوتی ہے جو جاڑے میں بھی نکلوں۔ یعنی جو شخص اسے دیکھتا ہے جوتا اتار کر مارنے کے لئے دوڑ پڑتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو موذی ہے' خدا کی مخلوق کو دکھ دیتا ہے اس کے سب دشمن بن جاتے ہیں۔ یہی اس دنیا کا دستور ہے۔ پس اگر تم چاہتے ہو کہ دنیا میں آرام سے رہو اور لوگ تم سے محبت کریں تو دوسروں سے حسن سلوک کرو۔ ان کے کام کرو۔ ان کی غم خواری کرو۔ ان کے دکھوں کا مداوا کرو۔ جہاں تک بس چل سکتا ہے مال اور جان سے ان کی خدمت کرو۔ اسی میں عظمت ہے اور یہی نیکی ہے اور یہی عمل خدا کو پسند ہے۔ تمہارے محلہ میں ایسے بہت سے لوگ ہوں گے جو تمہاری امداد اور دستگیری کے محتاج ہوں گے۔ ان کا پتہ لگاؤ۔ ایسے مواقع ہاتھ سے نہ جانے دو۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو جنت میں پھرتے دیکھا۔ پوچھا کہ یہ مقام کیسے ملا۔ عرض کی کہ ایک جھاڑی کو راستے سے ہٹایا تھا جو لوگوں کو تکلیف دیتی تھی۔ اس فعل کی اللہ تعالیٰ نے قدر کی اور جنت دے دی۔ پس انسان اسی لئے دنیا میں آیا ہے کہ انسانیت اور اخلاق سیکھے۔ خدا کی مخلوق سے مل جل کر رہے۔ ایک دوسرے کے کام آئے اور مرنے کے بعد نیک نام دنیا میں چھوڑ جائے۔ یاد رکھو کہ دنیا میں نیک نام وہی لوگ گزرے ہیں جو خلق خدا کی خدمت کرتے تھے اور خدا کے احکام کی تعظیم کرتے تھے۔ ان کا نام آج دنیا عزت سے لیتی ہے۔ ان کی خاک کی بھی قدر کرتی ہے اور ان کے مزاروں پر عقیدت کے پھول چڑھاتی ہے۔ پس احترام آدمیت سیکھو کہ یہی اسلام ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے کہ جو کام اپنے لئے پسند کرتے ہو دوسروں کے لئے بھی وہی پسند کرو اور سچ پوچھو تو یہی اسلام کا خلاصہ ہے۔ حضورؐ نے ایک جملہ ارشاد فرمایا ہے ہم میں سے کون ہے جو اپنی توہین اور ذلت پسند کرتا ہے۔ جب ہم پسند نہیں کرتے تو دوسروں کی توہین اور تذلیل کو کیوں پسند کرتے ہیں۔ کیا ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہمارے قصور معاف کئے جائیں تو پھر ہم دوسروں کے قصور کیوں معاف نہیں کرتے۔ پس یہاں تو سودا نقد بہ نقد ہے۔ جو کرو گے وہی بھرو گے۔ محبت کرو گے تو محبت کاٹو گے' دشمنی کرو گے تو دشمنی پیش آئے گی۔ ایذاء دو گے تو تم بھی ایذاء سے محفوظ نہ رہ سکو گے۔ مکافات عمل کا یہی چکر چلتا رہتا ہے۔ پس تمام بد اخلاقیاں چھوڑ دو اور خدا کی مخلوق سے حسن سلوک کرو۔ جب کوئی گنہگار تمہارے سامنے آئے تو دیکھو کہ اس کی خطا زیادہ ہے یا عفو

کرم واعفوا واصفحوا کی صفت کو اپناؤ۔ اپنی بزرگی کو دیکھ کر دوسروں کی تعظیم کرو۔ اخلاق فاضلہ سے لوگوں کے دلوں کو مسخر کرو۔ یہی سب سے بڑی تبلیغ ہے اور اسی سے احمدیت پھیلے گی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس بارہ میں تعلیم کو ہر وقت مدنظر رکھو۔ فرماتے ہیں:-

"میں نصیحت کرتا ہوں کہ شر سے پرہیز کرو اور نوع انسانی کے ساتھ حق ہمدردی بجالاؤ اور اپنے دلوں کو بغضوں اور کینوں سے پاک کرو کہ اس عادت سے تم فرشتوں کی طرح ہو جاؤ گے۔ کیا ہی گندا اور ناپاک مذہب وہ ہے جس میں انسان کی ہمدردی نہیں اور کیا ہی ناپاک وہ راہ ہے جو نفسانی بغض کے کانٹوں سے بھری ہے۔ سو تم جو میرے ساتھ ہو ایسے مت بنو۔ تم سوچو کہ مذہب سے کیا حاصل ہے؟ کیا یہی کہ ہر وقت مردم آزاری تمہارا شیوہ ہو۔ نہیں بلکہ مذہب اس زندگی کے حاصل کرنے کے لئے ہے جو خدا میں ہے اور وہ زندگی نہ کسی کو حاصل ہوئی اور نہ آئندہ ہوگی بجز اس کے کہ خدائی صفات انسان کے اندر داخل ہو جائیں۔ خدا کے لئے سب پر رحم کرو تا آسمان سے تم پر رحم ہو......"۔

خدا تعالیٰ ہمیں ایسا ہی بناوے۔ آمین۔

دیکھا تو خاکسار ہی عالی مقام ہیں
جوں جوں بلند ہوئے پستی نظر پڑی

دین کا نام اخلاق حسنہ اور اعمال حسنہ

یہ صحیح ہے کہ اخلاق کا درجہ عبادت سے بلند ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے ترازو میں سب سے زیادہ وزن حسن خلق کا ہے۔ یہی نیکی ہے اور اسی چیز کی قیمت پڑے گی۔ دین کا دوسرا نام حسن اخلاق ہے۔ دین اس لئے آتا ہے تا انسانوں کے اخلاق درست ہوں۔ انبیاء کے آنے کی غرض ہی اخلاق سکھانا ہے۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ میں اخلاق فاضلہ کی تکمیل کے لئے آیا ہوں۔ جس طرح حضور خاتم النبیین ہیں اسی طرح خاتم الاخلاق بھی ہیں۔ اسی لئے انہوں نے انک لعلی خلق عظیم کا لقب پایا۔ ایک اور موقع پر فرمایا کہ ایمان کامل اس کا ہے جس کے اخلاق اچھے ہیں۔ جو اخلاق سے تہی ہے وہ روحانیت سے تہی ہے اور جس میں روحانیت نہ ہو اسے دل کی پاکیزگی نہیں ملتی اور جب تک دل پاک نہ ہو نجات مشکل ہے۔ جاننا چاہیئے کہ اخلاق کسے کہتے ہیں۔ اخلاق نام ہے خندہ پیشانی سے ملنے کا' خدا کی راہ میں اس کی مخلوق پر خرچ کرنے کا اور بنی نوع انسان کی سچی ہمدردی اور خیر خواہی کا۔ دوسرے لفظوں میں اخلاق انسانوں سے حسن سلوک کرنے اور ان کی خدمت کرنے کا نام ہے۔ لکھا ہے کہ دنیا کی ہر ایک چیز انسان کے لئے ہے۔ لیکن انسان دوسروں کی خدمت کے لئے ہے دیکھو انسان مر کر تو کسی کام نہیں آتا تو اس کی زندگی عبث ہے۔ پس انسانوں کی بے غرض خدمت کرنا ہی اصل انسانیت ہے اسی لئے حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو انسان دوسرے کی پریشانی یا مصیبت دور کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی پریشانی اور مصیبت قیامت کے دن دور کرے گا جو کسی کے عیب پر پردہ ڈالے گا اللہ تعالیٰ بھی اس کے عیوب پر پردہ ڈالے گا اور جو کسی کو سہارا دینے میں لگا رہتا ہے۔ خدا تعالیٰ بھی اس کو سہارا دینے میں لگا رہتا ہے۔ پس اصل دین تو خدمت خلق ہے۔ اسی لئے انبیاء آتے ہیں کہ لوگوں کو اخلاق فاضلہ سکھائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اخلاقی قوت سے لوگوں کو گرویدہ کیا اور عرب جیسی اجڈ قوم کو تھوڑے عرصہ میں با اخلاق قوم بنا دیا۔ پس یاد رکھو کہ چند میٹھے بول اور عملی خیر خواہی دوسرے کی کایا پلٹ کر رکھ دیتی ہے اور یہی سب سے

بڑی کرامت ہے لکھا ہے کہ ایک یہودی عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر روزانہ راکھ ڈالا کرتی تھی اور یہی اس کا معمول تھا آپ خاموشی سے گزر جاتے۔ چند دن راکھ نہ آئی۔ حضور نے پوچھا کہ بات کیا ہے۔ بتلایا گیا کہ حضور وہ عورت بیمار ہے۔ آپ اس کی عیادت کو چلے جاتے ہیں وہاں جا کر خیریت دریافت کرتے ہیں دعا بھی کرتے ہیں اور علاج کے لئے مالی مدد بھی کرتے ہیں وہ عورت اس حسن خلق کو دیکھ کر حیرت میں پڑ جاتی ہے کہ کہاں اس کا فعل اور کہاں یہ عظیم ہستی۔ ایسا انسان کبھی جھوٹا نہیں ہو سکتا اسی وقت حلقہ بگوش اسلام ہو جاتی ہے نہ اپنے خاوند کی مخالفت کی پرواہ کرتی ہے' نہ بچوں' عزیزوں اور رشتہ داروں کا خیال اسے روکتا ہے۔ بلکہ سب رو کیں اٹھ جاتی ہیں اور ہمیشہ کے لئے محبت کی اسیر ہو جاتی ہے۔ پس اخلاق فاضلہ ایسا ہتھیار ہے جو کبھی خالی نہیں جاتا۔

پس میرے عزیزو اور بھائیو! اخلاق فاضلہ سے اور سچی خیر خواہی سے دوسروں کے دلوں میں محبت پیدا کرو اور اس حلقہ کو ایسا وسیع کرو کہ ہر طرف لوگ آپ سے محبت کرنے والے ہوں۔ آپ کے پسینہ پر خون بہانے کے لئے تیار ہوں اور آپ کے لئے دیدہ و دل فرش راہ کرنے والے ہوں تو اس کے لئے جنت نہیں تو اور کیا ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ مومن کے لئے دو جنتیں ہیں ایک اس دنیا کی جنت اور ایک دوسرے جہان کی جنت اور جو شخص کڑوے بول سے' نکتہ چینی' عیب جوئی' بد زبانی' نفرت اور حقارت سے لوگوں سے معاملہ کرتا ہے وہ اپنے دشمن خود آپ بناتا ہے اور جس کے ہر طرف دشمن ہوں اس کے لئے جنت کہاں ہے اس کے لئے تو اس جہان میں بھی دوزخ ہے اور اس جہان میں بھی دوزخ اسی لئے کہتے ہیں کہ اگر تم خوش رہنا چاہتے ہو تو دوسروں کو خوش رکھو۔ دوسروں کو ناراض کر کے تم کبھی بھی خوش نہیں رہ سکتے۔

پس لوگوں کے عیبوں کو نہ دیکھو بلکہ ان کی خوبیوں کو دیکھو اور اپنے عیبوں کو دیکھو جو اتنے زیادہ ہیں کہ اگر وہ دنیا کے سامنے ظاہر ہو جائیں تو لوگ تم کو منہ بھی نہ لگائیں۔ اللہ تعالیٰ کی ستاری ہے جو ڈھانپے رکھتی ہے اور پردہ دری نہیں کرتی اگر اپنی بدیوں پر نظر کرنا معمول بنالو تو تمہاری دنیا ہی بدل جائے۔ کسی نے بالکل سچ کہا ہے۔

جب اپنے آپ سے تھے بے خبر' رہے ڈھونڈتے لوگوں کے عیب و ہنر

پڑی اپنی برائیوں پہ جونہی نظر' تو دنیا میں کوئی برا نہ رہا

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ بد ظنی نہ کرو۔ تجسس نہ کرو۔ غیبت نہ کرو۔ الزام تراشی، تمسخر، استہزاء ایذاء رسانی سب چھوڑ دو کیونکہ یہ بد اخلاقیاں بد ترین گناہوں میں سے ہیں۔ ان سے دوسروں کی خوداری کو صدمہ پہنچتا ہے ہر گناہ کی توبہ ہے لیکن بد اخلاقی کی توبہ نہیں اس کی ضرور اس دنیا میں سزا ملے گی۔ وہ نہ مرے گا جب تک اس کی سزا نہ بھگت لے۔ ہر شخص اس معاملہ میں صاحب تجربہ ہے۔ مزید تشریح کی ضرورت نہیں۔ پس اسلام کی تعلیم یہی ہے کہ تمام بدخلقیاں چھوڑ دو اور ان کی بجائے دوسروں کو اپنے آپ سے بہتر خیال کرو کیونکہ تمہیں کیا معلوم کہ جس شخص کی نسبت تم بد ظنی کرتے ہو، یا اس کی عیب جوئی کر رہے ہو، یا اس سے بغض اور حسد رکھتے ہو اس کا روحانی مقام تم سے بلند ہو۔ وہ تو بخشا جائے اور تم دھر لئے جاؤ۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک شخص تھا اس نے کسی دوسرے کو گنہگار دیکھ کر خوب نکتہ چینی کی اور کہا کہ یہ دوزخ میں جائے گا۔ قیامت کے دن خدا تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ کیوں تجھے میرے اختیارات کس نے دے دیئے تھے۔ دوزخ اور بہشت میں بھیجنے والا تو میں ہوں تو کون ہے جا میں نے تجھے دوزخ میں ڈالا اور اس گنہگار کو بہشت میں۔ بقول حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔

بدتر بنو ہر ایک سے اپنے خیال میں
شاید اسی سے دخل ہو دارالوصال میں

اپنے آپ کو ہر ایک سے کمتر خیال کرو تب قبول کئے جاؤ گے شیطان کی طرح انا خیر منہ نہ کہو کہ وہ مردود ہو گیا تھا مبارک ہیں وہ لوگ جو اپنے تئیں سب سے ذلیل اور چھوٹا سمجھتے ہیں۔

کبیرا اچھا ہوا ہم نجے بھلے سب کو کریں سلام
جے ہوتے گھر اونچ کے کہاں ملتا بھگوان

پس مسلمان وہ ہے جس کی زبان سے اور ہاتھ سے دوسرا مسلمان محفوظ ہے اگر تم دوسروں کو ایذاء دو گے یا ان کے دل دکھاؤ گے تو خود بھی ایذاء سے محفوظ نہ رہ سکو گے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق بہت پیاری ہے جو اس مخلوق کو ستائے گا وہ اس کی پاداش سے بچ نہ سکے گا۔ اس کی کوئی نیکی قبول نہ ہوگی کیونکہ شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ لوگوں کو ایذاء دینا ہے۔

ہزار گنج عبادت ہزار گنج کرم

ہزار طاعت شب ہا ہزار بیداری
ہزار روزہ و تسبیح و صد ہزار نماز
قبول نیست اگر خاطر میانہ روی

پس تیری حیات کا مقصد یہ ہو کہ تیرے وجود سے دنیا فائدہ اٹھائے اسے سکھ اور آرام ملے تو نافع الناس ہو۔ بھولے بھٹکوں کو راہ دکھائے۔ زخم خوردوں کی مرہم پٹی کرے۔ غریبوں کو اپنے سینہ سے لگائے۔ یعنی خدا تعالٰی کی صفات کا مظہر بن جائے۔ اگر تو ایسا کرے گا تو دن کو اپنے خدا کو پالے گا اور جسے وہ مل جائے اسے حیات ابدی مل گئی۔

تبلیغی جماعت کے افراد کے لئے تو اور بھی زیادہ ضروری ہے کہ وہ اخلاق فاضلہ کی مدد سے لوگوں کے دلوں میں راہ پیدا کریں۔ اخلاق کی قوی سطح کو بلند رکھیں کہ یہی سب سے بڑی تبلیغ ہے۔ دیکھو ہل چلائے بغیر زمین میں کاشت نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح جب تک اخلاق فاضلہ کی مدد سے لوگوں کے دلوں کو نرم نہ کرو گے تبلیغ کا بیج ضائع کیا جائے گا۔ پس جیت اس قوم کی ہے جو ایثار اور قربانی کو اپنا شعار بنائے۔

"لطف میں لطف کہ بیگانہ شود" حلقہ بگوش اور سرداری اس کو ملتی ہے جس کا شیوہ خدمت خلق ہو۔ ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد۔ یہی دین ہے اور یہی اسلام ہے۔

حسن حقیقی کی تجلی

اس جہان رنگ و بو میں ہر طرف اللہ تعالیٰ کے حسن کے جلوے ہیں اور وہ ہر جگہ اپنی صفات کے ذریعہ آشکار ہے۔ کائنات کے ذرہ ذرہ میں اس کے حسن کی جلوہ گری ہے۔ وہ زمین و آسمانوں کا نور ہے اور اس کی صفات بھی حسین ہیں گو پردہ میں ہے لیکن بے شمار صورتوں میں وہ عیاں بھی ہے کسی نے سچ کہا۔

ہزاروں صورتیں ہیں تیرے حسن ناز پرور کی
کہیں گفتار بن جائے کہیں رفتار بن جائے

ادھر انسانی فطرت میں اس نے حسن فطرت کی تلاش اور جستجو کا مادہ رکھ دیا ہے اس کا جذبہ جمال پسندی اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ حسن فطرت کو دیکھے اور اس سے محبت کرے۔ کروڑوں کروڑ انبیاء صلحاء اور اخیار و ابرار نے خدا تعالیٰ کے حسن کے جلوے دیکھے اس کی ہمکلامی سے مشرف ہوئے اور اس کی محبت میں فنا ہو گئے وہ دنیا میں رہے لیکن ان کی دنیا الگ تھی۔ ان کا اوڑھنا بچھونا خدا تعالیٰ کی محبت تھی اور یہ سچ ہے کہ خدا تعالیٰ کی محبت کے سامنے دنیا جہان کی نعمتیں اور لذتیں ہیچ ہیں۔ جنت تو اللہ تعالیٰ کے قرب کا نام ہے محبوب راضی ہو اور اس سے راز و نیاز ہو تو یہی جنت ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ۔

اس رخ کا دیکھنا ہی تو ہے اصل مدعا
جنت بھی ہے یہی کہ ملے یار آشنا

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والوں کو جنت میں خدا تعالیٰ کا دیدار یا اس کی ہمکلامی کی نعمت نہ ملی تو وہ اس جنت کو چھوڑ دینے کی استدعا کریں گے۔ کیونکہ اس کی جنت تو دید دوست ہے اور اس سے ہمکلامی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی محبت اپنے بندوں پر

یہ سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والوں کو اس کی مخلوق سے بھی محبت ہوتی ہے کیونکہ جس

چیز کا محبوب کی ذات سے تعلق ہو وہ بھی محبوب ہوتی ہے اور اس سے اسے اپنے محبوب کی خوشبو آتی ہے۔ کہتے ہیں کہ قیس لیلیٰ کے گھر کے کتے کو بھی پیار کرتا تھا کہ یہ بھی اس سے نسبت رکھتا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ عشق کی ساری کیفیتیں تو محبوب کی یاد سے وابستہ ہوتی ہیں۔ جو چیز دوست کی یاد دلائے اس کے غم کو تازہ کر دے اس کی اداؤں کی غماز بن جائے وہی عشق کی نگاہ میں مرغوب و مطلوب ہوتی ہے۔ انسان پیکر محسوس سے محبت کرنے کا خوگر ہے۔ اگر کسی انسان میں حسن ازل کی تمام صفات جلوہ گر ہوں تو نسل انسانی کے لئے اس سے محبت کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو حضور ﷺ سے عشق تھا اور وہ اتنا بڑھا ہوا تھا کہ حضور ﷺ کے وضو کے پانی کو اپنی آنکھوں میں لگاتے اور سینہ پر ملتے تھے۔ حضور ﷺ کے پس خوردہ کے لئے بے تاب رہتے تھے۔ یہ عشق اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے حسن حقیقی کی جلوہ گری اس وجود میں دیکھ لی تھی۔ وہ وجود اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہراتم تھا۔ اس میں وہی حسن' وہی ادائیں انہیں نظر آئیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور رحمانیت کا پیکر مجسم عفو و درگزر کا شاہکار' مخلوق کی ہمدردی اور شفقت میں سراسر گداز خیر خواہی و غم خواری کا مکمل مجسمہ تھا۔ غرض اللہ تعالیٰ کی ہر صفت اس وجود میں پوری شان سے جلوہ گر تھی اسی لئے تو وہ حسن ازل کے عاشق تھے۔ بیشتر صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے گھربار اور وطن چھوڑ کر اصحاب الصفہ بن گئے اور ان کی غذا صرف اور صرف دید دوست تھی۔ حسن حقیقی نے انہیں اپنے جلوؤں کے لئے روک رکھا تھا ان کو دنیا کے کاروبار سے ہٹا کر اپنے لئے خاص کر لیا تھا۔ دید دوست سے دوری ان کے لئے ایک ایسی قضا تھی جو پھر کسی صورت ادا نہ ہو سکتی تھی۔ اس ذات کے لئے سر کٹانا اپنی سعادت اور خوش بختی سمجھتے تھے اور اس راہ میں شہید ہو جانا ان کے لئے مراد کو پہنچ جانا تھا۔ حسن صرف پرستش ہی نہیں چاہتا اطاعت بھی چاہتا ہے۔ غرض صحابہ نے اطاعت' اخلاص اور وفا میں ایسا اعلیٰ نمونہ دکھلایا جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر صحابہ رضی اللہ عنہم غم میں ڈوبے ہوئے تھے کہ حضور ﷺ نے کفار سے دب کر صلح کی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا۔ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کا وعدہ نہ تھا۔ ولتدخلن المسجد الحرام انشاء اللہ....الخ پھر صلح کی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ فرمایا خدا تعالیٰ کی منشاء واپس چلے جانے میں ہے۔ قربانیوں کو ذبح کرنے کا حکم دیا۔ صحابہ

ﷺ نے وفور غم سے سنی ان سنی کردی۔ حضرت ام سلمیٰ ؓ نے کہا۔ حضور ﷺ قربانی کردیں اس پر صحابہ ؓ نے جلدی سے قربانیاں ذبح کردیں اور بال منڈوائے۔ یہ عشق و محبت کا مظاہرہ تھا کہ محبوب ایک کام کرے اور محب نہ کرے محبت کا یہ عالم تھا کہ جب حضور ﷺ کو صوم وصال میں دیکھتے تو خود بھی افطاری نہ کرتے۔ تہجد حضور ﷺ کے ساتھ پڑھنے کے لئے آتے۔ مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر شروع ہوئی تو حضور ﷺ نے خود ٹوکری لی اور کام کا آغاز کیا صحابہ ؓ دیوانہ وار آئے اور تعمیر میں لگ گئے۔ محبوب بیشمار ہے مکتب عشق میں ایسا دستور نہیں بلکہ۔

مکتب عشق میں ہے سب سے نرالا دستور
اس کو چھٹی نہ ملی جس کو سبق یاد رہا

صلح حدیبیہ کا معاہدہ لکھا۔ مابین محمد رسول اور قریش مکہ۔ کفار نے اعتراض کیا کہ "رسول اللہ" کا لفظ مٹا دیا جائے۔ ہم رسول مانتے تو جھگڑا کاہے کو تھا۔ حضرت علی ؓ کو حکم دیا۔ مٹا دو لیکن محبت پر غیرت کا تقاضا غالب آیا۔ تامل کیا۔ حضور ﷺ نے خود [illegible] مٹا دیا۔ محب تو چاہتا ہے کہ محبوب کا نام بلند ہو۔ اس کی عظمت ہو۔ لیکن یہاں یہ الفاظ مٹانے کے پسند تھے۔

حضرت مسیح موعودؑ اور حسن حقیقی

پھر اس حسن ازل کی جلوہ گری اسی شان سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وجود میں نظر آئی اور پھر اس نے اس طرح اپنے عاشق اور شیدائی پیدا کئے۔ جنہوں نے صحابہ والے کام کئے۔ اسی طرح کے اصحاب الصفہ ملے جو گھر بار اور وطن چھوڑ کر دیار محبوب میں دھونی رما کر بیٹھ گئے ان کا کام سوائے تعمیل ارشاد کے اور کچھ نہ تھا وہ اس حسن کے بھوکے اور گفتار کے پیاسے تھے ان میں سے بعضوں نے جانیں دے دیں۔ بعض اس عشق کی وجہ سے دکھ دیئے گئے اور ستائے گئے بعض اولاد اور اعضاء سے محروم کئے گئے اور بعضوں نے اپنے تمام مال و املاک در حبیب پر نچھاور کردیے اور یہی سمجھا کہ ابھی عشق کا حق ادا نہیں ہوا۔ تفصیل کی گنجائش نہیں یہ سب کچھ اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے اس ذات میں حسن حقیقی کو پا لیا تھا گویا ان کو سبھی کچھ مل گیا ان کا معاملہ۔۔۔

"غم کیا ہے [illegible] دونوں جہان مل گئے"

والا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے کسی اور چیز کی خواہش ہی نہ کی اور اسی زلف کے ہو گئے۔ گویا ان کی روح اس حسن کا طواف کرتی تھی جیسے پروانہ شمع کے گرد چکر لگاتا ہے۔ ان کے لئے بارگاہ جمال سے ایک لحظہ کے لئے دوری گناہ تھی۔ حضرت مولوی نور الدین صاحب فرمایا کرتے تھے کہ:

"مجھے وہ ملا ہے جو تیرہ سو برس آرزو کرنے والوں کو نہیں ملا پھر میں ایسی بے بہا دولت کو چھوڑ کر چند روزہ دنیا کے لئے مارا مارا پھروں میں سچ کہتا ہوں کہ اگر مجھے کوئی ایک لاکھ یا ایک کروڑ روپیہ بھی یومیہ دیوے اور قادیان سے باہر رکھنا چاہئے۔ میں نہیں رہ سکتا اب میں تمام دوسری ضرورتوں کو ایک وجود پر قربان کرتا ہوں۔"

اور بزبان حضرت مسیح موعود علیہ السلام ان کی حالت اس شعر کے مصداق تھی۔۔

یک قدم دوری ازاں عالی جناب
نزد ما کفر است و خسران و تباب

غرض ان عاشقان زار کے جذبہ فدائیت اور للہیت کی پوری تصویر قلم سے کھینچنا ممکن نہیں۔ اس کیفیت اور لذت کا وہی اندازہ لگا سکتے ہیں جنہیں یہ فیض صحبت ملی تھی ان میں سے صرف ایک کا ذکر کر دیتا ہوں۔ حضرت منشی ظفر احمد صاحب حضور کے عاشق زار تھے۔ یہ عشق انہیں اکثر و بیشتر کپور تھلہ سے قادیان لے جاتا اور جب حضور کی محبت اور قرب میسر ہوتا تو دنیا و مافیہا کو بھول جاتے گھر واپس جانے کا نام نہ لیتے اور یہ سچ ہے کہ جب حسن و عشق ملیں تو تپیدہ دل کو قرار آجاتا ہے۔ پھر جدائی ناقابل برداشت ہو جاتی ہے فرماتے ہیں کہ ایک دن میں قادیان تھا۔ حضور مسجد اقصیٰ میں تقریر فرما رہے تھے مجھے اچانک درد گردہ شروع ہو گئی۔ میں سخت بیزار تھا حضور کی نظر مجھ پر پڑ گئی۔ معلوم کر لیا کہ تکلیف ہے اور جب میری تکلیف زیادہ بڑھی تو میں وہاں سے اٹھ کر مکان پر چلا آیا حضور نے مولوی نور الدین صاحب کو بھیجا کہ جا کر دوائی دیں۔ ان دنوں میں پیر سراج الحق صاحب کے مکان پر ٹھہرا ہوا تھا۔ مولوی صاحب کی دوائی سے آرام نہ آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد حضور خود تشریف لائے مجھے دیکھا اور دوا دی۔ پھر دو تین دفعہ گھر سے دوائی بنا کر لائے اور فرمایا مجھے سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے تکلیف ہوتی ہے آپ وہاں آجائیں۔

مجھے مولوی عبد اللہ صاحب سنوری ساتھ لے کر چلے جب میں سیڑھیوں پر پہنچا۔ دو دفعہ دعا کی۔ منشی عبد اللہ صاحب نے کہا کہ میں بتاؤں کہ آپ نے کیا دعا کی تھی۔ میں نے کہا۔ ہاں۔ کہا

کہ آپ نے یہ دعا کی ہے کہ بیماری لمبی ہو جائے جلدی آرام نہ ہو۔ حضور کی تیمارداری کا لطف اٹھاؤں میں نے کہا واقعی یہی دعا کی تھی۔ جب ہم اندر گئے تو حضور کھانا کھا رہے تھے۔ سالن‘ دال‘ مولی اور سرکہ ہم نے ریزے اٹھائے اور کھائے۔ حضور ہنستے رہے۔ تھوڑی دیر ایک کے بعد آرام آیا۔ حالانکہ وہ ریزے میرے لئے مضر تھے۔ اسہال کی دوائی لی ہوئی تھی۔ اتنے میں ظہر کی اذان ہوئی۔ حضور نماز کے لئے چلے گئے ہم بھی پیچھے نماز میں جا شامل ہوئے۔ جب نماز کے بعد سلام پھیرا تو مجھے دیکھا اور نبض بھی دیکھی۔ فرمایا اب تو آرام ہے۔ میرا بخار بھی اتر گیا تھا لیکن میں نے کہا۔ حضور اب بخار باہر نہیں اندر ہے اس پر ہنس کر فرمایا کہ اچھا آپ اندر آ جائیے۔‘ غرض میں ایک دو دن حضور کی تیمارداری کے مزے لیتا رہا اور میری بیماری میرے کام آ گئی۔

تم پاس تھے تو درد جگر میں کمی رہی
دل میں تمہارے جلوؤں سے تابندگی رہی
جب تک تمہاری یاد کا دل میں گزر رہا
ہر غم سے بے نیاز میری زندگی رہی

پس ان صحابہ کرام کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مبارک وجود میں حسن ازلی نظر آیا۔ اسی لئے وہ اسی پر فدا ہو گئے۔ دراصل یہ حسن حقیقی کی تجلی تھی جو اپنا کام کر گئی۔ یہ حسن کی مرضی ہے کہ وہ اپنی تجلی کے لئے وادی بطحا کو چنے یا طور کی پہاڑی کو۔ یا عاشقوں کے قلب و جگر کو یہ حسن کا کام ہے کہ جہاں چاہئے اور جسے چاہئے سرفراز کرے۔ یہ تجلی ہر زمانہ میں ہوتی رہی ہے۔ اور اب بھی اس کے خاص بندوں پر جلوہ گر ہے۔ لیکن دنیاداروں کی آنکھیں اسے نہیں دیکھ سکتیں۔ یہ حسن صرف بصیرت رکھنے والوں کو نظر آتا ہے کور چشموں کو نظر نہیں آتا۔

قصور اپنی نظر کا ہے وگرنہ
کہاں وہ یار جلوہ گر نہیں ہے
عیاں ہو کر بھی وہ پردہ نشیں ہے
ادا اس کی یہ کتنی دل نشیں ہے

حسن ازل اور اس کی جلوہ گری

قرآن کریم میں ہے اللہ نور السموات والارض یعنی اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ سراپا حسن و نور ہے اور اس کی صفات بھی حسین ہیں کائنات کے ذرہ ذرہ میں اس کے حسن کی جلوہ گری ہے پہاڑ ہوں یا کہسار، دریا ہوں یا آبشار، مرغزار ہوں یا لہلہاتے کھیت ہوں یا درختان میوہ دار غرض اس جہان مرغ و ماہی میں ہر طرف اس کے حسن کے جلوے ہی جلوے ہیں۔ اور وہ ہر جگہ اپنی صفات کے ذریعہ آشکار ہے کسی نے صحیح کہا ہے۔

ہزاروں صورتیں ہیں تیرے حسن ناز پرور کی
کہیں گفتار بن جائے کہیں رفتار ہو جائے

ادھر انسانی فطرت میں اس نے حسن ازل کی تلاش اور جستجو کا مادہ رکھ دیا ہے اس کا جذبہ جمال پسندی اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ حسن فطرت کو دیکھے اور اس سے محبت کرے۔ کروڑوں کروڑ انبیاء صلحاء اور عارفین نے خدا تعالیٰ کے حسن کے جلوے دیکھے اس کی ہمکلامی سے مشرف ہوئے اور اس کی محبت میں فناء ہو گئے۔ وہ دنیا میں رہے۔ لیکن ان کی دنیا الگ تھی ان کا اوڑھنا اور بچھونا خدا تعالیٰ کی محبت تھی اور یہ صحیح ہے کہ خدا تعالیٰ کی محبت کے سامنے دنیا جہان کی نعمتیں اور لذتیں ہیچ ہیں۔ جنت تو اللہ تعالیٰ کے قرب کا نام ہے۔ محبوب راضی ہو اور اس سے راز و نیاز ہو۔ تو یہی جنت ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والوں کو جنت میں خدا تعالیٰ کا دیدار یا اس کی ہم کلامی کی نعمت نہ ملی تو وہ اس جنت کو بھی چھوڑ دینے کی استدعا کریں گے۔ غالب نے سچ کہا ہے۔

سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب درست
لیکن خدا کرے وہ تیری جلوہ گاہ ہو

اور یہ بھی صحیح ہے کہ اللہ والوں کو اس کی مخلوق سے بھی محبت ہوتی ہے۔ کیونکہ جس چیز کا محبوب کی ذات سے تعلق ہو وہ بھی محبوب ہوتی ہے۔ اور اس سے اسے اپنے محبوب کی خوشبو آتی ہے کہتے ہیں کہ قیس لیلیٰ کے گھر کے کتے کو بھی پیار کرتا تھا۔ کہ یہ بھی اس سے نسبت رکھتا

ہے اور یہ حقیقت ہے کہ عشق کی ساری کیفیتیں تو محبوب کی یاد سے وابستہ ہوتی ہیں جو چیز دوست کی یاد دلائے اس کی غم کو تازہ کردے اس کی اداؤں کی غماز بن جائے۔ وہی عشق کی نگاہ میں مرغوب و مشروب ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو حضور ﷺ سے عشق تھا۔ اور وہ اتنا بڑھا ہوا تھا کہ حضور ﷺ کے وضو کے پانی کو اپنی آنکھوں میں لگاتے اور سینہ پر ملتے تھے۔ حضور ﷺ کے پس خوردہ کے لئے بے تاب رہتے تھے یہ عشق اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے حسن ازل کی جلوہ گری اس وجود میں دیکھ لی تھی وہ وجود اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر اتم تھا اس میں انہیں وہی حسن وہی ادائیں نظر آئیں وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور رحمانیت کا پیکر مجسم عفو و درگزر کا شاہکار۔ مخلوق کی ہمدردی اور شفقت میں سراسر گداز اور ان کے لئے خیر خواہی اور غم خواری کا مکمل مجسمہ تھا۔ غرض اللہ تعالیٰ کی ہر صفت غفاری' ستاری' کریمی' رؤوفی اور رحیمی اس وجود میں پورے شان سے جلوہ گر تھی۔ اسی لئے تو وہ حسن ازل کے عاشق تھے۔ بیشتر صحابہؓ اپنے گھر بار اور وطن چھوڑ کر اصحاب الصفہ بن گئے۔ اور ان کی غذا صرف اور صرف دید دوست تھی۔ حسن حقیقی نے انہیں اپنے جلوؤں کے لئے روک رکھا تھا۔ ان کو دنیا کے کاروبار سے ہٹا کر اپنے لئے خاص کر لیا تھا۔ دید دوست سے ایک لحہ کے لئے دوری ان کے نزدیک ایسی قضا تھی جو پھر کسی صورت ادا نہ ہو سکتی تھی۔ اس ذات کے لئے سر کٹانا اپنی سعادت اور خوش بختی سمجھتے تھے۔ اور اس راہ میں شہید ہو جانا ان کے لئے مراد کو پہنچ جانا تھا۔ حسن صرف پرستش ہی نہیں چاہتا۔ اطاعت بھی چاہتا ہے۔ غرض صحابہ رضی اللہ عنہم نے اطاعت اخلاص اور وفا میں ایسا اعلیٰ نمونہ دکھلایا۔ جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔

پھر اسی حسن ازل کی جلوہ گری اور اسی شان سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وجود میں نظر آئی اور پھر اس نے اس طرح اپنے عاشق اور شیدائی پیدا کئے۔ جنہوں نے صحابہ والے کام دکھلائے۔ اسی طرح کے اصحاب الصفہ ملے جو اپنے گھر بار اور وطن کو چھوڑ کر دیار محبوب میں دھونی رما کر بیٹھ گئے۔ ان کا کام سوائے تعمیل ارشاد کے اور کچھ نہ تھا۔ وہ اس منہ کے بھوکے اور گفتار کے پیاسے تھے۔ ان میں سے بعضوں نے جانیں دے دیں۔ بعض اس عشق کی وجہ سے دکھ دیئے گئے۔ اور ستائے گئے بعض اولاد اور اعزاء سے بے نصیب کئے گئے۔ اور بعضوں نے اپنے تمام مال و املاک در حبیب پر نچھاور کر دیئے اور یہی سمجھا کہ ابھی عشق کا حق ادا

نہیں ہوا۔ یہ سب کچھ اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے اس ذات میں حسن حقیقی کو پالیا۔ گویا ان کو سبھی کچھ مل گیا۔ ان کا معاملہ۔۔۔

تم کیا ملے کہ دونوں جہان مل گئے مجھے

والا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے اور کسی چیز کی خواہش ہی نہ کی اور اس ذات کو ہو گئے۔۔

پا لیا سب کچھ نگہ یار میں

مے کشوں نے توڑ کر جام دیا سبو

گویا ان کی روح اس حسن کا طواف کرتی تھی۔ جیسے پروانہ شمع کے گرد چکر لگاتا ہے۔ ان کے لئے دوری گناہ تھی۔ حضرت مولوی نورالدین رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ

"مجھے وہ ملا جو تیرہ سو برس آرزو کرنے والوں کو نہیں ملا۔ پھر میں ایسی بے بہا دولت کو چھوڑ کر چند روزہ دنیا کے لئے مارا مارا پھروں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر مجھے کوئی ایک لاکھ یا ایک کروڑ روپیہ بھی یومیہ دیوے اور قادیان سے باہر رکھنا چاہے۔ میں نہیں رہ سکتا۔ اب میں تمام دوسری ضرورتوں کو ایک وجود پر قربان کرتا ہوں"

اور زبان حضرت مسیح موعود ان کی حالت اس شعر کے مصداق تھی۔

یک قدم دوری ازاں عالی جناب

نزد ما کوہ است و خسران و تباب

غرض ان عاشقان زار کی اس کیفیت اور لذت کا وہی اندازہ لگا سکتے ہیں جنہیں یہ فیض صحبت ملی تھی۔ حضرت منشی ظفراحمد صاحب حضور کے عاشق تھے۔ عشق انہیں اکثر و بیشتر کپور تھلہ سے قادیان لے جاتا۔ اور جب حضور کی صحبت اور قرب میسر ہوتا تو دنیا و مافیہا کو بھول جاتے۔ گھر واپس جانے کا نام نہ لیتے اور یہ سچ ہے کہ جب حسن و عشق میں تپیدہ دل کو قرار آ جاتا ہے۔ پھر جدائی ناقابل برداشت ہو جاتی ہے۔ فرماتے کہ۔

ایک دن میں قادیان تھا۔ حضور مسجد اقصیٰ میں تقریر فرما رہے تھے مجھے اچانک درد گردہ شروع ہو گئی۔ میں سخت بے زار تھا۔ حضور کی نظر مجھ پر پڑ گئی۔ معلوم کر لیا کہ تکلیف ہے۔ اور جب میری تکلیف زیادہ بڑھی تو میں وہاں سے اٹھ کر مکان پر چلا آیا حضور نے مولوی نورالدین صاحب کو بھیجا کہ جا کر دوائی دیں۔ ان دنوں میں پیر سراج الحق صاحب کے مکان پر ٹھہرا ہوا تھا۔ مولوی

صاحب کی دوائی سے آرام نہ آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت صاحب خود تشریف لائے۔ مجھے دیکھا اور دوا دی پھر دو تین دفعہ گھر سے دوائی بنا کر لائے۔ فرمایا کہ مجھے سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے تکلیف ہوتی ہے۔ آپ وہاں آ جائیں۔ مجھے مولوی عبداللہ صاحب سنوری ساتھ لے کر چلے۔ جب میں سیڑھیوں پر پہنچا دو دفعہ دعا کی۔ منشی عبداللہ صاحب نے کہا کہ میں بتاؤں کہ آپ نے کیا دعا کی تھی۔ میں نے کہا ہاں کہا۔ کہ آپ نے یہ دعا کی ہے کہ بیماری لمبی ہو جائے جلدی آرام نہ ہو۔ حضور کی تیمارداری کا لطف اٹھاؤں میں نے کہا واقعی یہی دعا تھی۔ جب ہم اندر گئے تو حضور کھانا کھا رہے تھے۔ سالن "دال" مولی اور سرکہ ہم نے ریزے اٹھائے اور کھالئے حضور ہنستے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد آرام آ گیا۔ حالانکہ وہ ریزے میرے لئے مضر تھے۔ اسہال کی دوائی لی ہوئی تھی۔ اتنے میں ظہر کی اذان ہوئی حضور نماز کے لئے چلے گئے۔ ہم بھی پیچھے نماز میں شامل ہوئے۔ جب نماز کے بعد سلام پھیرا تو مجھے دیکھا اور نبض بھی دیکھی۔ فرمایا اب تو آرام ہے۔ میرا بخار بھی اتر گیا تھا۔ لیکن میں نے کہا حضور بخار اب باہر نہیں اندر ہے۔ اس پر ہنس کر فرمایا اچھا آپ اندر آ جائیے۔ غرض میں ایک دو دن اندر حضور کی تیمارداری کے مزے لیتا رہا میری بیماری میرے کام آ گئی۔

تم پاس تھے تو درد جگر میں کمی رہی
دل میں تمہارے جلوؤں سے تابندگی رہی
جب تک تمہاری یاد کا دل میں گزر رہا
ہر غم سے بے نیاز مری زندگی رہی

پس ان صحابہ کرام کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مبارک وجود میں حسن ازل نظر آیا۔ اسی لئے وہ اس پر فدا ہو گئے دراصل یہ حسن حقیقی کی تجلی تھی۔ جو اپنا کام کر گئی۔ یہ حسن کی مرضی ہے کہ وہ اپنی تجلی کے لئے وادی بطحا کو چنے۔ یا طور کی پہاڑی کو۔ یا عاشقوں کے قلب و جگر کو۔ یہ حسن کا کام ہے کہ جہاں چاہے اور جسے چاہے۔ سرفراز کرے۔ اسے صرف آنکھ والا ہی دیکھ سکتا ہے کور چشموں کو وہ حسن نظر نہیں آتا۔

احسن کما احسن اللہ الیک

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قارون جو خزانوں کا مالک تھا اس کی قوم نے کہا احسن کما احسن اللہ الیک (القصص:78) یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان کیا ہے تو بھی شکریہ کے طور پر اس کے بندوں سے احسان کا سلوک کر۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تجھے مال دولت علم و حکمت سے نوازا ہے۔ تو اس سے یہ نہ سمجھ لے کہ یہ سب کچھ تیرے نفس کے لئے ہے۔ اور تیری ذات ہی اس سے فائدہ اٹھائے بلکہ تو اس میں خدا کی دیگر مخلوق کو بھی شریک کر کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تجھ پر جو انعام کیا ہے وہ محض تیری کسی فضیلت یا ذاتی خوبی کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ یہ محض اس کی عطا ہے۔ جن قویٰ اور استعدادوں سے تو نے یہ چیزیں حاصل کی ہیں۔ وہ بھی تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں پس اس عطا اور بخشش سے وہ صرف یہی دیکھنا چاہتا ہے کہ آیا میرا بندہ جس پر میں نے احسان کیا ہے تیرے دوسرے ضرورت مند بندوں کا خیال بھی رکھتا ہے یا نہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ رزق دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک ابتلاء کے طور پر اور ایک اصطفاء کے طور پر۔ رزق ابتلاء کے طور پر تو وہ رزق ہے جس کو اللہ تعالیٰ سے کوئی واسطہ نہیں رہتا۔ بلکہ یہ رزق انسان کو دور ڈالا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کو ہلاک کر دیتا ہے اس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ کر کے فرمایا ہے کہ لا تلھکم اموالکم تمہارے مال تمہیں ہلاک نہ کریں۔ اور رزق اصطفاء کے طور پر وہ ہوتا ہے جو خدا کے لئے ہو۔ ایسے لوگوں کا متولی خدا ہو جاتا ہے۔ اور جو کچھ ان کے پاس ہوتا ہے وہ اس کو خدا کا ہی سمجھتے ہیں۔ اور اپنے عمل سے ثابت کر دکھاتے ہیں۔ غرض یہ ہے کہ اصل خوبی اور خیر اور روحانی لذت سے بہرہ ور ہونے کے لئے وہی مال کام آسکتا ہے جو خدا کی راہ میں خرچ کیا جائے۔

پس انسان کو اپنے مال و دولت علم و حکمت یا جاہ و منصب پر ناز نہ کرنا چاہئے اور نہ اسے اپنی خاص فضیلت قرار دینا چاہئے۔ بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کی عطا سمجھ کر دوسرے بندگانِ خدا کو بھی اس

سے فائدہ پہنچانا چاہئے کہ یہ اس کا اصل شکریہ اور مصرف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومن کی نشانی یہی قرار دی ہے کہ۔ مما رزقنا ھم ینفقون. کہ جو کچھ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتا ہے۔ اس میں سے وہ خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ بلکہ فرمایا کہ مومن تو ترقی کر کے ایثار پیشہ بن جاتا ہے۔ یوثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ خدا بندے کو اس مقام پر لے جانا چاہتا ہے کہ وہ صفات الٰہی کا مظہر بن جائے اور جو کچھ اسے ملے۔ وہ اسی کی راہ میں خرچ کر دے۔ ایسے بندوں سے خدا کا سلوک بھی امتیازی ہوتا ہے۔ جسے عام لوگ نہیں سمجھ سکتے۔ اس کی مثال یوں سمجھ میں آسکتی ہے کہ اگر کسی بچے کو ماں باپ سے میوہ یا پھل ملے اور وہ خود استعمال کرنے کی بجائے اپنے بہن بھائیوں میں تقسیم کر دے تو وہ مزید کا حق دار بنتا ہے۔ ماں کی مامتا ہے جو کہا نہیں سکتی۔ اسے اوروں سے زیادہ ملے گا اور اس پر محبت کی نظریں مزید ہوں گی۔ یہی حال اللہ تعالیٰ اور اس کے کریم بندہ کا ہے جو نعمت اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملے اور وہ اسے دوسرے حاجت مند اور پریشان حال بندوں میں تقسیم کر دے۔ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی اسے تہی دامن نہیں دیکھ سکتی وہ اسے بار بار دیتی ہے۔ اور یہ سلسلہ ختم نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شفقت کی نظریں اس پر مزید ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان گنت مال و دولت آئی۔ مگر اسے خدا کی راہ میں خرچ کر ڈالا اور اپنے لئے کچھ بھی نہ رکھا۔ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس وادی میں کتنا مال جمع ہے۔ کاش یہ میرا ہوتا۔ آپ نے فرمایا۔ کیا تجھے ضرورت ہے۔ کہا ہاں یا رسول اللہ ﷺ آپ نے فرمایا اچھا لے جا۔ وہ پھر کہتا پھرتا تھا کہ لوگو دیکھو محمد رسول اللہ ﷺ اتنا دیتے ہیں کہ انہیں اپنی مفلسی کا بھی ڈر نہیں۔ غرض جو مال آیا اسے خدا کی راہ میں خرچ کر دیا۔ ایک دفعہ آپ کی بیٹی حضرت فاطمہؓ ایک خادمہ کی نسبت درخواست لے کر حاضر ہوئی۔ آپ نے فرمایا۔ فاطمہ اتنی گنجائش کہاں۔ میں تو ابھی اصحاب صفہ کے انتظام سے بھی فارغ نہیں ہوا آپ کی درخواست کیسے قبول کر سکتا ہوں۔ فرمایا کرتے تھے کہ اگر احد کے برابر بھی سونا میرے پاس آجائے تو دو دن میں اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر ڈالوں۔

یہ تھا اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا طرز عمل بھی یہی تھا۔ حضور ﷺ کی فیض صحبت سے ان پر بھی یہی رنگ غالب تھا۔ وہ مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں لٹا کر خوش

ہوتے تھے۔ اور اپنے لئے صرف قوت لا یموت ہی کو کافی سمجھتے تھے۔ حضرت عمر فاروق خلیفہ ثانی کے متعلق لکھا ہے کہ ایک مرتبہ چند بزرگ صحابہ رضی اللہ عنہم نے (جن میں حضرت علیؓ زبیرؓ، طلحہؓ، عثمانؓ شامل تھے) حضرت امیر المومنین کے متعلق خیال کیا کہ ان کا وظیفہ جو بیت المال سے ادا کیا جاتا ہے بہت تھوڑا ہے، زندگی بڑی تنگی سے بسر ہو رہی ہے۔ انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ امیر المومنین کو یہ مشورہ کون دے گا۔ کافی سوچ بچار کے بعد سب کی نگاہ ام المومنین حضرت حفصہؓ پر پڑی۔ حضرت حفصہؓ یہ تجویز لے کر بارگاہ خلافت میں حاضر ہوئیں۔ اور انتہائی مناسب الفاظ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی تجویز پیش کی۔ تجویز سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چہرہ پر غصہ کے آثار ظاہر ہوئے۔ آپ نے اس تجویز کو ماننے سے انکار کر دیا۔

ذرا غور کیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا طریق ہمیں کیا سکھاتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ جب تک لوگوں میں نفس پرستی اور دنیا داری موجود ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیوض اور برکات نازل نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ نفس پرستی بندہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایک حجاب ہے اہل اللہ کا طریق یہی رہا ہے کہ وہ دنیا سے بے رغبت رہے ہیں۔ بلکہ جو کچھ ان کے پاس آیا خدا کی راہ میں خرچ کر دیا۔

پس انسان کو جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملے۔ اسے مالک کی عطا سمجھ کر اس میں اس کی بے کس اور محتاج مخلوق کو بھی شریک کرے۔ یہی اصل دین ہے۔ اور اسی سے خدا راضی ہوگا۔ اور اگر وہ اپنے نفس پر خرچ کرے گا۔ اور دین کا کوئی حصہ نہ ہوگا۔ تو اس کا حساب لیا جائے گا۔ اور وہ خائن متصور ہوگا۔ کیونکہ جو چیز اس کے پاس ہے وہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔

یاد رکھنا چاہئے کہ مال کی کثرت انسان کو مغرور بنا دیتی ہے۔ وہ فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے۔ ان الانسان لیطغی ان راہ استغنی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں کہ

"خوش قسمت وہ انسان نہیں ہے جس کو دنیا کی دولت ملے اور وہ اس کے ذریعہ سے ہزاروں آفتوں اور مصیبتوں کا مورد بن جائے بلکہ خوش قسمت وہ ہے جسے دین کی دولت ملے اور وہ خدا تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور اس کے غضب اور غصہ سے بچ جائے"

پس مومن کو مال کی طلب کرنی ہی نہیں چاہئے۔ اس کا مقصد تو وصال الٰہی ہے وصال دنیا

نہیں۔ اور جو کچھ اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مل جائے۔ اسی پر قانع رہ کر خدمت دین کرتا رہے۔ کیونکہ اسے دنیا کی بجائے آخرت کی زیادہ فکر رہتی ہے اور یہی وہ بات ہے جسے اسلام ہم میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کیا خوب فرماتے ہیں۔۔

کرو کچھ فکر ملک جاودانی
یہ ملک و مال جھوٹی ہے کہانی
یہ سو سو بھید ہیں تم میں نہانی
تو پھر کیونکر ملے وہ یار جانی
بسر کرتے ہو غفلت میں جوانی
مگر دل میں یہی تم نے ہے ٹھانی
خدا کی ایک بھی تم نے نہ مانی
ذرا سوچو یہی ہے زندگانی
خدا نے اپنی راہ مجھ کو بتا دی
فسبحان الذی اخزی الاعادی

(درثمین)

حسین اخلاق۔ ادب اور احترام

دین انسان کو حسن اخلاق سکھاتا ہے اور حسن اخلاق کا نچوڑ تو ادب اور تواضع ہے
کلھا ادب جو شخص ان خوبیوں سے عاری ہے وہ کوئی بھلائی حاصل نہیں کر سک
اسے عزت ملے گی اور نہ آخرت میں خدا کی مغفرت سے حصہ لے گا۔ حدیث شری
برائی کی جڑ تکبر اور نیکی کی جڑ ادب اور تواضع ہے اور یہ بالکل سچ ہے کہ بے ادبی او
کو ضائع کر دیتی ہے۔ بے ادب بے نصیب با ادب با نصیب...... ابتداء میں صحاب
رسول اکرم ﷺ سے بے تکلف اور زور زور سے باتیں کیا کرتے تھے۔ جسے اللہ ت
فرمایا اور حکم دیا کہ لا تقدموا بین یدی اللہ و رسولہ کہ اے مسلمانو
کے رسول کے سامنے بڑھ بڑھ کر باتیں نہ کیا کرو۔ ادب کو ملحوظ رکھو ورنہ تمہارے
جائیں گے۔ ایک اور مقام پر فرمایا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت ال
آواز کو نبی کی آواز سے اونچا نہ کیا کرو۔ ورنہ گستاخی کے مرتکب ہو جاؤ گے اور ت
سلب ہو جائیں گے۔ جب یہ آیت اتری تو حضرت عمرؓ نے جو گرج کر بولنے والے
کو اتنا دھیما کر دیا کہ ان کی بات مجلس نبوی ﷺ میں ساتھ والا بھی نہ سن سکتا
صحابی حضرت ثابتؓ بن قیس نے جو جہیر الصوت تھے مسجد میں آنا چھوڑ دیا کہ شاید
مرتکب نہ ہو جاؤں۔ حضور ﷺ نے ایک دن دریافت فرمایا کہ ثابت کو کیا ہوا
عرض کیا گیا نہیں حضورؐ اصل بات یہ ہے کہ ان کی آواز میں کرختگی ہے اور جب
اتری ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر میری آواز زیادہ بلند ہوئی تو میں تو گناہ کا مرتکب ہو جاؤ
نے فرمایا نہیں نہیں وہ تو جنتی ہیں۔ دیکھو صحابہؓ ادب کا کتنا خیال رکھتے تھے۔ بعض
حضور ﷺ کو مکان کے پیچھے سے آوازیں دیا کرتے تھے اور زور زور سے آواز
تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام حرکات سے روک دیا اور فرمایا مومنو تم نبی کو تنگ نہ کیا

کہ وہ خود باہر نہ آوے۔ اس وقت تک انتظار میں بیٹھے رہا کرو اور اس قسم کی گستاخیاں چھوڑ دو۔ تو حقیقت یہی ہے کہ اسلام میں سب سے پہلا ذریعہ فیض حاصل کرنے کا ادب اور احترام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ماں باپ سے بھی ادب اور احترام کا حکم دیا۔ فرمایا ان سے حسن سلوک کرو۔ ان کے سامنے اف تک نہ کرو۔ ان سے گستاخی سے پیش نہ آؤ۔ پاس ادب نہ کرو گے تو تم ان کی دعاؤں سے محروم رہ جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ بھی تم سے ناراض ہو جائے گا۔

غرض ادب اور تواضع ایسی صفات ہیں جو انسان کو کامیاب بناتی ہیں۔ جو ان سے خالی ہے وہ بھلائی سے خالی ہے۔ لکھا ہے کہ بغداد میں دو طالب علم تھے۔ ایک بزرگ کی آمد کا سن کر دونوں ان کے ہاں حاضر ہوئے۔ ایک تو اس خیال سے گیا کہ اس شخص کی علمیت معلوم کروں اور بحث و مباحثہ کروں۔ دوسرا اس غرض سے گیا کہ یہ بزرگ میرے حق میں دعا کریں کہ میں علم حاصل کروں۔ ایک ادب کے لحاظ سے گیا اور دوسرا عجب اور پندار میں مبتلا ہو کر گیا۔ جاتے ہی مناظرہ شروع کر دیا۔ سوالوں کی بوچھاڑ شروع کر دی اور خاموش کرانے کی کوشش میں تھا۔ دوسرا ادب سے خاموش بیٹھا رہا۔ بزرگ نے کہا کہ تم کیسے آئے۔ کہا کہ حضرت میں تو صرف دعا کے لئے آیا ہوں۔ میرے حق میں تو صرف دعا کریں کہ مجھے کامیاب زندگی ملے اور علم سے فائدہ اٹھاؤں۔ بزرگ نے آثار سے معلوم کر لیا کہ اس شخص کا تمام اولیاء پر اثر ہو گا اور اس سے ایک عالم فیض پائے گا اور یہ صحیح ہے کہ یہ طالب علم آگے چل کر شیخ عبد القادر جیلانیؒ بن گیا۔ دوسرا حکومت کی طرف سے سفیر مقرر ہوا اور غیر ممالک کو چلا گیا۔ اس کے نفس کا غرور بڑھتا رہا۔ چند یوم کے بعد ایک عیسائی عورت پر عاشق ہو گیا اور اس کے کہنے پر اسلام کو چھوڑ دیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس کے خنزیروں کے ریوڑ چرانے لگا۔ غرض عشق نے ہر طرح ذلیل و رسوا کر دیا اور سینہ سے علم اور قرآن کو بھی اٹھوا دیا۔ تو یہ ہے اس گستاخی کی سزا جو دنیا میں اسے ملی۔ آخرت کی سزا تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ اس کے لئے کیا ہو گی۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ۔

بے ادب محروم ماند از فضل رب

پس علم و فضیلت اور عزت حاصل کرنے کی کنجی تو ادب اور تواضع ہے۔ جس کے پاس یہ نہیں وہ ہدایت سے بے نصیب ہے۔

جنگ مقدس کے دن تھے۔ یعنی مباحثہ مابین عبد اللہ آتھم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔

تین چار دن گزر چکے تھے کہ حضور ایک دن اگلے روز کے مباحثہ کی تیاری میں مصروف تھے۔ احباب بھی تھے۔ ایک انگریز وضع قطع کا آدمی آیا۔ سوٹ بوٹ نکٹائی لگی ہوئی تھی۔ کہا کہ میں حضرت صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔ عیسائی ہوں اور کپورتھلہ کا رہنے والا ہوں۔ اجازت ملنے پر اندر گیا۔ جب باہر آیا تو رقت طاری تھی۔ دوستوں نے پوچھا تو بتایا کہ میں کمزور مسلمان تھا۔ شرابی کبابی ہو گیا۔ کاروبار کے سلسلہ میں ولایت چلا گیا۔ وہاں عیسائی ہو گیا۔ خوب داد عیش دی۔ یہاں آکر جنگ مقدس کے مباحثہ کو سنتا رہا۔ خیال تھا کہ مناظر ایک اعلیٰ سج دھج کا آدمی ہو گا۔ جب اندر گیا تو دیکھا کہ صرف ایک بوریا تھا جس پر ان کا گدا تھا۔ اللہ اللہ یہ نظارہ دیکھ کر حیرت میں گم ہو گیا کہ اتنا بڑا آدمی اور پرائیویٹ زندگی میں اس قدر سادگی اور پھر یہ استغراق میرے پاؤں تو شل ہو گئے۔ آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ دوسری شکست یہ ہوئی کہ جب حضور نے مجھے دیکھا تو جھٹ اپنا صافہ اتار کر بچھا دیا اور فرمایا کہ اس پر بیٹھ جائیں۔

کریم مشکل وگرنہ کریم مشکل

عرق انفعال سے ڈوب گیا۔ کہا کہ گنہگار ہوں۔ فرمایا کوئی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ غفور ہے۔ میں نے کہا شراب پیتا ہوں اور دوسرے برے کام بھی کرتا ہوں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ میں نے کہا عیسائی ہوں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ رحم کرنے والا ہے۔ ادب سے بیٹھ گیا۔ دوسری بات نہ کر سکا۔ چہرے کو دیکھتا رہا۔ حضور نے خود مخاطب ہو کر آنے کی غرض دریافت کی۔ صرف اتنا کہہ سکا کہ حضور کوئی نصیحت فرمائیں۔ میں عیسائیت کو چھوڑ کر مسلمان ہوتا ہوں۔ حضور نے سن کر خوشنودی کا اظہار فرمایا اور نصیحت فرمائی کہ نماز باقاعدگی سے پڑھا کرو۔ یہی پلے باندھ کر چلا ہوں۔ دس منٹ پہلے عیسائی تھا اور اب مسلمان.... پس غور کرو کہ انکار اور ادب نے کیونکہ اس کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ ہدایت کا تیر نشانہ پر لگا اور نگاہ کام کر گئی۔

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

انسان کو اللہ تعالیٰ نے مکرم بنایا ہے۔ لہذا ہر شخص کو ایک دوسرے کی عزت اور احترام کا خیال رکھنا چاہیے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ساری عمر کسی چھوٹے سے چھوٹے آدمی کو بھی تو اور تم سے نہیں بلایا۔ ہمیشہ آپ کے لقب سے یاد فرمایا کرتے تھے۔ پس اپنے لئے عزت

کا خواہاں ہو لیکن دوسرے کی عزت کا خیال نہ رکھے وہ ذلیل انسان ہے۔ کبھی عزت نہیں پا سکتا۔ پس بڑا وہی ہے جو اپنے آپ کو چھوٹا سمجھتا ہے۔ حضور کا ارشاد ہے کہ۔

بدتر بنو ہر ایک سے اپنے خیال میں
شاید اسی سے دخل ہو دارالوصال میں

پس جس شخص نے اپنے مقام کو دیکھنا ہو وہ دوسروں کے آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھ سکتا ہے۔ اسے اپنی تصویر صحیح رنگ میں نظر آجائے گی یعنی اس کی پیٹھ پیچھے لوگ جو اسے سمجھتے ہیں وہی اس کی اصل تصویر ہے۔ لیکن افسوس کی بات تو یہ ہے کہ انسان کو دولت' علم و نسب اور اقتدار اس دھوکہ میں ڈال دیتے ہیں کہ وہ دوسروں سے زیادہ معزز ہے۔ اسے ان پر شرف حاصل ہے۔ اسی وجہ سے وہ عجب اور پندار میں گرفتار ہو کر انسانیت سے گر جاتا ہے۔ نہ وہ پاس ادب کرتا ہے اور نہ کسی سے تواضع سے پیش آتا ہے۔ اسی لئے وہ تمام بھلائیوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ پس اگر کسی نے روحانی بلندی حاصل کر کے دنیا میں کامیاب زندگی گزارنی ہو تو وہ بزرگوں کا ادب کرنا سیکھے کیونکہ ان کی دعاؤں سے فیضان کے دروازے کھلتے ہیں اور وہ اپنے رب کی عنایات کا مورد بنتا ہے۔ خلیفہ وقت' ماں باپ' سلسلہ کے علماء' دیگر بزرگان یہ وہ ہستیاں ہیں جن کے ادب اور احترام کے لئے خاص طور پر زور دیا گیا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ جب تک انسان ادب اور تواضع' نیستی اور تذلل کو اختیار کر کے خدا کی راہ میں خاک نہیں ہو جاتا حریم جمال تک رسائی ناممکن ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ شعر ہمیشہ یاد رکھو اور اسی پر عمل کرو کہ یہی صراط مستقیم ہے۔

تکبر سے نہیں ملتا وہ دلدار
ملے جو خاک میں اس کو ملے یار

پسند آتی ہے اس کو خاکساری
تذلل ہے رہ درگاہ باری

احفظ لسانک

انسان کو اللہ تعالیٰ نے دوسری مخلوقات پر بزرگی بخشی ہے۔ اس کے شرف کا باعث علمہ البیان (قرآن) ہے۔ وہ اپنے دل کے خیالات اور جذبات کا اظہار زبان سے کرتا ہے۔ اور اسی وجہ سے اس کو کائنات پر فرمانروائی حاصل ہے۔ مگر یہ بھی سچ ہے کہ انسان پر بہت سی مصیبتیں بھی اس کی زبان ہی کی وجہ سے آتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ زبان کی حفاظت کرو۔ احفظ لسانک کیونکہ زیادہ تر بلائیں انسان پر زبان کی وجہ سے نازل ہوتی ہیں۔ البلاء موکل بالمنطق حقیقت میں اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں بیشتر جھگڑے اور لڑائیاں زبان کی لغزش کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ اور یہی لغزش بے شمار فتنوں کا باعث بن جاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ تلوار کا زخم تو مندمل ہو جاتا ہے مگر زبان کا زخم مندمل نہیں ہوتا۔ یہ دل پر لگتا ہے اور ہمیشہ ہرا رہتا ہے۔ اس لئے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہی زبان ہے جس کی لغزشوں کی وجہ سے انسان اوندھے منہ جہنم میں گرائے جائیں گے۔

(حدیث)

حضرت علی کرم اللہ وجہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کی زبان اس پر حکمران ہو وہی اس کی ہلاکت اور موت کا فیصلہ کرتی ہے۔ حضرت رابعہ بصری عارفہ تھیں۔ کہتے ہیں کہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کو سن کر اور اس نصیحت کو اہم جان کر اپنے لفظوں میں گفتگو کرنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ آپ قرآنی آیات کے سوا کوئی اور کلمہ زبان سے نہ نکالتی تھیں ایک بار حضرت عبداللہ بن مبارک نے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ کیا آپ نے یہ آیت قرآن نہیں پڑھی۔ ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے الفاظ ریکارڈ کرنے والی اور نگران گارڈ ہر انسان پر متعین ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ اگر زبان پر قابو رکھا جائے اور کوئی ناروا اور دلآزار بات منہ سے نہ نکالی جائے تو انسان امن میں رہتا ہے۔ مشہور ہے کہ پاؤں کی لغزش سے زبان کی لغزش زیادہ خطرناک

ہوتی ہے۔ زبان کی چھری سے جو زخم لگتا ہے۔ وہ زیادہ گہرا ہوتا ہے اور آسانی سے نہیں جاتا۔ انسان اس کو برسوں اپنے دل میں تولتا رہتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ تم زبانوں پر حکمرانی کرو۔ ایسا نہ ہو کہ زبانیں تم پر حکمرانی کریں۔ اور منہ سے اناپ شناپ بولتے رہو۔

نفسیات کی رو سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ انسان اپنی زبان سے درشت کلمات اس وقت نکالتا ہے جب اس کو کسی پر غصہ آتا ہے۔ غصہ کی وجہ چاہے کچھ ہو وہ اپنی زبان سے غصہ کا اظہار کرکے انتقام لینا چاہتا ہے۔ اور اس سے اپنے نفس کو تسکین دیتا ہے۔ وہ یہ نہیں دیکھتا کہ اس جوابی کارروائی سے کتنا عظیم نقصان برداشت کر رہا ہوں اور اس کے نتائج کتنے دوررس ہونگے۔ اور نہ جانے کتنے جھگڑوں اور فساد کا باعث ہونگے۔ اگر وہ تحمل اور بردباری سے کام لیتا ناپسندیدہ باتوں پر صبر کرتا اور خاموشی اختیار کر لیتا تو کتنی زحمتوں سے بچ جاتا۔ اگر خود درگزر کی صفت کو انسان اپنے اندر پیدا کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ اور ہر اس معاملہ کو جو اپنے مفاد یا وقار کے خلاف دیکھے صبر کرکے برداشت کرلے۔ اور اپنے منہ سے کوئی ناشائستہ کلمہ نہ نکالے۔ اور معاملہ حوالہ بخدا کردے۔ تو نہ صرف خدا تعالیٰ کے ہاں اجر عظیم کا مستحق ٹھہرے گا بلکہ لوگوں کی نظر میں بھی اس کا وقار بلند ہو جائے گا۔ کیونکہ جس وقار کی بحالی کے لئے وہ اپنی زبان کھولتا ہے۔ وہ اس سے بحال نہیں ہوتا بلکہ درشت زبان استعمال کرکے الٹا ذلیل ہو جاتا ہے۔ پس عفو و درگزر یا دوسروں کی چھوٹی چھوٹی کوتاہیوں سے اغماض کرنا بے عزتی نہیں۔ بلکہ عین عزو شرف ہے۔ یہ صفت اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک بار موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ اے میرے پروردگار مجھے بتا کہ انسانوں میں سے تجھے کونسا آدمی زیادہ پسند ہے۔ فرمایا وہی جو انتقام کی طاقت رکھتے ہوئے معاف کردے۔

پس عفو و درگزر اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم صفت ہے اور اگر بندہ اس صفت پر عمل کرکے اپنی زبان قابو میں رکھے۔ اور انتقام نہ لے تو اللہ تعالیٰ کا مقرب بن جائے۔ انسان دنیا میں اس لئے بھیجا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرے۔ مگر اس کی راہ میں بہت سی رکاوٹیں ہیں۔ اور ایک بہت بڑی روک زبان کا ناجائز استعمال ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک زمانہ آئے گا کہ آدمی صبح کو تو ایماندار ہوگا اور شام کو کافر۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ مسلمان کے کفر کی وجہ یہ

ہوگی۔ کہ اس کی زبان سے چند ایسے ناپسندیدہ کلمے نکل جائیں گے جو اسے کافر بنادیں گے۔ اور اس کے سارے اعمال کو ضائع کردیں گے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نکتہ نواز ہے۔ اسی طرح نکتہ گیر بھی ہے ایک ناروا اور گستاخی کا کلمہ نکالنے سے اللہ تعالیٰ انسان کے تمام عمل ضائع کردیتا ہے۔ اور پھر اس کی ناراضگی سے اسے کوئی چیز بچا نہیں سکتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے دوزخ میں عورتیں زیادہ دیکھی ہیں۔ ایک عورت نے دریافت کیا کہ حضور اس کا سبب کیا ہے۔ فرمایا۔ عورتیں اپنی بدزبانی کی وجہ سے جہنم میں زیادہ جائیں گی۔ کیونکہ وہ اپنے خاوندوں کے احسانات کی ناشکری کرتی ہیں۔ اور جب کبھی کوئی بات ہو تو کہہ دیتی ہیں کہ میں نے کبھی تیرے گھر میں سکھ نہیں پایا۔ حالانکہ اس کے خاوند نے اس کو خوش رکھنے میں کوئی دقیقہ بھی اٹھا نہ رکھا۔

غرض زبان اللہ تعالیٰ کے احسانات میں سے ایک زبردست احسان ہے۔ اور اس سے ہی اس کا شرف ہے۔ اسی زبان سے ہی اللہ تعالیٰ کی سپاس گزاری کرکے اس کی خوشنودی حاصل کرسکتا ہے۔ لیکن اسی زبان کی وجہ سے وہ مورد عذاب بھی بن جاتا ہے۔ اور ناپسندیدہ کلمہ کے سبب اپنے کیے کرائے پر پانی پھیر دیتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص دو اعضاء کو اپنے قابو میں رکھے گا میں اس کی جنت کا ضامن ہوں۔ ان میں سے ایک زبان ہے۔ پس ہم لوگوں کو اس بارہ میں خاص خیال رکھنا چاہئے کہ کہیں زبان کی لغزش ہمارے لئے مصیبت کا باعث نہ بن جائے۔ جب کبھی نفس کی طرف سے غصہ کی آگ بھڑکے۔ اور زبان سے اس کا اظہار کرنا پڑے تو ہمیں یہ سوچنا چاہئے کہ کہیں یہ عمل ہمیں اللہ تعالیٰ کے عتاب کا مورد نہ بنادے۔ زبان کو قابو میں رکھو۔ کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ' بیٹھے ہو تو لیٹ جاؤ۔ پانی پی کر غصہ کی آگ کو ٹھنڈا کرو۔ اس مقام کو چھوڑ دو۔ استغفار پڑھو۔ اللہ تعالیٰ سے مدد چاہو۔ اگر غصہ کے وقت زبان کھول دی گئی۔ تو حالات بگڑ جائیں گے اور ان کی اصلاح مشکل سے ہوسکے گی۔ کیونکہ جب غصہ آتا ہے تو عقل رفو چکر ہو جاتی ہے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ خاموشی سے پیدا ہونے والی خرابی کا تدارک تو آسان ہے مگر گفتگو سے جو خرابی پیدا ہوتی ہے اس کا ازالہ مشکل ہے۔

خاموشی غصہ کا بہترین علاج ہے۔ اس بات سے کسی کو انکار نہیں کہ ہماری روحانی ترقی میں

سب سے بڑی رکاوٹ یہی زبان کی لغزش ہے۔ جس کا ارتکاب ہم سے بار بار ہوتا ہے۔ اگر ہم نے احمدیت میں داخل ہو کر اپنی اصلاح نہ کی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی تعلیم پر عمل نہ کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کو راضی نہ کر سکے۔ تو ہم سے زیادہ بدنصیب اور کون ہو گا۔ لیکن اس بدی کو دور کرنے کے لئے بہت بڑے مجاہدہ کی ضرورت ہے کیونکہ اکثر انسان حالات سے مجبور ہو کر غصہ کے عالم میں زبان درازی کر ہی بیٹھتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں۔

"کسی سے جھگڑا نہ کرو۔ زبان بند رکھو۔ گالیاں دینے والے کے پاس سے چپکے سے گزر جاؤ۔ گویا سنا ہی نہیں اور ان لوگوں کی راہ اختیار کرو جن کے لئے قرآن شریف نے فرمایا ہے اذا مروا باللغو مروا کراما جس قدر فروتنی اور تواضع کرو گے اسی قدر اللہ تعالیٰ تم سے خوش ہو گا"۔

غرض یہ بات مسلمہ ہے کہ انسان غصہ میں ناشائستہ باتوں کے ارتکاب کرنے کے بعد سخت شرمندہ اور نادم ہو جاتا ہے۔ اور اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے روتا ہے۔ اور استغفار بھی کرتا ہے۔ اور دل میں کہتا ہے کاش! ایسے حالات پیدا نہ ہوتے یہ جرم مجھ سے سرزد نہ ہوتا۔ مگر جو بات ایک بار زبان سے نکل جائے وہ واپس نہیں آسکتی۔ اپنا اثر دلوں پر چھوڑ جاتی ہے۔ اسی لئے بزرگوں نے کہا ہے کہ کوئی ایسی بات منہ سے نہ نکالو۔ جس کے لئے بعد میں معذرت کرنی پڑے۔

اگر انسان زبان پر قابو پالے ناشائستہ اور ناروا بات منہ سے نہ نکالے تو خدا کے غضب سے بچ جائے۔ اور اس کا دین اور دنیا بھی سنور جائے۔ کیونکہ اسلام کی نظر میں معزز اور مکرم وہی ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مخلوق خدا محفوظ ہے۔

اس برائی سے بچنے کا ایک یہ طریق بھی ہے جو میں نے آزمایا ہے کہ ہر روز صبح اٹھ کر یہ تہیہ کر لیا جائے کہ آج کے دن میں کسی کو ناراض نہیں کرونگا۔ نہ زبان سے اور نہ کسی اور عمل سے خواہ کچھ ہو جائے خواہ اپنا مفاد بھی چھوڑنا پڑے۔ اور اس عہد کو پوری طرح نبھایا جائے۔ چند دنوں کی کوشش سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق مل جائے گی۔ اور نفس مغلوب ہو جائے گا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں نفس کی برائیوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

دل کی پاکیزگی کے بغیر نجات مشکل ہے

بزرگوں کا قول ہے کہ سب سے آسان دوسروں پر نکتہ چینی اور سب سے مشکل کام اپنے نفس کی اصلاح ہے۔ اور یہ بات بالکل صحیح ہے اپنے نفس کی اصلاح سب سے زیادہ مشکل کام ہے۔ دیکھو انسان کو ساٹھ ستر برس کی عمر ملتی ہے۔ لیکن وہ اتنی عمر پا کر اپنے نفس کو مغلوب نہیں کر سکتا۔ ہمیشہ مغلوب ہی رہتا ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ جب تک نفس کا تزکیہ نہ ہو وہ جنت میں نہیں جا سکتا۔ کیونکہ تزکیہ نفس شرط ہے۔ قد افلح من زکھا وقد خاب من دسھا انسانی نفس میں بہت سی بدیاں ہیں جو ہر وقت اس کو برائی کی طرف رغبت دلاتی رہتی ہیں۔ مثلاً تکبر' حسد' حرص' بدظنی' بدنظری وغیرہ یہ بدیاں اس کے اچھے اعمال کو کھا جاتے ہیں۔ اسی طرح سئیات بھی حسنات کو کھا جاتی ہیں۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں نمازیں بھی پڑھتا ہوں۔ روزے بھی رکھتا ہوں۔ صدقہ و خیرات بھی دیتا ہوں۔ دوسرے دینی کاموں میں حصہ بھی لیتا ہوں میرے اعمال محفوظ ہوں گے۔ لیکن اسے پتہ بھی نہیں لگتا کہ سب اعمال ان اخلاق رذیلہ کی وجہ سے مٹتے چلے جاتے ہیں اور یہ برائیاں انہیں گھن کی طرح کھا جاتی ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے دق اندر ہی اندر انسان کو کھا جاتا ہے اور اس کی ہلاکت آفرینی کا اسے پتہ نہیں لگتا۔ مولانا روم نے مثنوی میں ایک حکایت لکھی ہے۔ ہم اپنے کوٹھے میں غلہ بھرتے رہے۔ بھرتے رہے۔ مگر وہ بھرنے میں نہ آتا تھا۔ جب دیکھا خالی نظر آیا سوچا کوئی چوہا ہو گا جو اناج کو لے جاتا ہے۔ ہم بھرتے ہیں وہ خالی کرتا ہے۔ آخر کار دروازہ کھول کر دیکھا تو واقعی ایک چوہا تھا کہ اس غلہ کو کھا جاتا تھا۔ اور کوٹھا خالی تھا۔ پس یہ چھوٹی چھوٹی برائیاں جنہیں ہم گناہ نہیں سمجھتے۔ ہم میں اتنی عام ہو گئی ہیں کہ ہم انہیں برائی نہیں سمجھتے۔ مثلاً غیبت اور بدظنی' غیبت ہمارا روز مرہ کا مشغلہ بن گیا ہے۔ جہاں کہیں بیٹھیں گے دوسروں کے متعلق بات ہو گی۔ کسی پر تنقید ہو گی کسی کی عیب جوئی ہو گی۔ کسی پر تمسخر ہو گا۔ یہ چیز اسلامی تعلیم کے خلاف ہے اور اسے سختی سے منع کیا گیا ہے مگر انسان رکتا نہیں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی آتا اور کسی کے متعلق بات کرتا تو

حضور فرماتے کہ اس کے متعلق مجھے کوئی بات نہ کہو۔ میرا سینہ صاف رہنے دو صرف اپنی بات کہو۔ یہ ہے اسوۂ حسنہ جس پر ہم نے عمل کرنا ہے۔ پس یاد رکھو کہ دل اس وقت فضل الٰہی کا گہوارہ بنتا ہے جب اس میں سے اخلاق رذیلہ نکل جائیں اور ان کی جگہ فروتنی اور انکساری آ جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ۔

"تزکیہ کرنا بھی ایک موت ہے جب تک کلی اخلاق رذیلہ کو ترک نہ کیا جائے۔ تزکیہ نفس کہاں ہو سکتا"۔

لکھا ہے ایک شخص کسی بزرگ کے پاس کسب فیض کے لئے گیا۔ شیخ نے اس لنگر خانہ میں پانی بھرنے پر لگا دیا۔ اسے یہ کام کرتے کرتے کئی سال گزر گئے۔ ایک دن شیخ نے سوچا کہ اس کا امتحان لینا چاہئے کہ کہاں تک وہ سلوک کی منزل طے کر چکا ہے۔ شیخ نے کسی شاگرد سے کہا کہ جب وہ پانی کا مٹکا لے جا رہا ہو اسے دھکا دو۔ اور جو ردعمل ہو وہ آ کر بتاؤ۔ چنانچہ جب وہ پانی کا مٹکا بھر کر لے جا رہا تھا۔ تو اس نے اسے زور سے دھکا دیا۔ مٹکا گر کر ٹوٹ گیا۔ اس شخص نے گرتے ہوئے لڑکے کو گالی دی اور کہا کہ میں تیری خبر لوں گا۔ یہ ماجرا اس نے دوڑ کر شیخ کو سنایا۔ شیخ نے سن کر کہا۔ ابھی کچا ہے ابھی اس کا نفس درست نہیں ہوا۔ غضب اور غصہ موجود ہے۔ چنانچہ کئی سال اور اسے پانی بھرتے ہو گئے۔ ایک دن پھر تجربہ کے لئے شیخ نے کسی لڑکے کو کہا کہ اسے دھکا دے۔ چنانچہ اسے دھکا دیا وہ گرا اور مٹکا ٹوٹ گیا۔ کہنے لگا بھائی دیکھنا۔ کہیں آپ کے کپڑے تو خراب نہیں ہوئے۔ میرا پاؤں پھسل گیا تھا۔ معاف کرنا۔ یہ ماجرا اس لڑکے نے پیر صاحب کو آ کر سنایا۔ انہوں نے فرمایا۔ ہاں اب ٹھیک ہے۔ اس کے نفس کی اصلاح ہو چکی ہے۔ اب اس کا قلب انوار الٰہی کے نزول کے لئے تیار ہے۔ تو دیکھو کہ جب تک انسان اخلاق رذیلہ کو ترک نہ کرے خودی مٹا کر انکساری اور عاجزی اختیار نہ کرے خدا نہیں ملتا۔ صوفی شاعر خواجہ غلام فرید نے کہا تھا کہ۔

جے تو چاہیں یار دا میلا
ست کاوڑا بیٹھ کہیں
زاہد کوں جا خبر سناؤ
عشق اساڈا دین

ایک اور خطرناک برائی جو آج کل عام ہے وہ بد نظری ہے اور یہی تمام فسق و فجور کی جڑ ہے۔ کہتے ہیں ہر برائی پہلے دل کی طرح آنکھوں کے راستہ سے آتی ہے پھر دل اس کی تحریک کرتا ہے۔ انسان فطرتاً جمال پرست واقع ہوا ہے۔ وہ حسن و جمال سے متاثر ہوتا ہے اور یہی اس کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ اس سے وہ بہت جلد مغلوب ہو جاتا ہے۔ فرمان خداوندی تو یہی ہے کہ تو آنکھیں نیچی رکھ۔ غیر محرم کو نہ دیکھو فحاشی اور بے حیائی کے قریب بھی نہ جاؤ ورنہ تو ہلاک ہو جائے گا۔ لیکن نفس سرکش اس حکم کی پرواہ نہیں کرتا۔ وہ بد نظری کرتا رہتا ہے اور غیر محرم عورتوں کو دیکھنے میں لذت اٹھاتا ہے۔ لیکن یاد رکھو کہ بد چلنی اور جنسی آوارگی کی پہلی تحریک تو نظارہ بازی سے ہوتی ہے۔ عورت کا نظارہ جمال شہوانی جذبات کی انگیخت کا باعث ہے اس سے نفس امارہ کو معصیت کی تحریک ہوتی ہے۔ چونکہ مغربی تہذیب کے زیر اثر بے پردگی عام ہو گئی ہے۔ عورتوں اور مردوں کا آزادانہ اختلاط بڑھ گیا ہے۔ اس لئے بد نظری کو اب کوئی گناہ نہیں سمجھا جاتا۔ مرد بھی سرکش ہو گیا ہے اور عورت بھی بغاوت پر آمادہ ہے۔ خدا تعالیٰ کے احکام کی پرواہ نہیں الاماشاء اللہ سینما بینی نے معاشرہ کو گندہ کر دیا ہے۔ عفت اور عصمت سر پیٹ کر رہ گئی ہے۔ فلموں نے قومی اخلاق کو تباہ کر دیا ہے۔ روحانیت مر چکی ہے۔ اب رہی سہی کسر TV نے نکال دی ہے۔ مغربیت کے اس تحفے کا استعمال اب عام ہو گیا ہے۔ شہروں میں یہ لعنت اب کثرت سے پھیل گئی ہے۔ یوں کہئے کہ ہر گھر اب سینما بن گیا ہے۔ حسن و عشق کے مناظر عورتوں اور مردوں کا آزادانہ میل جول گھیا گانے اور مکالمے۔ اب سب کو لوگ دیکھتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں اور گناہ نہیں سمجھتے۔ اس معصیت سے کوئی اللہ کا بندہ بچتا ہو تو ہو۔ ورنہ اس سیلاب نے قوم کا بیڑہ غرق کر دیا ہے۔ نوجوان نسل کو آنکھوں اور کانوں کے ذریعے زہر ہلاہل پلایا جا رہا ہے۔ جس سے ان کے دلوں سے خدا اور آخرت کا خوف نکل گیا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ یہی بد نظری جنسی آوارگی پر منتج ہوتی ہے۔ کیونکہ ذہنوں پر اثر ضرور ہوتا ہے۔ ایک دن اثر نہ ہو گا دو دن ہفتہ دو ہفتہ آخر جمال ہمنشیں در من اثر کرد۔ والی بات ہو کر رہے گی۔ رومان لڑائیں گے۔ معاشقہ ہو گا اور نوجوان نسل تباہ ہو گی۔ دوسرے لفظوں میں اب شیطان نے گھر گھر مورچے لگا رکھے ہیں۔ اس اس کے ناوک سے بچ کر نکل جانا محالات سے ہے۔ ادھر TV والوں کا کمال دیکھئے کہ مسلمان مملکت میں مسلمان ہوتے ہوئے انہوں نے ڈرامہ دکھانے اور خبریں

سنانے کے لئے خوبصورت چہروں کو بھرتی کر رکھا ہے تاکہ ناظرین کو متاع ایمان ملے یا نہ ملے ذوق نظر تو ضرور ملے۔ غالب نے شاید اسی موقعہ کے لئے کہا تھا۔

تسکین کو ہم نہ روئیں جو ذوق نظر ملے

اب تو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہاں TV کے بغیر بھی کوئی زندگی ہے۔ انا للہ...... ذرا اندازہ تو کرو کہ قوم کہاں سے کہاں تک جا پہنچی ہے اور جب انسان گناہ کو ہی نہ سمجھے تو توبہ کی توفیق کیسے ہے اور ایمان پر موت کیسے ہو۔

دیکھو دنیا نفس کی کتنی غلام ہو چکی ہے۔ خدا کی ناراضگی کا کچھ خیال نہیں صرف نفس کی خواہشات پوری ہوں۔ ہر انسان الا ماشاء اللہ اپنے نفس کی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے دوڑ دھوپ کر رہا ہے۔ حالانکہ نیکی تو نفس کی مخالفت کا نام ہے۔ جب تک اخلاق رذیلہ کو ترک نہ کیا جائے اور اس کی جگہ اخلاق فاضلہ نہ آئیں۔ دل کو پاکیزگی نہیں ملتی اور جب تک دل پاک نہ ہو نجات مشکل ہے۔ نفس لذت کو چاہتا ہے۔ اور نیکی ترک لذات کا نام ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ۔

"دنیا کی لذتوں پر فریفتہ مت ہو۔ کہ وہ خدا سے جدا کرتی ہیں خدا کے لئے تلخی کی زندگی کو اختیار کرو۔ وہ درد جس سے خدا راضی ہو اس لذت سے بہتر ہے۔ جس سے خدا ناراض ہو جائے۔"

میرے عزیزو اور بھائیو! اس فتنہ تصویر سے بچو اور اپنے آپ کو بدنظری سے بچاؤ کہ یہ غارت گر دین ایمان ہے اور خدا کی ناراضگی کا باعث ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ نے اس لئے جماعت کو فلم بینی سے منع کر دیا تھا۔ اگر آپ کے دل میں خلیفہ وقت کے حکم کی کچھ قدر و قیمت ہے تو دل سے اطاعت کرو۔ ورنہ نتیجہ خراب نکلے گا اور ایک دن آپ محسوس کریں گے۔ اپنے دل و نگاہ کو پاک رکھو۔ ہر ناپاک آنکھ اس سے دور ہے اور ہر ناپاک دل اس سے بے خبر ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ نصیحت خوب یاد رکھو اور اگر صرف نظر کرو گے تو آپ کے بچے دنیا دار تو ہو جائیں گے لیکن دین دار نہ ہوں گے اور اگر دین نہ رہا تو باقی کیا رہا۔

زباں سے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

تزکیہ نفس کی اہمیت

اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش کی غرض اپنی عبادت اور معرفت مقرر کی ہے لیکن انسان ہوائے نفس کے چکر میں پڑ کر اپنے مقصد کو بھول جاتا ہے اور وہ اپنے پیدا کرنے والے خدا کو بھی بھلا بیٹھتا ہے۔ شیطان انسان کا دوسرا شدید دشمن ہے۔ ہوائے نفس اور شیطان نے مل کر دور حاضر میں اب ایسا فساد پھیلا رکھا ہے کہ جب سے دنیا بنی ہے ایسا فساد کبھی نہیں ہوا۔ انسان اللہ تعالیٰ سے غافل ہو گیا ہے۔ صرف دنیاوی لذات کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ اس کی دوڑ مجنونانہ حد تک پہنچ گئی ہے۔ اس مشینی دور میں اس کی زندگی الجھ کر رہ گئی ہے۔ اب وہ ذہنی توازن کھو بیٹھا ہے۔ آفاق وانفس میں جو نشانات ظاہر ہو رہے ہیں۔ ان سے سبق حاصل نہیں کرتا۔ قوموں کے عروج و زوال۔ سرکش اور شریر انسانوں کے عبرتناک انجام سے بے پرواہ ہے۔ فسق و فجور کے بدنتائج اس سے اوجھل ہیں۔ غرض اس کی آنکھوں پر دنیا پرستی اور خواہشات کے پردے پڑ گئے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

> "بڑی غلطی انسان کی دنیا پرستی ہے نادان کہتا ہے کہ ہم دنیا کو چھوڑ دیں اور یہ غلطی اسے نہیں چھوڑتی۔ جب تک اس کو بے ایمان کر کے ہلاک نہ کر دے۔ اے نادان کون کہتا ہے کہ تو دنیا چھوڑ دے اور اسباب کی رعایت نہ کر مگر دل کو دنیا اور اس کے فریبوں سے دور رکھ ورنہ تو ہلاک شدہ ہے"۔

پس ہوائے نفس سے بچنے کی ایک ہی راہ ہے کہ انسان اس کی ہر معاملہ میں مخالفت کرے۔ نفس کی مخالفت کا نام ہی نیکی ہے۔ اس لئے بزرگوں نے کہا ہے کہ موتوا قبل ان تموتوا موت سے پہلے نفس کو مار دو۔ تب دل زندہ ہوگا۔ نفس پر فنا وارد کرنے کے بغیر دل پاک نہیں ہو سکتا اور نہ اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں آ سکتی ہے۔ تصوف نفس کا مارنا ہی تو ہے۔

لکھا ہے کہ ایک بزرگ بازار میں جا رہے تھے۔ ان کی نظر ایک قصاب کی دکان پر پڑ گئی۔ سامنے گوشت رکھا تھا۔ قصاب نے کہا آیئے گوشت لے جایئے۔ تازہ ہے فربہ ہے۔ بزرگ نے

کھانہیں بھائی یہ گوشت نہیں لیتا۔ میرے پاس رقم نہیں ہے۔ قصاب نے کہا۔ مہلت پر لے جائیے۔ پیسے پھر آجائیں گے کوئی بات نہیں۔ بزرگ نے کہا بھائی مہلت پر نہیں لے جاتا۔ نفس سے مہلت سے لوں گا۔ خوامخواہ قرضہ کا بوجھ کیوں اٹھاؤں۔ اللہ اکبر۔ یہ ہے بزرگوں کا طریق۔ کہ اگر نفس کوئی خواہش بھی کرتا ہے تو اس کی خواہش کی تکمیل کے پیچھے نہیں لگ جاتے۔ بلکہ اس کی مخالفت کرتے ہیں اور اسے کسی اور طرح راضی کرتے ہیں مگر اکثر لوگوں کی حالت یہ ہے کہ گوشت کے بغیر کھانا بے لطف اور بدمزہ ہے دو دن گوشت کا ناغہ مصیبت بن جاتا ہے۔ کئی کئی جتن نفس کو راضی کرنے کے لئے کرتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نمونہ ملاحظہ ہو۔ ایک ذکر پر فرمایا۔

"ایک سال سے زیادہ عرصہ ہوا ہے میں نے گوشت کا منہ نہیں دیکھا۔ اکثر مسی روٹی (بیسنی) یا اچار اور دال کے ساتھ کھالیتا ہوں۔ آج بھی اچار کے ساتھ روٹی کھائی ہے"۔

(ملفوظات جلد ۵ ص ۱۷۲)

پس جب تک دنیاوی لذات ترک نہ ہوں اللہ تعالیٰ کے قرب کی راہیں کیسے کھلیں۔ صوفیاء کے نزدیک تصوف کی جان تین باتیں ہیں۔ قلت الطعام۔ قلت الکلام۔ قلت المنام اور یہ صحیح ہے۔ کہ جب تک ان باتوں پر عمل نہ ہوگا۔ قرب کی راہیں نہیں کھل سکتیں۔ کم کھانے اور کم سونے سے ہی روح میں پاکیزگی پیدا ہوتی ہے۔ جو خدا سے ملاتی ہے۔ اگر نفس کو شکم سیر ہو کر کھلایا جائے۔ تو وہ رات کو کیسے اٹھ سکتا ہے۔ یا اس سے کوئی اور ریاضت کیسے ہو سکتی ہے۔ پس یاد رکھیے۔ کہ نفس سیدھا ہی بھوک سے ہوتا ہے۔ اسی لئے روزہ روحانی ارتقاء کے لئے ضروری رکھا ہے۔ مشہور ہے کہ گدھے کے پیٹ میں اگر گھاس زیادہ چلی جائے تو وہ مالک کی نافرمانی کرنے لگتا ہے۔ اسی طرح اگر نفس کی ہر خواہش پوری کی جائے تو باغی اور سرکش ہو جاتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "نفسانیت کی فربہی چھوڑ دو۔ کیونکہ جس دروازہ کے لئے تم بلائے گئے ہو اس میں سے ایک فربہ انسان داخل نہیں ہو سکتا"۔ قرآن مجید میں ہے لا یدخلون الجنۃ حتیٰ یلج الجمل فی سم الخیاط یعنی اس وقت تک جنت میں داخلہ ممکن نہیں جب تک نفس کا اونٹ باریک ہو کر سوئی کے ناکے سے نہ گزر جائے۔

پس سوچئے کہ کتنا نازک معاملہ ہے اور نجات کتنی مشکل ہے ادھر حال یہ ہے کہ لوگوں نے اپنے نفسوں کو دنیاوی آرام و آسائش سے اتنا پال رکھا ہے کہ اب اس کا باریک ہونا مشکل ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حفصہؓ سے پوچھا گیا کہ آپ کے ہاں حضور ﷺ کیسے بستر پر استراحت فرمایا کرتے تھے ام المومنین ؓ نے جواب دیا کہ ایک ٹاٹ تھا جسے ہم دوہرا کر کے بچھایا کرتے تھے ایک دن میں نے اس کی چار تہیں کر کے حضور ﷺ کے نیچے بچھا دیا تاکہ نرم رہے۔ صبح کو اٹھ کر مجھ سے دریافت کیا۔ حفصہ! رات کو تم نے میرے نیچے کیا بچھا دیا تھا میں نے کہا وہی ٹاٹ تھا جو میں بچھایا کرتی ہوں۔ البتہ کل شب میں نے اس کی چار تہیں کر دی تھیں۔ تاکہ ملائم ہو جائے۔ فرمایا ویسا ہی کر دو جیسا کہ تھا۔ کیونکہ اس نے میری نماز میں ڈھیل ڈال دی۔ اللھم صلی علی محمد۔

یہ ہے ہمارے لئے اسوۂ حسنہ۔ اور یہ سچ ہے کہ حضور ﷺ کی اتباع سے ہی ہم اللہ تعالیٰ کو راضی کر سکتے ہیں۔ محبت کا تقاضا تو یہ ہے کہ محبوب کے ہر فعل کو اپنایا جائے تاکہ یک رنگی پیدا ہو۔ ورنہ دعویٰ باطل ہے۔ نفس کا مغلوب کرنا بہت ہی مشکل کام ہے۔ کہتے ہیں دوسروں پر نکتہ چینی سہل اور اپنے نفس کی اصلاح مشکل کام ہے۔

انسان دنیا کی تمام چیزوں کو مسخر کر رہا ہے۔ اسے ہر ایک چیز پر غلبہ حاصل ہو رہا ہے۔ لیکن وہ نفس پر غالب نہیں آسکا۔ نفس کی طرف سے جب بھی کوئی خواہش اٹھتی ہے تو اس کی اکساہٹ اسے آرام سے بیٹھنے نہیں دیتی۔ فوراً اس کی تکمیل کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ اور اس وقت تک چین نہیں لیتا جب تک کہ اسے پورا نہ کرے۔ یوں سمجھئے کہ دنیا اب نفس کی غلام بن کر رہ گئی ہے۔ اب خواہشات نفس ہیں۔ یا ان کی تکمیل کا کام انسانیت کی حدود کو توڑ دیا گیا ہے۔ خدا سے بے خوفی اور انجام سے بے پرواہی اس پر مستزاد ہے۔ یورپ اور امریکہ کا حال ہمارے سامنے ہے نفس اور شیطان نے انسان کو اشرف المخلوقات کے مقام سے گرا کر شرابی بنا دیا ہے۔ اب وہ خود پرست اور شکم پرست بن گیا ہے۔

سوچنے والی بات ہے کہ آج کا انسان اس قدر کیوں بگڑ گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا ایمان اللہ تعالیٰ پر سے اٹھ گیا ہے اس کے دل میں خدا تعالیٰ کا خوف نہیں اور نہ اسے کسی محاسبہ کا ڈر ہے۔ اسی لئے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

کہ جنت کے مستحق وہی لوگ ہیں جو میرے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتے ہیں۔ من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھوی فان الجنہ ھی الماوی یہی حقیقت ہے کہ انسان خوف ہی سے برائیاں دور کر سکتا ہے اگر اسے اپنی جان کا خطرہ ہو تو اپنی ضروریات کو بھی ترک کر دیتا ہے۔ مثلاً اگر کسی کو ڈاکٹر کہے کہ تجھے ذیابیطس ہے اور تجھے شکر غیر مفید ہے۔ اگر استعمال کرے گا تو جلدی مرجائے گا تو وہ شکر کو چھوڑ دے گا یا مثلاً کسی عدالت میں اس کی پیشی ہو اور غیر حاضری سے اسے قید ہو جانے کا خطرہ ہو تو کبھی غیر حاضر نہ ہوگا۔ بلکہ وقت سے پیشتر کمرہ عدالت میں حاضر ہوگا۔ یہی صورت انسانی نفس کے ساتھ ہے۔ نفس پر قابو پانے کے لئے خدا تعالیٰ کا خوف اور محاسبہ کا ڈر ہی کارگر نسخہ ہے۔ کسی بزرگ نے کہا ہے کہ

"خواہش نفس تو ایک بے لگام گھوڑے کی طرح ہے اگر اس کو قابو میں لانا ہے تو مردانہ وار آگے بڑھ کر اس کی گردن کو قابو میں کر لو اگر پیچھے رہو گے تو یہ دولتی مارے گا۔ کبھی تمہاری آنکھ نہیں۔ تو کبھی ناک۔ اس کو قابو میں لانے کی ضرورت یہ ہے کہ اسے عقل کی رکاب لگاؤ۔ اور دین کی لگام دو اور پھر سوار ہو جاؤ۔ اگر یہ نہ ہو تو یہ منہ زور گھوڑا تمہیں تباہی اور بربادی کے گڑھے میں پھینک دے گا"۔

گویا خوف خدا ہی سے اور دین پر عمل کرنے سے نفس کو قابو میں لایا جا سکتا ہے۔ انسان کی پیدائش کی غرض اللہ تعالیٰ کا عبد بننا ہے۔ نفس کا غلام نہیں اور اگر سوچا جائے تو انسان کو اللہ تعالیٰ کا عبد ہونے کی حیثیت سے یہ حق ہی نہیں پہنچتا کہ وہ دوسرے کی غلامی کرے۔ یہی شرط ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نفس پر غالب آنے کی توفیق بخشے کیونکہ اس کی توفیق کے بغیر کامیابی مشکل ہے۔

خدا تعالیٰ نے جماعت احمدیہ کو نیکی کا نمونہ دکھانے کے لئے چنا ہے

انسان جب دنیا کی طرف جھکتا ہے تو اس کا رشتہ اپنے پیدا کرنے والے سے ٹوٹ جاتا ہے۔ اس صورت میں شیطان اسے جلدی گمراہ کر لیتا ہے اور ہلاکت تک پہنچا دیتا ہے۔ گمراہی اور ضلالت ہمیشہ اس کے ذریعہ سے ہی پھیلتی رہی ہے۔ اس وقت دنیا میں جتنی گمراہی اور ضلالت پھیلی ہوئی ہے۔ پہلے زمانہ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ انسان سراسر مادی بن گیا ہے۔ وہ اپنی روحانی اقدار کھو چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت کے مطابق اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دنیا میں بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے بھیجا ہے تاکہ عابد اور معبود کا رشتہ پھر سے استوار ہو جائے۔ بندہ اپنے مالک کو شناخت کرے اور جس مقصد کے لئے وہ دنیا میں آیا ہے اسے پورا کرے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک جماعت تیار کی ہے جس کی غرض وغایت حضور ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں :-

”خدا تعالیٰ اس جماعت کو ایک ایسی قوم بنانا چاہتا ہے جس کے نمونہ سے لوگوں کو خدا یاد آوے اور وہ تقویٰ اور طہارت کے اعلیٰ درجہ پر قائم ہوں اور جنہوں نے درحقیقت دین کو دنیا پر مقدم کر لیا ہو“۔

پس اس جماعت کا نمونہ ایسا ہونا چاہئے کہ جسے دیکھ کر لوگوں کو خدا یاد آوے یعنی وہ خدا نما وجود بن جائیں۔ دوسرے لفظوں میں وہ خدا تعالیٰ کی محبت میں فنا ہو کر اور تخلقوا باخلاق اللہ کے سانچے میں ڈھل کر خدائی صفات کے مظہر بن جائیں۔ یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت تبھی ہو سکتی ہے جب اس کا بندہ تقویٰ اور طہارت کے اعلیٰ مقام پر قائم ہو جائے کیونکہ وہ فرماتا ہے کہ میں متقیوں کے ساتھ ہوں میں متقیوں سے محبت کرتا ہوں۔ جب انسان متقی بن جائے گا۔ یعنی ہر بات میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو مدنظر رکھے گا۔ تو اس طریق سے وہ اپنے نفس کا

تزکیہ کرلے گا۔ اسے دل کی پاکیزگی حاصل ہو جائے گی۔ اس کا دل حسن کی جلوہ گاہ بن جائے گا۔ چونکہ وہ قدوس ہے۔ اس لئے وہ پاکیزہ دل کو اپنی جلوہ گری کے لئے چنتا ہے۔ پس جس دل میں خدا کی جلوہ گری ہو اس وجود سے خدا نظر آتا ہے دل اس کی طرف بے اختیار کھچے چلے جاتے ہیں۔ جب ایسے وجود دنیا میں موجود ہوں تو خدا تعالیٰ کی ہستی میں کون شک کر سکتا ہے جاننا چاہئے کہ اس جماعت کا قیام حضرت مسیح موعود کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی ہستی کو دکھانا ہے تاکہ دنیا ہدایت پائے۔ لہذا ضروری ہے کہ جماعت کا ہر فرد تقویٰ اور طہارت اخلاص و وفا میں بلند مقام حاصل کرے۔ جب یہ صورت ہوگی تو جماعت کے لوگوں میں ایک جذبہ پیدا ہو جائے گا۔ جس کے ذریعہ سے دنیا خود بخود ان کی طرف کھچی چلی آئے گی اور روحانی آسودگی حاصل کرے گی۔ اس وقت دنیا کا فہیم طبقہ جماعت احمدیہ کی دیانت' اخلاق حسنہ اور تقویٰ اور طہارت کی برتری کا قائل ہے اور یہ صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی برکات کے طفیل ہے۔ ورنہ ہم اپنی حالت کو خوب جانتے ہیں کہ ہم میں کتنی کمزوریاں اور خامیاں موجود ہیں اگر ہم اپنی پوری اصلاح کرلیں اور اپنے دلوں میں ایک پاک تبدیلی پیدا کرلیں تو بہت تھوڑے عرصہ میں دنیا میں ایک انقلاب پیدا کیا جا سکتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ دنیا اس وقت ذہنی اور روحانی سکون کی سخت محتاج ہے یہ چیز صرف اسلام اور احمدیت ہی میں ملے گی۔ جب وہ سچے دل سے اسلام کا جوا اپنی گردن پر رکھیں گے اور قرآن اور سنت کو اپنا دستور العمل بنائیں گے۔ تب ان کو خوف اور حزن سے نجات ملے گی۔ فمن تبع هدای فلا خوف علیهم ولا هم یحزنون

لیکن یاد رکھو کہ انسان اپنا عقیدہ کسی کے کہنے پر نہیں بدل دیتا۔ عقیدہ دل سے تعلق رکھتا ہے اور دل اخلاق فاضلہ سے مسخر کئے جاتے ہیں۔ دل تو محبت سے قائل ہوتے ہیں۔ ورنہ نری زبانی تبلیغ سے کون اپنا عقیدہ چھوڑتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت تیار کی وہ صرف زبانی تبلیغ یا وعظ و نصیحت کی پیداوار تو نہ تھی۔ ان لوگوں نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق فاضلہ اور شفقت بے پایاں کو دیکھ کر اسلام قبول کیا تھا۔ وہ محبت کی تلوار تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چلائی اور دلوں کو فتح کیا۔ وہ سب محبت کے اسیر تھے۔ فتح مکہ کے بعد جب کفار کو پکڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا تاکہ ان کا فیصلہ کیا جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو چھوڑ دیا اور فرمایا۔ آج تم آزاد ہو۔ جاؤ تمہیں معاف کیا جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان

اخلاق کریمانہ کو دیکھ کر ان لوگوں کو بصیرت حاصل ہو گئی۔ اور کہا کہ جو شخص ہم جیسے دشمنوں کو معاف کر سکتا ہے وہ عام نہیں ہو سکتا۔ خدا کا سچا رسول ﷺ ہی ہو سکتا ہے اس پر وہ سب حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ اللھم صلی علی محمد و آل محمد

پس یہ بات مسلم ہے کہ اخلاق کریمانہ کا جتنا گہرا اثر ہوتا ہے کسی اور چیز کا نہیں ہوتا۔ کہتے ہیں محبت کا تیر کبھی خطا نہیں جاتا۔ محبت کا جواب تو جانور بھی محبت سے دیتے ہیں اور اپنی جان تک مالک پر نثار کر دیتے ہیں۔ پس اس جماعت کا قیام اس غرض کے لئے ہوا ہے کہ جماعت کے لوگوں کے اخلاق حسنہ محبت اور ہمدردی کو دیکھ کر دنیا کو خدا یاد آوے اور وہ اپنے رب کو شناخت کر کے اس سے تعلق قائم کر لیں۔ لیکن اگر ہمارا نمونہ درست نہیں۔ اور ہم میں وہ جذبہ نہیں تو ہم اسلام کو دنیا میں کیسے پھیلا سکیں گے پس ہم لوگ بہت بڑی ذمہ داری کے نیچے ہیں۔ ہم نے جو عہد بیعت کے وقت کیا تھا اس کو نبھانا چاہئے۔ ہم دین کو دنیا پر مقدم رکھیں۔ نیکی کا نمونہ ہوں۔ تقویٰ اور طہارت کے اعلیٰ مقام پر پہنچ جائیں۔ پھر دنیا ہمارے اخلاق حسنہ' محبت' ہمدردی اور ایثار کو دیکھ کر بے اختیار ہمارے پاس آئے گی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ کا نمونہ ہمارے سامنے ہے وہ لوگ بلاشبہ نیکی کا نمونہ تھے ان کے اخلاق حسنہ کو دیکھ کر لوگ ان کی طرف مائل ہو جاتے تھے۔ ان کا وجود خدا نما تھا وہ اپنے زمانہ کے غوث اور اقطاب تھے ان کی روحانی رفعتوں کا اندازہ ہم نہیں لگا سکتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی محبت نے ان کو کندن بنا دیا تھا۔ وہ جہاں بھی رہے ایک دنیا ان کی عزت اور ان کی عظمت کی قائل رہی ان کے ذریعہ سے ہی روحانی انقلاب برپا ہوا۔

محترم چوہدری ظفر اللہ خان صاحب جنہیں صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ اسلام میں شمولیت کا فخر حاصل ہے۔ 1913ء میں لندن میں بیرسٹری کی تعلیم حاصل کرنے گئے۔ آپ نے اس زمانہ میں حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کو ایک خط میں لکھا کہ۔

"امسال گرمی کی تعطیلات میں میں فن لینڈ' روس' سویڈن کی سیر کو گیا تھا۔ جسے شاید پچھلے عریضہ میں عرض کر چکا ہوں ایک جہاز پر سفر کرتے ہوئے فن لینڈ کی ایک طالب علم خاتون سے ملاقات ہوئی جو انگریزی کے علاوہ پانچ اور زبانیں بولتی اور پڑھتی ہے۔ چونکہ اس نے پہلے کوئی ہندوستانی نہیں دیکھا تھا اس لئے اس کی اور میری بہت دیر تک ہندوستان اور اسلام پر گفتگو ہوتی

رہی اور بعد میں فن لینڈ پہنچ کر بھی چند دفعہ ملاقات ہوئی۔ اس نے مجھ سے صاف کہہ دیا کہ میرا عیسائیت پر بالکل ایمان نہیں اور میں اکثر اس وجہ سے ناخوش رہتی ہوں کہ میں کوئی مذہب نہیں رکھتی اگر میرا کسی بات پر ایمان ہو تو میں زیادہ خوش رہوں۔ میں نے اسلام کے سادہ اصول اسے بتائے سن کر کہنے لگی کہ جو باتیں تم بتاتے ہو۔ اگر یہی اسلام ہے تو میں شاید مسلمان ہو جاؤں گی کیونکہ میں محسوس کرتی ہوں کہ میں ان باتوں پر ایمان لا سکتی ہوں...... جب پہلے اس خاتون سے میری ملاقات ہوئی تو اس نے خیال کیا کہ کوئی جاہل گنوار ہے اور بعد میں اس کا خیال بدلتا گیا۔ پھر اس کو حیرت اور تعجب ہوا کیونکہ وہ فن لینڈ کی تاریخ وغیرہ کے متعلق ذکر چھیڑتی تھی تو میں اس کو پہلے ہی بتا دیتا کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہے۔ پھر اس نے میرے عام چلن پر غور کیا تو اس کو اور بھی تعجب ہوا کہ اس شخص کے اخلاق اور یوربی اخلاق میں اتنا فرق کیوں ہے۔ چنانچہ اس نے مجھ سے ایشیائی تہذیب اور میرے مذہب کے متعلق سوال کرنا شروع کیا۔ پھر اس کی جرات اور بڑھنی شروع ہوئی۔ میں نے معلوم کیا کہ وہ خود بالکل ایشیائی خیالات کی ہے پردہ اور طلاق کے متعلق جب گفتگو ہوئی تو اب مجھے حیرت ہونے لگی۔ کیونکہ ان مضامین پر بھی ہم نے اپنے آپ کو بالکل ہم خیال پایا.......... یورپ میں لڑکوں اور لڑکیوں کا آپس میں جیسے میل جول ہوتا ہے اور خاص کر سفر میں جہازوں پر اس کے دہرانے کی ضرورت نہیں لیکن جب اس خاتون نے دیکھا کہ میں اس میں بھی اوروں سے مختلف ہوں تو اس نے میری بہت عزت کرنی شروع کر دی۔ چنانچہ اس نے مجھ سے کہا کہ اول اول تو میں نے جاہل خیال کیا اور بچہ سمجھا۔ لیکن اب میں ہر وقت آپ سے ڈرتی ہوں۔

تقویٰ کی راہ کسب حلال

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں ذکر ہے کہ ایک وقت آئے گا لوگ مال و دولت جمع کریں گے۔ لیکن یہ کوئی خیال نہ کرے گا کہ یہ مال کن وسائل سے آرہا ہے۔ اس وقت حلال اور حرام کی تمیز اٹھ جائے گی۔ وہ زمانہ یہی ہے۔ ہر شخص یہی چاہتا ہے کہ اس کو مال و دولت مل جائے خواہ جس طریق سے ہی آئے۔ اس زمانہ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ نہ وہ مجھ سے ہیں اور نہ میں ان سے ہوں۔ میرا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ اب ہر شخص الا ماشاء اللہ دوسروں کے حقوق کو مارنے پر تلا ہوا ہے۔ لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہے۔ ایمان اٹھ گیا ہے۔ قیامت کا ڈر نہیں۔ محاسبہ کا خوف نہیں بلکہ احساس گناہ ہی نہیں۔ اب حلال رزق کھانے والے شاذ ہی ملیں گے۔ اب تو لوگ یہ کہتے ہیں کہ میاں یہ دنیا داری ہے یہاں دینداری نہیں چلے گی۔ دنیا کماؤ مکر سے اور روٹی کھاؤ شکر سے یہ عام مقولہ ہے..... لیکن حدیث شریف میں آیا ہے کہ عبادت کے دس حصے ہیں۔ ایک حصہ تو عبادت کا نماز' روزہ' حج اور زکوۃ ہے اور باقی نو حصے رزق حلال ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رزق حلال کو عبادت میں فضیلت حاصل ہے۔ جس کا رزق حلال نہیں اس کی دوسری عبادتیں فضول ہیں۔ لکھا ہے ایک شخص دور سے چل کر حج کو جاتا ہے۔ راستے کی صعوبتیں اٹھاتا ہے۔ خرچ کرتا ہے۔ وہاں جا کر طواف کرتا ہے اور دوسرے مناسک ادا کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اسے فرماتا ہے کہ تو یہاں کیا لینے آیا ہے۔ جب تیرا رزق حرام ہے اور حرام کی کمائی کھاتا ہے تو یہاں سے کیا لے جاوے گا۔ غور کرو کہ جس کا رزق حلال نہیں نہ اس کی نمازیں قبول ہیں نہ حج نہ زکوۃ اور نہ صدقات۔ حیوان اور انسان میں یہی فرق ہے کہ حیوان کو عقل نہیں دی گئی۔ اسے جہاں سے خوراک ملتی ہے کھالیتا ہے۔ لیکن انسان کو عقل ملی ہے۔ اسے اپنے پرائے کی تمیز ہے۔ وہ اگر دوسروں کی چیز کو غصب کرتا ہے تو ظالم ٹھہرتا ہے۔ وہ حیوان سے بھی بدتر ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ حرام رزق کھانے والے پر جنت حرام ہے۔ ایسا گوشت جو حرام مال کھانے سے بنے وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ حرام مال کھانے

والے کا نہ صدقہ قبول نہ عبادت منظور ہے اور نہ دعا قبول ہے۔ ذرا سوچو تو سہی کہ حرام مال کھائے گا وہ دوسروں کا حق مارے گا اور یہ بھی صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ حقوق العباد کو معاف نہیں کرتا۔ جب تک مظلوم اس کو معاف نہ کرے اب غور کرو کہ وہ ذرا سے مالی فائدہ کے لئے ظالم بنتا ہے اور ایسے گناہ کرتا ہے جو معاف نہیں ہو سکتے اور ان کا بدلہ اسے آخرت میں ضرور دینا ہوگا۔ خواہ اس کی نیکیاں مظلوم کو ملیں یا مظلوم کی بدیاں اسے ملیں پس خیال کرو کہ کتنا عظیم نقصان ہے جو وہ کرتا ہے۔ اس سے بہتر تھا کہ وہ پیدا نہ ہوتا..... کتابوں میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم تیمی نے موسیٰ بن مہران کو ان کے مرنے کے بعد خواب میں دیکھا اور ان سے اللہ تعالیٰ کے سلوک کے بارہ میں سوال کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ جب سے مرا ہوں۔ امراء کی ضیافتوں کا جواب دے رہا ہوں اور ایک سوئی کے بدلے قید ہوں۔ جو واپس نہ کر سکا۔ پس جس کا رزق حرام ہو اس کا کیا حال ہوگا۔

اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے حقوق بخش دیتا ہے لیکن بندوں کے حقوق نہیں بخشتا جب تک اس کی پوری تلافی نہ ہو جائے۔ میرا ایک واقف کار رشوت لیتا تھا۔ میں نے اس سے کہا بھائی رشوت کیوں لیتے ہو۔ اسے چھوڑ دو۔ دوسروں کا گناہ کیوں اپنے سر لیتے ہو۔ کہنے لگا بھائی کیا کریں تنخواہ پر گزارہ نہیں ہوتا۔ میں نے کہا قیامت کے دن خدا تعالیٰ کو یہی جواب دو گے کہ تیرا رزق دیا ہوا مجھے کافی نہ تھا۔ اس لئے میں اپنے گزارہ کے لئے رشوت لیتا تھا۔ کہنے لگا میں ایسا تو نہیں کہہ سکتا۔ میں نے کہا خدا تعالیٰ تو تمہیں تمہارے حسب حال گزارہ کی رقم دے دیتا ہے۔ اس میں اپنے آپ کو رکھنا پڑے گا۔ جتنی چادر ہو اتنے پیر پھیلاؤ۔ جس حالت میں مالک آپ کو رکھنا چاہتا ہے اسی حالت میں رہو۔ دوسروں کی دیکھا دیکھی اپنے معیار کو بڑھا دینا بے وقوفی ہے۔ مومن کا کام تو تسلیم و رضا ہے۔ خدا کی تقسیم پر راضی ہو جاؤ ورنہ نتائج بہت خراب ہوں گے۔ دراصل انسان بڑا ہی کم عقل اور حد سے تجاوز کرنے والا ہے۔ اسے حرص ایسی لگی ہے کہ خدا کی تقسیم پر راضی نہیں رہتا۔ حالانکہ اس نے کہہ دیا ہے کہ نحن قسمنا بینھم معیشتھم لیکن وہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہتا ہے اور ہمیشہ اپنی قسمت پر شاکی رہتا ہے۔ خدا تعالیٰ اسے کہتا ہے کہ حرام نہ کھا۔ میں تجھے بھوکا نہ ماروں گا۔ کیا میں نے تجھے ماں کے پیٹ میں نہ پالا تھا اور جب تو پیٹ سے باہر آیا تو کیا تیرے لئے ماں کی چھاتیوں میں

دودھ نہ بھر دیا تھا۔ اے بے وقوف انسان مجھے صرف روٹی کے لئے ناراض کرتا ہے۔ کیا تجھے روٹی نہ ملے گی۔ میں کسی کو بھوکا نہیں سلاتا۔ بھوکا اٹھاتا ہوں۔ بھوکا سلاتا نہیں۔ حرام نہ کھا۔ میں تجھے حلال دوں گا۔ اگر دال ملے گی تو میرا قرب بھی ملے گا۔ زردہ پلاؤ پر مرتا ہے تو مجھ سے غافل ہو جائے گا۔ نفس موٹا ہو جائے گا۔ بے کار ہو جائے گا۔ دال سے نیکیوں کی توفیق ملے گی۔ عبادات کا مزہ آئے گا۔ سادہ غذا سے صحت بھی ٹھیک رہے گی۔ لیکن انسان ہے کہ راضی نہیں ہوتا ہمیشہ جھگڑا کرتا ہی رہتا ہے..... اکثر لوگ شکایت کرتے ہیں کہ نمازوں میں ان کا دل نہیں لگتا۔ عبادت کا مزا نہیں آتا۔ تو اس کی اکثر وجہ یہی ہوتی ہے کہ ان کے رزق میں کچھ خرابی ہوتی ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ سے ان کا صحیح ربط قائم نہیں رہتا۔ وہ پاک ہے اور پاکیزہ دلوں سے تعلق رکھتا ہے۔ ویسے تو انسان عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور فطرتاً اسے اپنے کام میں لطف آتا ہے لیکن اس کی بے ذوقی اس کی ناپاکی کی نشاندہی کرتی ہے۔ دراصل رزق حلال اور حرام کا بہت نازک معاملہ ہے۔ انسان تھوڑی سی بات سے حلال کی کمائی کو حرام کر لیتا ہے۔ ملازم اگر کام میں سستی کرے تو رزق ناپاک' دوکاندار پورا سودا نہ دے یا ملاوٹ کرے تو رزق ناپاک' دستکار یا مزدور غفلت کرے تو رزق ناپاک۔ اسی طرح ہر شخص اپنے نفس کو منصف رکھ کر اس امر کو جان سکتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک مرتبہ اپنے خدام کے ساتھ سیر پر جا رہے تھے۔ کسی دوست نے بیر پڑا دیکھا۔ وہ اسے اٹھا کر کھانے لگے تو حضورؑ نے فرمایا کہ اس درخت کا بھی مالک ہے۔ کیا آپ نے اس سے پوچھا ہے تو اس نے وہ بیر فوراً گرا دیا۔ تو دیکھو جسے ہم بہت ہی معمولی بات سمجھتے ہیں وہ بہت خطرناک ہوتی ہے۔ تقویٰ کی راہیں تو بہت باریک ہیں۔ لکھا ہے کہ ابراہیم بن ادھم کو ایک مرتبہ کسی باغ کی رکھوالی کرنی پڑی۔ ایک دن مالک نے کہا کچھ میٹھے انار لے آؤ۔ آپ گئے اور تھوڑی دیر کے بعد چند انار لے آئے۔ مالک نے انار چیرے تو سب کے سب کھٹے تھے۔ اس نے خفا ہو کر کہا کہ اتنی مدت میں تمہیں اتنا بھی معلوم نہیں ہوا کہ کھٹے انار کون سے ہیں اور میٹھے انار کون سے۔ آپ نے جواب دیا کہ سرکار میرا کام کھٹے یا میٹھے انار چکھنا نہیں۔ اناروں کی رکھوالی کرنا ہے۔ مالک حیرت سے ان کا منہ تکنے لگا اور کہا کہ کتنی دیانت کی بات کی ہے۔ غرض یہی ابراہیم بن ادھم آگے جا کر خدا تعالیٰ کے مقرب بنے اور برگزیدہ لوگوں میں شامل ہوئے۔

اب اس بات کو بھی سامنے رکھو اور اپنی اور دنیا کی حالت کو بھی دیکھو کہ آج کا انسان کہاں سے کہاں چلا گیا ہے۔ غرض سب سے بڑی چیز تقویٰ ہے اور یہی تائید ہے۔ پھر اس امر کو ذرا وسعت دے کر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ حرام کا مال کھاتے ہیں ان کی اولاد بگڑ جاتی ہے۔ ان کی جمع کی ہوئی دولت یا تو بیماری پر لگ جاتی ہے یا کسی اور ناجائز طریق سے ضائع ہو جاتی ہے۔ غرض جس طور سے مال آتا ہے اسی طور پر جاتا ہے۔ حرام مال میں برکت نہیں بلکہ وہ دوسرے مال کو بھی لے ڈوبتا ہے۔ آپ اپنے گردوپیش نظر دوڑائیں تو آپ کو سینکڑوں مثالیں اس قسم کی ملیں گی کہ حرام مال کھانے والے نہ خود رہے اور نہ ان کا مال صرف ان کے افسانے عبرت کے لئے رہ گئے۔..... ایک آدمی کا ریوڑ تھا۔ وہ دودھ میں پانی ملایا کرتا تھا۔ نوکر اسے کہتے کہ یہ کام درست نہیں مگر وہ اس طرف توجہ نہ کرتا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک دن جب اس کا نوکر بکریوں کو پہاڑ پر چرانے کے لئے لے گیا تو وہاں اس زور کی بارش ہوئی کہ وہ بکریوں کو بھی بہا لے گئی۔ نوکر ایک بھی نہ بچا سکا۔ جب خالی گھر آیا تو مالک نے پوچھا کہ بکریاں! اس نے جواب دیا کہ جو پانی آپ دودھ میں ملایا کرتے تھے وہ سیلاب کی شکل میں آیا اور سب بکریوں کو بہا کر لے گیا۔ اب آپ کا حساب صاف ہو گیا ہے۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی۔ میری بات تو آپ نے نہ مانی تھی۔ اب اس کا خمیازہ بھی بھگتو اور اب کوئی اور دھندا کرو۔ یہ کہاوت بالکل صحیح ہے کہ مال حرام بجائے حرام رفت۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص روزی کے سلسلے میں اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ وہ کس ذریعہ سے آرہی ہے تو خدا تعالیٰ بھی اس بات کی پرواہ نہ کرے گا کہ اسے کس دروازہ سے دوزخ میں داخل کرے۔ پس پہلی سیڑھی تو اخلاق کی کسب حلال ہے۔ اگر یہ نہیں تو وہ انسانیت کی توہین کرتا ہے اور حیوان سے بھی بدتر ہے۔

پس ہمارے دوستوں کو اس بارہ میں بڑی احتیاط کرنی چاہیے۔ ہمارا دیانت کا معیار بہت اونچا ہونا چاہیے۔ ہم نے ایک مامور کے ہاتھ پر اسلام کے احکام پر چلنے کا نیا عہد باندھا ہے۔ خدا کرے ہم اس پر ثابت قدم رہیں۔

اکل حلال اور قومی دیانت کا قیام

حدیث شریف میں آیا ہے کہ عبادت کے دس حصے ہیں ایک حصہ عبادت تو نماز' روزہ' حج اور زکوۃ ہے اور باقی نو حصے رزق حلال ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رزق حلال کو عبادت میں فضیلت حاصل ہے۔ جس کا رزق حلال نہیں اس کی دوسری عبادتیں محض ٹکریں ہیں۔ لکھا ہے کہ ایک شخص دور سے چل کر حج کو جاتا ہے راستے کی صعوبت اٹھاتا ہے۔ خرچ کرتا ہے وہاں پہنچ کر طواف کرتا ہے اور دوسرے مناسک ادا کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اسے فرماتا ہے کہ تو یہاں کیا لینے آیا ہے جب تیرا رزق حرام ہے تو یہاں سے کیا لے جاوے گا۔ تو دیکھو جس کا رزق حلال نہیں نہ اس کی نمازیں قبول ہیں۔ نہ حج نہ زکوۃ اور نہ صدقات۔ حیوان اور انسان میں یہی فرق ہے کہ حیوان کو عقل نہیں دی گئی اسے جہاں سے خوراک ملتی ہے کھالیتا ہے۔ لیکن انسان کو عقل ملی ہے اسے اپنے پرائے کی تمیز ہے۔ وہ اگر دوسروں کی چیز کو غصب کرتا ہے تو ظالم ٹھہرتا ہے وہ حیوان سے بھی بدتر ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ حرام رزق کھانے والے پر جنت حرام ہے۔ ایسا گوشت جو حرام مال کھانے سے بنے وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ حرام مال کھانے والے کا نہ صدقہ قبول ہے۔ نہ عبادت منظور ہے۔ اور نہ دعا قبول ہے۔ ذرا سوچو تو سہی کہ جو حرام مال کھائے گا وہ آخر دوسروں کا حق مارے گا۔ مثلاً دکاندار ملاوٹ کرتا ہے تو وہ ایک روپیہ کی چیز کا سوا روپیہ یا ڈیڑھ روپیہ وصول کرے گا۔ تو دن میں وہ کتنے آدمیوں کا حق مار گیا۔ اور اسی طرح وہ اپنی زندگی کے کھاتہ میں کتنے جرائم کا اضافہ کرتا چلا جائے گا اور یہ بھی صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ حقوق العباد کو معاف نہیں کرتا جب تک کہ مظلوم اس کو معاف نہ کرے۔ اب سوچو کہ وہ ذرا سے مالی فائدے کے لئے ظالم بنتا ہے اور ایسے گناہ کرتا ہے جو معاف نہیں ہو سکتے اور ان کا بدلہ اسے آخرت میں ضرور دینا ہو گا۔ خواہ اس کی نیکیاں مظلوم کو ملیں۔ یا مظلوم کی بدیاں اسے ملیں تو دیکھو یہ کتنا عظیم نقصان ہے جو وہ کرتا ہے اس سے بہتر تھا کہ وہ پیدا نہ ہوتا۔ مگر اب تو دنیا کی حالت ہی کچھ اور ہو گئی ہے ہر طرف لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہے۔ اب حلال رزق کھانے والا

شادی طے کی گئی۔ اب تو لوگ یہ کہتے ہیں کہ میاں یہ دنیاداری ہے۔ یہاں دینداری نہیں چلے گی۔ دنیا کماؤ مکر سے اور روٹی کھاؤ شکر سے عام مقولہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ لوگ مال و دولت جمع کریں گے۔ لیکن یہ کوئی خیال نہ کرے گا کہ یہ مال کن وسائل سے آرہا ہے اس وقت حلال اور حرام کی تمیز اٹھ جائیگی وہ زمانہ یہی ہے۔ ہر شخص یہی چاہتا ہے کہ اس کو مال و دولت مل جائے۔ خواہ جس طریق سے ہی آئے۔ اس زمانہ کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ وہ نہ مجھ سے ہیں اور نہ میں ان سے ہوں۔ یعنی میرا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ اب ہر شخص دوسروں کے حقوق مارنے پر تلا ہوا ہے۔ ایمان اٹھ گیا ہے۔ قیامت کا ڈر نہیں محاسبہ کا خوف نہیں۔ بلکہ احساس گناہ ہی نہیں۔

کتابوں میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم تیمی نے موسیٰ بن ہران کو ان کے انتقال کے بعد خواب میں دیکھا۔ اور ان سے اللہ تعالیٰ کے سلوک کے بارے میں سوال کیا انہوں نے جواب دیا جب سے مرا ہوں۔ امراء کی ضیافتوں کا جواب دے رہا ہوں اور ایک سوئی کے بدلے قید ہوں جس کو میں نے ادھار لیا تھا اور واپس نہ کی تھی تو دیکھو کہ یہاں ایک شخص سے سوئی کی بھی پرسش ہے لیکن جس کا رزق ہی حرام ہو اس کا کیا حال ہوگا۔

اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے حقوق تو بخش دیتا ہے لیکن حقوق العباد نہیں بخشتا جب تک کہ اس کی پوری تلافی نہ ہو جائے۔ پس اندازہ تو کرو کہ دوسروں کا حق مارنا کتنا خطرناک ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہے۔ میرا ایک دوست تھا وہ رشوت لیتا تھا میں نے اس سے کہا کہ بھائی رشوت کیوں لیتے ہو۔ اسے چھوڑ دو۔ دوسروں کا گناہ کیوں اپنے سر لیتے ہو۔ کہنے لگا بھائی کیا کریں۔ تنخواہ پر گزارہ نہیں ہوتا۔ میں نے کہا کہ کیا قیامت کے دن خدا تعالیٰ کو یہی جواب دو گے کہ تیرا دیا ہوا رزق تو مجھے مکتفی نہ تھا۔ اس لئے میں اپنے گزارہ کے لئے رشوت لیتا تھا۔ کہنے لگا کہ میں ایسا تو نہیں کہہ سکتا۔ میں نے کہا تو پھر خدا تعالیٰ تو تمہیں تمہارے حسب حال گزارہ کی رقم دیتا ہے اس میں آپ کو رہنا پڑے گا۔ جتنی چادر ہو۔ اتنے پاؤں پھیلاؤ۔ جس حالت میں مالک آپ کو رکھنا چاہتا ہے۔ آپ اس حالت میں رہیں دوسروں کی دیکھا دیکھی اپنے معیار کو بڑھا دینا ہی بے وقوفی ہے۔ مومن کا کام تو تسلیم و رضا ہے۔ خدا کی تقسیم پر راضی ہو جاؤ۔ ورنہ نتائج بہت خراب ہوں گے۔ دراصل انسان بڑا ہی کم عقل اور حد سے تجاوز کرنے والا

ہے۔ اسے حرص ایسی لگی ہے کہ خدا کی تقسیم پر راضی نہیں ہوتا۔ حالانکہ اس نے کہہ دیا ہے کہ نحن قسمنا بینهم معیشتهم (احزاب: 33) خدا تعالیٰ اسے کہتا ہے کہ حرام نہ کھائیں تجھے بھوکا نہ ماروں گا۔ کیا میں نے تجھے ماں کے پیٹ میں نہ پالا تھا اور جب تو پیٹ سے باہر آیا تو کیا اس تیری ماں کی چھاتیوں میں دودھ نہ بھر دیا تھا اے بے وفا انسان مجھے صرف روٹی کے لئے ناراض کرتا ہے۔ کیا روٹی نہ ملے گی الم نجعل له عینین ولسانا و شفتین وهدینه النجدین (البلد 9 تا 11) حرام نہ کھا۔ میں تجھے حلال دوں گا۔ یمتعکم متاعا حسنا (ھود: 4) اگر دال دوں تو ولایت بھی دوں گا زردہ پلاؤ پر مرتا ہے تو مجھ سے غافل ہو جائے گا نفس موٹا ہو جائے گا۔ بے کار ہو جائے گا دال سے نیکیوں کی توفیق ملے گی۔ عبادت کا مزا آئے گا۔ میرا قرب ملے گا۔ سادہ غذا سے صحت بھی ٹھیک رہے گی لیکن انسان ہے کہ راضی نہیں ہوتا ہر وقت جھگڑا کرتا رہتا ہے۔ فاذا هو خصیم مبین (یاسین: 78) اکثر لوگ یہ شکایت کرتے رہتے ہیں کہ نمازوں میں ان کا دل نہیں لگتا۔ عبادت کا مزا نہیں آتا تو اس کی اکثر وجہ یہی ہوتی ہے کہ ان کے رزق میں کچھ خرابی ہوتی ہے اس لئے خدا تعالیٰ سے ان کا صحیح ربط قائم نہیں ہوتا۔ ورنہ انسان تو عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اسے اپنے کام میں لطف آئے۔ دراصل رزق حلال اور حرام کا بہت ہی نازک معاملہ ہے۔ تھوڑی سی بات سے حلال کی کمائی حرام کر لیتا ہے ملازم اگر کام میں سستی کرے تو رزق ناپاک۔ دکاندار پورا سودا نہ دے یا ملاوٹ کرے تو رزق ناپاک۔ دستکار یا مزدور غفلت کرے تو رزق ناپاک۔ اسی طرح ہر شخص اپنے ضمیر کو منصف رکھ کر اس امر کو جان سکتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک مرتبہ اپنے خدام کے ساتھ سیر پر جا رہے تھے کسی دوست نے ایک بیر پڑا ہوا دیکھا اور اٹھا کر کھانے لگا۔ حضور نے فرمایا۔ کہ اس درخت کا بھی کوئی مالک ہے۔ کیا آپ نے اس سے پوچھا ہے تو اس نے وہ بیر فورا گرا دیا۔ تو دیکھو جسے ہم بہت ہی معمولی بات سمجھتے ہیں وہ بہت ہی خطرناک ہوتی ہے۔ تقویٰ کی راہیں تو بہت باریک ہیں۔ لکھا ہے کہ ابراہیم بن ادھم کو ایک مرتبہ باغ کی رکھوالی کرنا پڑی۔ ایک دن مالک نے کہا۔ کچھ میٹھے انار لے آؤ۔ آپ گئے اور تھوڑی دیر کے بعد چند انار لے آئے۔ مالک نے انار چیرے۔ تو سب کے سب کھٹے تھے۔ اس نے خفا ہو کر کہا اتنی مدت میں تمہیں اتنا بھی معلوم نہیں ہوا کہ کھٹے انار کون سے ہیں اور میٹھے کون سے۔ آپ نے جواب میں

فرمایا۔ سرکار! میرا کام کھٹے یا میٹھے انار چکھنا نہیں۔ اناروں کی رکھوالی کرنا ہے۔ مالک حیرت سے ان کا منہ تکنے لگا اور کہا کہ کتنی دیانت کی بات کہی ہے۔ غرض وہی ابراہیم بن ادھم آگے جاکر اللہ تعالیٰ کے مقرب بنے اور برگزیدوں میں شامل ہوئے۔ اب اس بات کو بھی سامنے رکھو اور اپنی اور دنیا کی حالت کو بھی دیکھو کہ آج کا انسان کہاں سے کہاں چلا گیا ہے۔ غرض سب سے بڑی چیز تقویٰ ہے۔ اور یہی ناپید ہے۔ پھر اس امر کو ذرا اور وسعت دے کر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ حرام کا مال کھاتے ہیں ان کی اولاد بگڑ جاتی ہے ان کی جمع کی ہوئی دولت یا تو بیماری پر لگ جاتی ہے یا مقدمہ بازی پر خرچ ہوتی ہے یا کسی اور ذریعے سے ضائع ہو جاتی ہے۔ غرض جس طور سے مال آتا ہے۔ اسی طور چلا جاتا ہے۔ حرام مال میں برکت نہیں بلکہ وہ دوسرے مال کو بھی لے ڈوبتا ہے۔ آپ اپنے گرد و پیش نظر دوڑائیں تو آپ کو سینکڑوں مثالیں اس قسم کی ملیں گی کہ حرام مال کھانے والے نہ خود رہے نہ ان کا مال صرف ان کے آثار عبرت کے لئے رہ گئے......

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے و رزق ربک خیر و ابقی (طہ : 132) کہ خدا کا دیا ہوا رزق بابرکت بھی ہے اور پائیدار بھی۔

پھر فرمایا:۔

کلوا من طیبات ما رزقنکم پاک چیزیں کھاؤ۔ حلال ذرائع سے کمایا ہوا مال کھاؤ اور پیٹ کو حرام مال سے نہ بھرو کیونکہ یہ انجام کے لحاظ سے برا ہے۔ ایک آدمی کا ریوڑ تھا۔ وہ دودھ میں پانی ملایا کرتا تھا۔ نوکر اسے کہتا کہ یہ کام درست نہیں۔ مگر وہ اس طرف توجہ نہ کرتا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک دن جب اس کا نوکر بکریوں کو پہاڑ پر چرانے کے لئے لے گیا تو وہاں اس زور کی بارش ہوئی کہ وہ بکریوں کو بھی بہا لے گئی۔ نوکر ایک بکری بھی نہ بچا سکا جب خالی گھر آیا تو مالک نے پوچھا کہ بکریاں؟ اس نے جواب دیا کہ جو پانی آپ دودھ میں ملایا کرتے تھے۔ وہ سیلاب کی شکل میں آیا اور سب بکریوں کو بہا لے گیا۔ اب تمہارا حساب صاف ہو گیا ہے۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی۔ میری بات تو آپ نے نہ مانی تھی۔ اب اس کا خمیازہ بھی بھگتو۔ پس یہ بات بالکل ٹھیک ہے کہ مال حرام بجائے حرام رفت۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص روزی کے سلسلہ میں اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ وہ کس ذریعہ سے آرہی ہے تو خدا تعالیٰ بھی اس بات کی پرواہ نہ کرے گا کہ اسے کس دروازہ سے دوزخ میں داخل کرے۔ پس انسان کے

لئے پہلی سیڑھی اخلاق کی کسب حلال ہے اگر یہ نہیں تو وہ انسانیت کی توہین کرتا ہے اور حیوان سے بھی بدتر ہے...... پس ہمارے دوستوں کو اس بارہ میں نہایت احتیاط کرنی چاہئے۔ ہمارا دیانت اور امانت کا معیار بہت اونچا ہونا چاہئے۔ کیونکہ ہم نے ایک مامور کے ہاتھ پر اسلام کے احکام پر چلنے کا نیا عہد باندھا ہے۔ اس پر ثابت قدم رہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ۔

ہر شخص جو تمہیں ملتا ہے وہ تمہارے منہ کو تاڑتا ہے اور تمہارے اخلاق' عادات' استقامت اور پابندی احکام الٰہی کو دیکھتا ہے کہ کیسے ہیں اگر عمدہ نہیں تو تمہارے ذریعہ ٹھوکر کھاتا ہے۔ ہماری جماعت کے لوگوں کو نمونہ بن کر دکھانا چاہئے اگر کسی کی زندگی بیعت کے بعد بھی اسی طرح ناپاک اور گندی ہے جیسا کہ بیعت سے پہلی تھی اور جو شخص ہماری جماعت میں ہو کر بھی برا نمونہ دکھاتا ہے اور عملی یا اعتقادی کمزوری دکھاتا ہے تو وہ ظالم ہے کیونکہ وہ تمام جماعت کو بدنام کرتا ہے۔ اور ہمیں بھی اعتراض کا نشانہ بناتا ہے۔

پس دوستوں کو چاہئے کہ وہ دیانت کا جماعتی معیار بلند رکھیں۔ یہی ہماری تبلیغ ہے اور اسی ذریعہ سے ہم دنیا میں اسلام کو غالب کرنے والے ہوں گے۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے تحریک جدید کے اجراء کے وقت ایک مطالبہ یہ بھی کیا تھا کہ دوست قومی دیانت کا قیام کریں۔ یعنی دیانت کا اتنا اعلیٰ نمونہ پیش کریں کہ ہر شخص یہ سمجھنے اور کہنے پر مجبور ہو جائے کہ احمدی اور دیانت لازم و ملزوم ہیں۔ ان کو الگ نہیں کیا جاسکتا۔

حسن کردار سے قرآن مجسم ہو جا
کہ تجھے ابلیس بھی دیکھے تو مسلماں ہو جائے

عاجزی اپنا شعار بنالو اور رونے کی عادت ڈالو

ارشاد ربانی ہے فلیضحکوا قلیلا ولیبکوا کثیرا کہ دنیا میں ہنسو کم اور روؤ زیادہ کیونکہ زیادہ ہنسا دل کو مردہ کردیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت اور خوف سے رونا گناہوں سے بچاتا اور خدا کی محبت پیدا کرتا ہے۔ حضرت رسول کریم ﷺ نے اپنی امت کو جو سبق دیا ہے وہ بھی یہی ہے کہ تم اس دنیا میں عیش و عشرت کرنے اور خوشیاں منانے نہیں آئے بلکہ یہ دنیا تو تمہارے لئے دارالعمل اور دارالامتحان ہے۔ اس میں تو انسان کو لرزاں اور ترساں رہنا چاہیے کہ میرے اعمال کا کیا نتیجہ نکلتا ہے' میرے اعمال مقبول بھی ہوتے ہیں یا نہیں' کہیں مجھ سے ایسی غلطیاں نہ ہو جائیں کہ قابل عتاب ہو جاؤں' کہیں ایسے جرم سرزد نہ ہو جائیں کہ ابدی جہنم میں ڈال دیا جاؤں۔ ان پریشانیوں سے وہ ہمیشہ خوفزدہ رہتا ہے اور اسی کوشش میں لگا رہتا ہے کہ اس کا انجام بخیر ہو جائے۔ دراصل اس زندگی میں ہزاروں نشیب و فراز ہیں جن کا انسان کو سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دو مستقل دشمن اسے لگے ہوئے ہیں۔ ایک نفس جو اندرونی دشمن ہے اور دوسرا شیطان جو بیرونی دشمن ہے۔ ان حالات کی موجودگی میں انسان کا ایمان سلامت لے جانا اور خدا تعالیٰ کو راضی کرنا بڑا ہی مشکل کام ہے۔ صرف ایک راستہ اس کی بخشش کا کھلا ہے اور وہ عجز و نیاز اور گریہ وزاری ہے۔

عطار ہو' رومی ہو' رازی ہو' غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

پس یہی راستہ آسان بھی ہے اور نزدیک تر بھی۔ قرآن کریم میں واللہ یحب التوابین آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ کسی گنہگار بندہ کو شرمندہ' نادم اور افسردہ پاتا ہے تو اس کی رحمت جوش میں آجاتی ہے۔ وہ بخش دیا جاتا ہے۔ حدیث قدسی میں ہے کہ وہ مولا کریم ماں باپ سے ستر حصہ زیادہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ جب ماں باپ بچہ کو مضطرب اور غم زدہ نہیں دیکھ سکتے خدا تعالیٰ کی رحمت اپنے بندہ

کو مضطرب اور غمزدہ کیسے دیکھ سکتی ہے۔ وہ اسے بخش دیتا ہے۔
کہتے ہیں کہ اگر عورت مرد کے سامنے آنسو بہائے تو زیب و زینت کا سامان حاصل کر لیتی ہے۔ بچہ باپ کے سامنے آنسو بہائے تو اچھے اچھے کھلونے اور مٹھائیاں حاصل کر لیتا ہے اور اگر بندہ اپنے رب کے سامنے آنسو بہائے تو دنیا میں روحانی سکون اور آخرت کی جنت حاصل کر لیتا ہے اور یہ سچ ہے کہ جو بندے اس راہ سے واقف ہیں وہ ہر غم سے بے نیاز ہیں۔
بظاہر آنسو بہانا حزن اور ملال کی کیفیت کی غمازی کرتا ہے لیکن جو آنسو اپنے رب محسن کی محبت اور خوف سے بہائے جائیں ان کے سامنے دنیا جہان کی خوشیاں اور سرور ہیچ ہیں۔ اس وقت کی خوشی کا اندازہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اس کوچہ کے آشنا ہیں۔ اندھی دنیا کو کیا معلوم کہ وہ کیفیت کیا ہوتی ہے۔ وہ ظاہر پر فتویٰ لگاتی ہے۔ سچ پوچھو تو دل کی ترجمانی آنسو کرتے ہیں۔ زبان یہ کام کرنے سے قاصر ہے۔
اگر انسان اللہ تعالیٰ کی یاد اور محبت میں آنسو بہانا سیکھ لے تو اس کی دنیا ہی بدل جائے۔ وہ اس دنیا میں جنت کا لطف اٹھائے اور شاہد ازلی کے جمال کا مشاہدہ کر لے۔
حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی سے کسی غیر احمدی دوست نے پوچھا مولوی صاحب! آپ بڑے عالم فاضل اور اعلیٰ خطیب تھے۔ اپنے وعظ میں لوگوں کو رلایا کرتے تھے۔ بات کیا ہوئی کہ مرزا صاحب کے مرید ہو گئے؟ کہنے لگے کہ پہلے میں لوگوں کو رلایا کرتا تھا۔ اب مرزا صاحب نے مجھے خود رونا سکھا دیا ہے جو بے حد لذت بخش ہے۔ اب میں ان کا ہو کر رہ گیا ہوں۔ پس یہ آنسو بڑے کام کی چیز ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

سلیقہ نہیں تجھ کو رونے کا ورنہ
بڑے کام کا ہے یہ آنکھوں کا پانی

اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت اور بخشش کے حصول کے لئے یہی سبق روز اول سے دیا تھا۔ آدم علیہ السلام نے جب نادم ہو کر اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور کہا کہ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا تو اس کی خطا بخشی گئی بلکہ اسے دنیا کی خلافت سے بھی سرفراز کیا گیا۔ لیکن اس دنیا میں آکر انسان اس کی رنگینیوں اور دلچسپیوں میں ایسا مست ہو جاتا ہے کہ وہ پڑھا ہوا سبق بھی بھول جاتا ہے۔ اس لئے اس کی رحمت سے دور جا پڑتا ہے لیکن جن لوگوں نے یہ سبق یاد رکھا انہوں نے خدا تعالیٰ کو پا لیا

اور وہ دنیا سے بے نیاز ہو گئے۔ دیکھو جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو پیٹ سے باہر آتے ہی رونا شروع کر دیتا ہے۔ یہی سبق ہے جو فطرت اسے پہلے پہلے پڑھاتی ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ سبق اپنی دنیاوی زندگی میں نہ بھولنا ورنہ تو ہلاک ہو جاوے گا...... حضرت فتح موصلی بزرگ گزرے ہیں۔ وہ بہت رویا کرتے تھے۔ تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ جب وہ فوت ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے پوچھا کہ اے فتح! تو کیوں رویا کرتا تھا؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں اپنے گناہوں کی شرم کی وجہ سے رویا کرتا تھا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے فتح! ہم نے بھی تیرے موکل فرشتوں کو حکم دے رکھا تھا کہ تیرے گناہ نہ لکھے جائیں۔ یہ تیرے رونے کی وجہ سے تھا۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی سب سے بڑی صفت یہ بتاتا ہے کہ **وھم فی صلوٰتھم خاشعون** کہ وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں جو اپنی نمازوں میں روتے اور گڑگڑاتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے روز وہی لوگ سب سے زیادہ ہنسنے والے ہوں گے جو دنیا میں زیادہ رونے والے ہوں گے اور یہ صحیح ہے کہ جنہوں نے دنیا میں ہنسنا اور خوش رہنا اپنا مقصد بنالیا وہ کیسے کامیاب ہو سکتے ہیں۔ ان کے لئے تو وہاں حسرت و اندوہ اور یاس و حرماں ہی ہے۔ دنیا بھی ایک خواب ہستی ہے۔ خواب میں ہنسنے کی تعبیر غم و اندوہ اور رونے کی تعبیر خوشی اور انبساط ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو صفت غفوریت کے تقاضے سے بنایا ہے۔ بندے گناہ کرتے ہیں کیونکہ یہ ان کی سرشت میں داخل ہے اور پھر جب وہ نادم ہو کر بخشش طلب کرتے ہیں تو وہ معاف کر دیتا ہے۔ پس اگر بندے گناہ نہ کرتے تو غفوریت کا اظہار کیسے ہوتا۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر اس دنیا کے انسان گناہ نہ کرتے تو میں اس دنیا کو تباہ کر کے ایک ایسی دنیا بناتا جس کے بندے گناہ کرتے اور مجھ سے بخشش مانگتے تو میں ان کو بخش دیتا۔ پس انسان نے گناہ کرنے ہی ہیں اور اس نے بخشنے ہی ہیں۔ فرمایا کہ۔

گر ایں مشت خاک را نہ بخشم چہ کنم

لیکن شرط یہ ہے کہ وہ عاجزی اور فروتنی اختیار کر کے ندامت کے آنسو بہائے۔ پھر بخشش ہوگی۔ حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو زاہدوں کی تسبیح اور مصلیٰ سے گنہگاروں کا رونا اور گڑگڑانا زیادہ پسند ہے۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ بھی ایک چیز کا طلبگار ہے۔ وہ ہے عاجزی اور انکساری۔ پس وہ ذات کریم جہاں عاجزی انکساری اور شکستگی دیکھتی ہے اپنی رحمت اور مغفرت

کے بدلے اسے خرید لیتی ہے کیونکہ یہی چیز اسے بہت پسند ہے۔

موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لئے
قطرے جو تھے مرے عرق انفعال کے

کیا ہی اس کی ذرہ نوازی ہے اور کیا ہی عمدہ سودا بازی ہے جو وہ کرتا ہے۔

حضرت امام حسن بصریؒ بزرگ گزرے ہیں۔ ان کے گھر ایک ملازمہ تھی لیکن اس کا ایک لڑکا امام کا مخالف تھا اور ہروقت مخالفت میں مصروف رہتا تھا۔ دفعتہ بیمار ہوگیا۔ بہت علاج معالجہ کیا لیکن بے سود۔ زندگی سے ناامید ہوگیا اور تمام راستے مسدود نظر آئے۔ ایک خیال گزرا کہ اگر امام صاحب دعا کریں تو شاید اللہ تعالیٰ کرم فرماوے اور صحت دے دے۔ اپنی ماں سے کہا کہ میرا ندامت کا احساس ان تک پہنچا کر التجا دعا کرو۔ شاید مان جائیں۔ ماں گئی۔ گویا زبان نہ نکلتی تھی لیکن عرض حال کردیا اور دعا کی درخواست کردی۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ میری دعا اس کے حق میں کیا مفید ہوسکتی ہے۔ دعا کے لئے محبت کا ہونا ضروری ہے۔ اس سے محبت کیسے قائم رہ سکتی ہے جو ساری عمر مجھے گالیاں دیتا رہا اور مخالفت کرتا رہا۔ خلاصہ یہ جواب سن کر واپس لوٹ آئی اور اپنے بیٹے کو حال سے آگاہ کردیا۔ لڑکا زندگی کی کشمکش میں مبتلاء تھا۔ اس نے روتے ہوئے ماں سے کہا کہ میری وصیت یہ ہے کہ مجھے مسلمانوں کے گورستان میں دفن نہ کرنا کہ میری بداعمالیوں کی وجہ سے ان پر عذاب نازل نہ ہو۔ کسی الگ مقام پر دفن کرنا۔ ہاں دفن کرنے سے پہلے میرے گلے میں رسی کا پھندا ڈال کر بصرہ میں گھسیٹنا اور کہنا کہ یہ حسن بصری کا مجرم ہے۔ خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کی مخالفت کی یہی سزا ہوتی ہے...... وصیت کے مطابق جب ضعیفہ نے گلے میں پھندا ڈال کر کھینچنے کا ارادہ کیا تو انسانوں کا ہجوم اس پر ٹوٹ پڑا۔ ہر انسان کی زبان پر یہ تھا کہ خدا کے مقبول انسان کے ساتھ یہ سلوک جائز نہیں۔ غرض نوجوان کو اعزاز و اکرام کے ساتھ دفن کردیا گیا۔ اسی رات حسن بصریؒ کو خواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے حسن ہمارا مقبول بندہ فوت ہوگیا ہے۔ آپ اس کی فاتحہ خوانی کے لئے کیوں نہیں گئے؟ حسن بصریؒ نے کہا الہ العالمین! وہ تو میرا دشمن تھا۔ مجھے دن رات گالیاں دیا کرتا تھا۔ میں اس کی فاتحہ خوانی کے لئے کیسے جاتا؟؟ جواب ملا یہ درست ہے لیکن جب تم نے اس کی دعا کی آرزو کو مسترد کردیا تو اس پر اس قدر شکستگی طاری ہوگئی کہ ہمیں اس کی حالت پر رحم آگیا۔ جب بندے کے دامن میں عاجزی

کا سرمایہ ہوتا ہے تو ہماری رحمت کو منہ موڑنا مشکل ہو جاتا ہے۔ حسن! ہم نے اسے بخش دیا......چند ثانئے کے بعد حضرت امام حسن بصریؒ اس نوجوان کی قبر پر کھڑے فاتحہ خوانی کر رہے تھے اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کا نہ ٹوٹنے والا سلسلہ ان کے اس تاسف کا اظہار کر رہا تھا جو انہیں ایک امیدوار کرم کو مایوس کرنے کے بعد ملا تھا۔ کرم حسن بصریؒ پر بھی تھا اور مایوسیوں میں گھر کر اعتراف گناہ کر لینے والے نوجوان کی روح پر بھی تھا اور یہ سارا شکستگی اور عاجزی کا فیضان تھا۔

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

پس یہ آنسو قبولیت کی سند ہیں۔ جو دعا رو کر درگاہ ایزدی میں کی جائے وہ ضرور قبول ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسا سخی ہے کہ اسے خالی ہاتھ لوٹاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ پس یاد رکھو کہ تمام عبادتوں کا خلاصہ نماز' نماز کا خلاصہ دعا اور دعا کا خلاصہ رونا اور گڑگڑانا ہے۔ اس کو لازم پکڑو تو بیڑا پار ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:۔

"عاجزی اپنا شعار بنالو اور رونے کی عادت ڈالو۔ اسے رونے والوں پر بہت رحم آتا ہے"۔

کسی نے خدا سے مناجات کرتے ہوئے کہا تھا۔

تری دنیا جہان مرغ و ماہی
مری دنیا فغان صبح گاہی

تلخی کی زندگی کو کرو صدق سے قبول

حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں کہ۔

"جو شخص چاہتا ہے کہ صحت و عافیت بھی رہے' مال و دولت میں بھی ترقی ہو اور ہر طرح کے عیش و عشرت کے سامان مالی و جانی آرام بھی ہوں کوئی ابتلاء بھی نہ آوے پھر یہ کہ خدا راضی ہو جاوے۔ وہ ابلہ ہے وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ جن لوگوں پر خدا راضی ہوا ہے وہ طرح طرح کے امتحانوں میں ڈالے گئے اور مختلف قسم کے مصائب اور شدائد سے ان کا سامنا ہوا۔"

حضور کا یہ ارشاد ایک مومن بندہ کے لئے قابل غور ہے۔ دراصل حضور نے یہ آیت قرآنی ام حسبتم ان تدخلوا الجنہ ولما یعلم اللہ الذین جاھدوا منکم و یعلم الصبرین (آل عمران:143) کی پوری تفسیر کر دی ہے۔ جنت کا داخلہ یا نجات اخروی اتنی آسان نہیں جو آج کا مسلمان سمجھتا ہے۔ بلکہ خدا کا قرب تو وہی لوگ پاتے ہیں جو اس کی راہ میں اپنی ہر ایک چیز قربان کر دیتے ہیں۔ اسی کا نام اسلام ہے۔

اسلام چیز کیا ہے خدا کے لئے فنا
ترک رضائے خویش پئے مرضی خدا

صحابہ کرامؓ کی زندگی پر نظر ڈالو تو صاف نظر آتا ہے کہ ان کو یونہی جلدی جلدی رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کا خطاب نہیں مل گیا بلکہ ان کو خدا کی رضا کے لئے شدائد اور مصائب سے گزرنا پڑا۔ تب ان کو خدا کی رضا کا سرٹیفکیٹ ملا۔ پھر اس پر بھی غور کرو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کون سی چیز برگزیدہ بنا گئی۔ وہ "ابو الانبیاء" بن گئے۔ وہ یہی قربانی' اطاعت اور فرمانبرداری ہی تو تھی۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اسلم کہا اسلمت لرب العلمین میں تو پورا پورا فرمانبردار بن چکا ہوں۔ پھر ابتلاؤں سے گزر کر اپنے قول کو سچا ثابت کر دکھایا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عام لوگوں کی نسبت انبیاء پر زیادہ مصیبتیں آتی ہیں اور مجھ پر ان

سب سے زیادہ مصائب آئے۔ لیکن حضورؐ نے ان سب میں سے گزر کر سچی اطاعت اور اللہ تعالیٰ سے کامل محبت کر کے خاتم النبیین کا مقام پایا اور آپ سے اولین و آخرین سے بڑھ گئے۔

غرض انسان کو اللہ تعالیٰ کی کامل فرمانبرداری اور سچی اطاعت ہی اس کا مقرب بنا سکتی ہے اس کے ہاں تو اخلاص اور وفا کی قدر ہے اور جو عمل اس جذبہ سے خالی ہو وہ اسے قبول نہیں۔ خدا تعالیٰ کو بھی اس بندہ پر ناز ہوتا ہے جسے عطاو قضا میں تمیز نہ ہو۔ ہر حال میں جو بھی وارد ہو راضی رہے اور اعتراض نہ کرے اور یہی عمل ام العمل ہے اور اسی حالت کا نام تفویض ہے۔ صوفیاء اس حالت کو فنا سے تعبیر کرتے ہیں جس کے بعد نئی زندگی ملتی ہے اور وہ بقاء ہے اور اس کے بعد لقاء۔ غرض امتحان کے بعد ترقی ملتی ہے امتحان نہ ہو تو ترقی کیسی؟ لیکن جو شخص چاہئے کہ دنیا کے کام اس کی مرضی کے مطابق چلیں اور اسے شدائد اور مصائب سے بھی نہ گزرنا پڑے پھر وہ فلاح بھی پالے تو یہ اس کی خوش فہمی ہے وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ انسان تو اللہ تعالیٰ کا عبد ہے اس کا کام عبادت اور اطاعت ہے اس کی فطرت بدل نہیں سکتی۔ عبودیت کی تکمیل تو بہر حال ہونی ہے چاہے طوعاً کرے یا کرہاً۔ اگر اپنی رضا سے کرے گا تو اسے شرعی تکالیف برداشت کرنا ہوں گی اور جو کچھ قرآنی احکام ہیں ان سب پر عمل کرنا پڑے گا اور اپنے قول اور فعل سے یہ ثابت کرنا ہوگا کہ وہ سچا اطاعت گزار اور فرمانبردار ہے۔ وہ دین کی راہ میں اپنی مرضیات اور خواہشات کو چھوڑنے کے لئے تیار ہے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے میں پورا مستعد ہے۔ لیکن اگر شرعی تکالیف برضاء و رغبت برداشت نہیں کرنا ہوں گی جو آسمان سے آئیں گی اور اسے ٹھیک کر دیں گی اور یہی سنت اللہ ہے ولنبلونکم بشی من الخوف و الجوع ونقص من الاموال..... سے یہ بات بالکل عیاں ہے۔ جاننا چاہئے کہ تکالیف ساویہ بہت سخت ہوتی ہیں اور جب آ پڑتی ہیں تو ان سے گریز ممکن نہیں انسان کو ہر صورت برداشت کرنا پڑتی ہے اس کا فیصلہ تو اللہ تعالیٰ کی تقدیر کرتی ہے۔ ایسی آفتیں کبھی بیماری کی صورت میں آتی ہیں جو انسان کے لئے بے حد پریشان کن اور تکلیف دہ ہوتی ہیں اور ان کا اثر ساری عمر رہتا ہے اور کبھی اتلاف مال و عزت اور ان سے اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے اور انہیں سے اس کی عبودیت کی تکمیل ہوتی ہے لیکن یہ سودا بہت مہنگا اور تکلیف دہ ہے۔ اپنے جسم پر انسان اگر خود سوٹا مارے تو ہلکا لگائے گا اور اگر دوسرا مارے تو زور سے لگائے گا۔ یہی فرق

شرعی اور سماوی تکالیف میں ہے۔ شرعی تکلیف سے درست کیا ہوا انسان اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز نہیں لیکن جو برضاء و رغبت تکالیف اٹھائے گا وہ خدا تعالیٰ کے ہاں معزز اور مکرم ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے مشقت برداشت کر لیتا ہے تو وہ ذات اس سے شفقت کا سلوک کرتی ہے اور جو مشقت سے کتراتا ہے وہ مشقت میں ڈالا جاتا ہے۔ یہی کیفیت ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ جو ملازم کام چور ہو اس سے رعایت نہیں کی جاتی اسے مشقت میں ڈالا جاتا ہے تاکہ اس کا دماغ درست ہو جائے لیکن جو اپنے آقا کے لئے دکھ اٹھاتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے دکھ اٹھا لیتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ دکھ کا علاج دکھ ہے۔ اللہ تعالیٰ بندے پر دو دکھ نہیں ڈالتا۔ یعنی جو شرعی تکالیف اپنے طور پر برداشت کر رہا ہو اس پر سماوی تکالیف نہیں آیا کرتیں۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خلق خدا کی ہدایت کے لئے غم اٹھانے کی حد کر دی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا فلا تذهب نفسك عليهم حسرات اے میرے پیارے! خلوق کے غم میں اپنی جان کو ہلاک نہ کر۔ ہدایت دینے والا تو میں ہوں یہ تیری ذمہ داری نہیں۔ اسی طرح جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی حالت خلق کے غم میں گداز ہو گئی اور ان کے نالہ ہائے روز و شب چرخ تک جا پہنچے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی کئی بار یہ الہام ہوتا تھا کہ:

"غم نہ کر میں تیرے ساتھ ہوں"

غرض یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ جو شخص خدا تعالیٰ کی راہ میں مشقت میں پڑتا ہے وہ مشقت سے نکالا جاتا ہے اور جو بچتا ہے اس مصائب اور شدائد آتے ہیں۔ جو بیل خود بخود چلے اس پر ڈنڈے نہیں پڑتے بلکہ پیار کیا جاتا ہے۔

پس میرے عزیزو اور بھائیو! یہ بات پختہ طور پر ذہن نشین کر لو کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ اس کے پورے فرمانبردار بن جاؤ۔ اسی کی راہ میں ہر تلخی کو قبول کرو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی تابعداری کرو اور خدا تعالیٰ کے حکم کے آگے کسی چیز کو روک نہ بننے دو۔ نہ نفس کو، نہ مال کو، نہ اولاد کو مثلاً جب اس کی طرف سے نماز کا بلاوا آئے تو اس کی بجا آوری میں نہ کاروبار مخل ہو سکے نہ اپنا نفس نہ دیگر مشاغل اور جب اس کی راہ میں مال خرچ کرنے کی ضرورت پڑے تو دین کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر مقدم کر لو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسا کرنے کی توفیق دے۔ آمین

حضرت خلیفہ المسیح الاول کی سیرت کا ایک پہلو توکل علی اللہ

حضرت مولوی نورالدین خلیفہ اولؓ چند خوش قسمت انسانوں میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ غیر معمولی طور پر اپنے انعامات سے نوازتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو قلب سلیم بخشا تھا وہ ایک خدا شناس فطرت لے کر آئے تھے۔ اور اسی فطرت صحیحہ کی مدد سے انہوں نے وقت کے مامور کو پہچان لیا۔ اور اس شناخت کے سلسلے میں وہ اول المومنین بنے۔ اول مومنین بننے کی سعادت صرف انہی کا حصہ تھا اور اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ ان کی روح جنت میں بھی اس خوش قسمتی پر ناز کرتی رہے گی۔

اس وقت حضرت خلیفہ اولؓ کے ایک پہلو کا ذکر کرتا ہوں اور وہ ہے ان کا توکل علی اللہ یوں تو ان کی ساری زندگی توکل علی اللہ پر قائم تھی۔ مگر اس کی جھلک دیکھنے کے لئے چند واقعات درج کئے جاتے ہیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے کبھی تکلیف نہیں ہوئی۔ کیونکہ میرا توکل ہمیشہ خدا پر رہا ہے اور وہی ہر وقت میری مدد کرتا رہا ہے۔ وہی مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔ چنانچہ "حیات نور" میں یہ واقعہ درج کرتے ہیں کہ

ایک دفعہ جب کہ میں مدینہ منورہ میں مقیم تھا میری یہ حالت ہو گئی کہ رات کو کھانے کے لئے بھی کچھ نہ تھا۔ جب وضو کر کے نماز عشاء کے لئے مسجد نبویؐ کی طرف چلا تو راستہ میں ایک سپاہی نے مجھ سے کہا کہ ہمارا افسر آپ کو بلاتا ہے میں نے نماز کا عذر کیا۔ پر اس نے کہا میں تو حکم پر کام کرتا ہوں۔ آپ چلیں۔ ناچار ہمراہ ہو گیا وہ ایک دکان پر مجھے لے گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک افسر سامنے جلیبیوں کی بھری ہوئی رکابی رکھے بیٹھا ہے۔ اس نے مجھ سے پوچھا اسے کیا کہتے ہیں میں نے کہا ہمارے ملک میں اسے جلیبی کہتے ہیں۔ کہا ایک ہندوستانی سے سن کر میں نے بنوائی ہیں۔ خیال کیا کہ اس کو پہلے کسی ہندوستانی کو کھلاؤں گا چنانچہ مجھے آپ کا خیال آ گیا اس لئے

میں نے آپ کو بلوایا۔ اب آپ آگے بڑھیں اور کھائیں۔ میں نے کہا نماز کے لئے اذان ہو گئی ہے۔ فرصت سے نماز کے بعد کھاؤں گا۔ اس نے کہا ہم آدمی کو مسجد میں بھیج دیں گے کہ تکبیر ہوتے ہی آپ کو آکر لے جائے۔ چنانچہ میں نے کھانا شروع کیا اور جب شکم سیر ہو گیا تو ملازم نے آکر کہا کہ نماز تیار ہے تکبیر ہو چکی ہے۔ اب ذرا اندازہ لگایئے کہ حضرت مولوی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے کھانے کا انتظام کیسے اچھوتے رنگ میں کردیا اور حضور کا یہ فرمانا کہ خدا ہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے کتنا صحیح ہے۔

اسی طرح قریشی امیر احمد صاحب بھیروی کی روایت ہے کہ

ہمارے سامنے حضرت خلیفہ اول ؓ کی خدمت میں شیخ محمد صالح چٹھی رساں کتابوں کا ایک وی۔ پی لائے جو سولہ روپے کا تھا۔ آپ نے فرمایا یہ کتابیں مجھے بہت پیاری ہیں اور میں نے شوق سے منگوائی ہیں لیکن اب ان کی قیمت میرے پاس نہیں ہے۔ لیکن میرے مولیٰ کا میرے ساتھ ایسا معاملہ ہے کہ سولہ روپے آئیں گے اور ابھی آئیں گے۔ چنانچہ ہم ابھی وہیں بیٹھے تھے کہ ایک ہندو اپنا ایک بیمار لڑکا لے آیا۔ حضرت نے نسخہ لکھ کر دیا۔ ہندو ایک اشرفی اور ایک روپیہ رکھ کر چل دیا۔ آپ نے اسی وقت سجدہ شکر ادا کیا اور فرمایا کہ میں اپنے مولیٰ پر قربان جاؤں اس نے مجھے تمہارے سامنے شرمندہ نہیں کیا۔ اگر یہ شخص مجھے کچھ بھی نہ دیتا تو میری عادت ہی مانگنے کی نہ تھی پھر ہو سکتا تھا کہ وہ صرف ایک روپیہ ہی دیتا یا اشرفی ہی دیتا۔ مگر میرے مولیٰ نے اسے مجبور کیا کہ میرے نور الدین کو سولہ روپے کی ضرورت ہے۔ اس لئے اشرفی کے ساتھ روپیہ بھی رکھو۔

سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم

غور کرو کہ توکل علی اللہ کا یہ کتنا شاندار واقعہ ہے۔ سولہ روپے کی ضرورت ہے اور سولہ روپے اسی وقت اللہ تعالیٰ بھجوا دیتا ہے۔ اسی طرح ایک دفعہ حضرت میر ناصر نواب صاحب دار القضاء یا نور ہسپتال کے چندہ کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے فرمایا۔ میرے پاس اس وقت کچھ نہیں پھر دے دوں گا۔ مگر حضرت میر صاحب اصرار کرتے رہے۔ جب اصرار بڑھا تو حضرت مولوی صاحب نے کپڑا اٹھایا اور وہاں سے ایک پونڈ اٹھا کر دے دیا اور فرمایا میر صاحب اس پونڈ پر صرف نور الدین کا ہاتھ لگا ہے مطلب یہ تھا کہ یہ کسی ٹکسال میں

نہیں بنا اللہ تعالیٰ نے میری ضرورت کو پورا کرنے لئے غیب سے مہیا کر دیا ہے۔ کہ نورالدین شرمندہ نہ رہے۔

ان سے خدا کے کام سبھی معجزانہ ہیں
یہ اس لئے کہ عاشق یار یگانہ

میں نے مختصراً تین واقعات عرض کر دیئے ہیں ویسے ان کی ساری زندگی توکل علی اللہ کی عملی تفسیر تھی۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ خدا تعالیٰ ہی میرا خزانچی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جب بھی تمہیں کوئی ضرورت ہو ہم دیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت مولوی صاحب کھلے دل سے خرچ کرتے تھے اور اگر خدا کی راہ میں قرض بھی لینا پڑے تو لے لیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ سے ان کا تعلق ایک راز تھا جسے عام لوگ نہیں سمجھ سکتے وہ اللہ تعالیٰ کے عشق میں سرشار تھے اور یہ سچ ہے کہ محبت محبت کو کھینچتی ہے۔ جب بندہ اللہ تعالیٰ کے عشق میں اپنی مرضیات کو چھوڑ دیتا ہے اور اس کی اطاعت میں فنا ہو جاتا ہے۔ تو ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا بھی بندہ کی رضا کے مطابق ہو جاتی ہے اور یہی مقام حضرت خلیفہ اول ؓ کو حاصل تھا یعنی۔

خدا بندہ سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

غرض آپ فنا کے مقام سے گزر کر لقاء کے مقام تک پہنچ گئے تھے اسی لئے فرمایا کرتے تھے۔ کہ لوگ نہیں جانتے کہ نورالدین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا کیا معاملہ ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی روح پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے اور ان کے درجات بلند سے بلند تر کرے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرماوے۔

ابتلاء مومن کے ایمان کو مضبوط کرنے کا ذریعہ

انسانی زندگی مصائب سے خالی نہیں۔ بادشاہ ہو' امیر ہو' تاجر ہو یا مزدور مشکلات سب پر آتے ہیں۔ دنیا کی وضع ہی اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسی بنائی ہے کہ یہاں دکھ اور سکھ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ ان مع العسر یسرا مگر انسان بالطبع یہ چاہتا ہے کہ اس کی زندگی راحت اور آرام سے گزرے اور اس پر مشکلات نہ آئیں لیکن الہی سنت کے خلاف ہے۔ سنت الہیہ اسی طرح پر ہے کہ دکھ کے بعد سکھ اور سکھ کے بعد دکھ ضرور آئیں گے۔ دیکھو انسان صحت کی قدر اس وقت کرتا ہے جب بیمار ہوتا ہے۔ مال کی قدر اس وقت کرتا ہے جب تہی دست ہو جاتا ہے۔ اسی طرح امن کی قدر خوف کے بعد' کھانے پینے کی قدر بھوک اور پیاس کے بعد' عزت کی قدر ذلت کے بعد اور راحت و آرام کی قدر رنج و مصیبت کے بعد ہوتی ہے۔ لیکن انسان کی خواہش یہ رہتی ہے کہ اس کی زندگی ہمیشہ سکھ اور آرام سے گزرے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

"جو شخص چاہتا ہے کہ صحت و عافیت بھی رہے۔ مال و دولت میں بھی ترقی ہو اور ہر طرح کے عیش و عشرت کے سامان اور مالی و جانی آرام بھی ہو۔ کوئی ابتلاء بھی پیش نہ آئے۔ پھر یہ کہ خدا بھی راضی ہو جائے وہ ابلہ ہے۔ وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا"۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے تو موت و حیات یعنی دکھ اور سکھ اس لئے بنائے ہیں تا تمہیں آزمائیں کہ کون نیک عمل کرتا ہے۔ خلق الموت والحیاہ لیبلو کم ایکم احسن عملا دوسری جگہ فرمایا ونبلوکم بالشر والخیر ایک اور جگہ فرمایا احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا امنا وھم لا یفتنون پس ان سے ثابت ہے کہ انسان عمل صالح کے لئے آیا ہے۔ اس کی آزمائش سکھ دے کر بھی ہوگی اور دکھ دے کر بھی ہوگی۔

دراصل دیکھا جائے تو انسان پر دکھوں اور مصائب کا آنا اس کی اصلاح کا موجب بنتا ہے۔ اس

میں ذرا بھی شک نہیں کہ اگر انسان کو ہر طرح کا سکھ مل اور آرام مل جائے تو وہ اپنا مقصد زندگی بھول جاتا ہے اور نفسانی خواہشات کی تکمیل میں لگ کر فسق و فجور کی راہ اختیار کر لیتا ہے۔ پس مصائب اس لئے آتے ہیں کہ وہ اپنی اصلاح کرے اور اپنی کمزوریوں کو دور کرے اور یہ حقیقت ہے کہ مصیبت سے قلب میں وہ کیفیت پیدا ہوتی ہے جو سینکڑوں مجاہدوں سے پیدا نہیں ہوتی۔ برسوں کے مجاہدات سے باطن کو وہ نفع نہیں پہنچتا جو ایک ساعت حزن سے پہنچتا ہے۔ ہر ناکامی میں ایک حکمت ہے۔ دل مضطر مجبوراً خدا کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ جب مصیبت آتی ہے تو انسان کی فطرت اسے اللہ تعالیٰ کا دروازہ کھٹکھٹانے پر مجبور کرتی ہے۔ مصائب اور تکالیف کا نہ آنا انسان کو سرکش اور مغرور بنا دیتا ہے اور یہ سچ ہے کہ صرف راحت ہی اللہ تعالیٰ کا انعام نہیں۔ شکستگی' بے بسی' درد و الم بھی اس کا کرم ہے..... دراصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی بندہ کا سچا مونس اور غمگسار ہے۔ پس اس کے سوا اور کون ہے جو اس کے غم کا مداوا کر سکے۔ طاقت کا سرچشمہ تو وہی ہے۔ انسان تو کسی کے کام نہیں آسکتا۔ وہ تو خود ضعیف اور کمزور ہے۔ پس سچی اور آخری بات تو یہ ہے کہ اگر انسان اپنا تعلق اور رشتہ اپنے سے مضبوط کر لے یعنی اس کے حکموں کے آگے سر تسلیم خم کر دے اور اس کا فرمانبردار بندہ بن جائے تو امن میں آجائے۔ پھر ہر مشکل سے بچنے کی راہ خود بخود نکل آئے۔ ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا دوسرے لفظوں میں انسان متقی بن جائے تو بیڑا پار ہے۔ ہر ایک غم اور اندوہ سے اسے نجات مل جائے۔

دیکھو جب بچہ ماں کی تولیت میں ہوتا ہے تو اسے کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوتی۔ ماں ہی اس کی حفاظت کرتی ہے اور اسے خوش رکھنے کی فکر کرتی ہے۔ وہ ان دنوں ہر غم سے بے نیاز ہوتا ہے۔ گویا اسے غم چھوتا ہی نہیں۔ یہی حال بندہ اور اللہ تعالیٰ کا ہے۔ جب اس کا بندہ متقی اور صالح بن جاتا ہے تو وہ اس کی تولیت میں آجاتا ہے وھو یتولی الصالحین بندہ کی تولیت ناکافی اور کمزور ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی تولیت میں تو کوئی خطرہ نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ہر مصیبت انسان کا امتحان لینے آتی ہے کہ اس کی ایمانی حالت کیسی ہے اور اس کا اپنے رب کے ساتھ کتنا تعلق ہے۔ اگر مشکلات نہ آئیں تو ترقیات بھی نہ ہوں کیونکہ بغیر امتحان کے ترقی نہیں ملتی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ۔ ترقی ہمیشہ مصائب اور تکالیف کے بعد ہوتی ہے۔ ایمانی حالت کا پتہ اس وقت لگتا ہے جب تکالیف اور مصائب آئیں۔ مومن کا جوہر تو مصائب میں

اپنا قدم راہ خدا میں اور آگے بڑھاتا ہے اور یہ سچ ہے کہ بغیر مشکلات اور آزمائش میں سے گزرنے کے اللہ تعالیٰ کا وصل ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور تمام حسن کا منبع ہے۔ لہٰذا جمال کی لذتیں تو اس کے لئے ہیں جو اس کی قیمت ادا کر سکے۔ پس قیمت جمال یار کی ترجمان ہے اور اس کی راہ میں مصائب کا برداشت کرنا ہے۔ جو مصائب سے گھبراتا ہے وہ جمال کی لذتوں سے کیسے لطف اندوز ہو سکتا ہے۔ پس جن خوش قسمتوں کو وہ دلی آرام ملا مصائب اور جان دینے کے بعد ہی ملا۔

عاشق جو ہیں وہ یار کو مر مر کے پاتے ہیں
جب مر گئے تو اس کی طرف کھنچے جاتے ہیں

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ دنیا میں سب سے زیادہ مصائب مجھ پر آئے۔ اسی لئے جمال کی لذتیں بھی حضور ﷺ کو سب سے زیادہ ملیں۔ پس سب سے زیادہ مصائب انبیاء پر اور ان کے بعد درجہ بدرجہ اخیار اور ابرار پر آتے ہیں اور اس لحاظ سے ان کے درجات ہیں۔ جس کسی نے جیسا مرتبہ پایا اسی نسبت سے مصائب سے گزرنے کا امتحان بھی دیا۔ پس اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو وفا صدق اور اخلاص کی قدر ہے اور اسی لحاظ سے مرتبے ملتے ہیں۔ دنیا کا امتحان مصائب کی بھٹی میں ڈال کر کیا جاتا ہے..... یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو نہیں ملتا جو آرام اور آسائش کی زندگی بسر کرتے ہیں یا جو عیش کوش ہیں بلکہ وہ تو ان کو ملتا ہے جو تہی دستان عشرت ہیں کیونکہ۔

کہ مے خواہد نگار من تہی دستان عشرت را

پس وہ یار ازل صوفوں پر لیٹنے والوں' ایئر کنڈیشنڈ کوٹھیوں میں رہنے والوں نیز ہر قسم کے آرام و راحت کے سامان اکٹھے کرنے کی تگ و دو میں جان ہلکان کرنے والوں کو نہیں ملتا۔ اس کے ملنے کا راستہ تو وہی ہے جو ابرار و اخیار کا ہے اور اسی راستہ سے اس کی تلاش ہوگی۔ اس کے بغیر کامیابی ممکن ہی نہیں۔ اگر دنیا میں آرام و آسائش سے زندگی بسر کرنے کی خواہش ہے تو خیال یار کو ترک کرنا پڑے گا۔ ارشاد ربانی ہے والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا میں لفظ مجاہدہ لگاتار کوشش اور مصائب کو چاہتا ہے کیونکہ اس کے بغیر منزل مراد ہاتھ نہیں آتی۔ صوفیاء کہتے ہیں کہ جو مزا جستجو اور تلاش یار میں ہے وہ وصال میں کہاں۔

لذت صحرا نوردی دوری منزل میں ہے

اور یہ صحیح ہے کہ جو مزا اللہ تعالیٰ کی راہ میں رنج و غم اٹھانے کا ہے وہ راحت و آرام میں کہاں۔ حضرت رابعہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو غم کب ہوتا ہے۔ فرمایا جب اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوئی غم نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ شہید بار بار زندگی ملنے اور اس کی راہ میں جان دینے کی استدعا کریں گے کیونکہ جو مزا خدا کی راہ میں جان قربان کرنے سے ملا تھا وہ جنت میں کہاں۔

پس خدا کی راہ میں بندہ کو جو مشکلات پیش آئیں۔ چاہے وہ مالی ہوں یا جانی' عزیزوں کے متعلق ہوں یا دوستوں کے متعلق تو ان سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ مومن تو مصائب میں پڑ کر اپنا رشتہ اللہ تعالیٰ سے اور مضبوط کر لیتا ہے اور انعامات کا حقدار بنتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"مصائب اور تکالیف تو دلالہ کا کام کرتے ہیں اور بندے کو اپنے رب سے ملاتے ہیں"۔

ایک اور موقع پر فرمایا کہ "ایمان کامل کا مزا تو ہم و غم کے دنوں میں آتا ہے۔" خدا تعالیٰ جب کسی کو اپنی طرف کھینچتا ہے تو اس کا راستہ ابتلاؤں سے ہو کر گزرتا ہے۔ ابتلاء مومن کے ایمان کو مضبوط کرنے کا ذریعہ ہیں کیونکہ اس وقت روح میں عجز و نیاز اور دل میں گدازش پیدا ہو جاتی ہے۔ جس سے وہ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے پھر غم غم نہیں رہتا۔ سچا اور مستقل تعلق تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔

پس ہر وقت اور ہر حال میں راضی برضا رہو اور یہ سمجھو کہ "ہر کہ از دوست رسید نیکو رست" یاد رکھو کہ جو شخص خدا تعالیٰ کی آزمائش پر راضی نہیں رہتا خدا تعالیٰ بھی اس سے ناراض ہو جاتا ہے۔ پھر روٹھے ہوئے کو منانا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ غنی ہے۔

ایمان کے دو حصے .... صبر اور شکر

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایمان کے دو حصے ہیں۔ ایک صبر اور دوسرا شکر۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو مشکلات پیش آئیں یا مصیبتیں وارد ہوں ان پر استقامت دکھائی جائے۔ اسی کو صبر کہتے ہیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات ملیں اور ان کو اسی راہ میں اسی کے بتائے ہوئے طریق پر خرچ کیا جائے تو اس کو شکر کہتے ہیں۔ غرض دونوں طریق پر اللہ تعالیٰ کا بندہ اپنے رب کو راضی کر لیتا ہے اور اپنے درجات کو بڑھا لیتا ہے۔ دنیا میں دکھ اور سکھ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ انسانی زندگی دکھ اور سکھ سے خالی نہیں کیونکہ یہ لازمہ بشریت ہیں۔

اگر انسان کو سکھ ملیں اور اس کی زندگی عیش اور آرام سے گزر رہی ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے اور ذرا دکھ آجائیں تو برا منائے اور اپنے رب کا شکوہ کرے تو سمجھ لے کہ اس کا ایمان محض ایک دھوکا ہے حالانکہ اسے تو حکم ہے کہ ہر حال میں راضی برضا رہے' اسی کو اسلام کہتے ہیں۔ اسلام کا مطلب ہے خدا کے حضور اپنی گردن جھکا دینا اور اس کے حکموں پر چلنا۔

اسلام چیز کیا ہے خدا کے لئے فنا
ترک رضائے خویش پئے مرضی خدا

پس اسلام کا خلاصہ خدا تعالیٰ کی سچی اطاعت اور کامل فرمانبرداری ہے۔ اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیعت کے وقت یہ عہد لیتے تھے کہ ہر حالت میں یعنی عسر و یسر میں' رنج و راحت میں' نعمت و بلا میں راضی برضا رہوں گا اور صدق سے قدم آگے بڑھاؤں گا اور خدا تعالیٰ کے ساتھ پوری وفاداری دکھلاؤں گا۔ اسی کو ایمان کہتے ہیں۔ اگر مومن بندہ میں یہ کیفیت پیدا نہ ہو اس کی حالت خطرہ سے خالی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائشیں تو آتی رہتی ہیں جو ان میں ثابت قدم رہے گا وہ کامیاب ہو گا اور اللہ تعالیٰ کے بندوں میں شمار ہو گا۔ ورنہ اس کے لئے ہلاکت ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں جو شخص اللہ تعالیٰ کی آزمائش کے وقت ناراضگی کا اظہار کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ناراض ہو جاتا ہے کیونکہ وہ غنی ہے اسے کسی کی

پرواہ نہیں اسے تو وفا پسند ہے اور یہ صحیح ہے کہ

وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے

لکھا ہے ایک صحابی تھے جن کے پاس نماز کے لئے ایک چادر تھی۔ جب بیوی نماز پڑھ کر فارغ کرتی تو وہ پہن کر مسجد میں جایا کرتے۔ اتفاق سے ایک روز اس کی بیوی کو کسی کام میں دیر لگ گئی۔ اس نے دیر سے چادر فارغ کی۔ صحابی ﷺ مسجد نبوی ﷺ میں اس وقت پہنچا جب نماز ہو چکی تھی۔ حضور ﷺ نے دیر سے آنے کی وجہ دریافت فرمائی تو اس نے قدرے تامل سے اصل بات بتادی حضور ﷺ یہ سن کر چپ ہو گئے۔ جب صحابی ﷺ گھر آیا تو اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ حضور ﷺ نے مسجد میں دیر سے حاضر ہونے کی وجہ دریافت کی تو میں نے صحیح صحیح بات بتادی کہ چادر ایک ہے دیر سے بیوی نے فارغ کی اس لئے دیر سے مسجد میں آیا۔ جب اس کی بیوی نے یہ بات سنی تو اس نے سر پیٹ لیا اور کہا کہ تو نے حضور ﷺ کو یہ بات کیوں کہی۔ تو نے اپنے رب کا شکوہ اللہ کے نبی کے سامنے کر دیا۔ تیری نظر افلاس اور تنگی کی طرف تو گئی مگر ان احسانات کی طرف نہ گئی جو ہمارے رب نے ہم پر کر رکھے ہیں۔ اس نے صحت دی ہے' طاقت دی ہے۔ جسمانی اعضاء درست ہیں' اولاد دی ہے' مکان دیا ہے' کھانے کو رزق دیتا ہے۔ بھلا اس کی طرف سے کونسی کمی ہے جو تو اس کا شکوہ اس کے رسول کے آگے کر دیا۔ اس کے دوسرے احسانات تجھے بھول گئے جنہیں ہم شمار بھی نہیں کر سکتے۔ وہ صحابیؓ یہ باتیں سن کر ندامت سے رو پڑا اور دل میں دیر تک اپنے رب سے معافی مانگتا رہا۔

یہ ہے ان لوگوں کی حالت جن کے دل اسلام کے نور سے منور تھے۔ مقولہ ہے کہ "حکایت حال شکایت ذوالجلال" یعنی اپنی تنگی اور عسرت کا کسی سے ذکر کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی شکایت ہے اور یہ بات اسے پسند نہیں کہ اس کا بندہ جو اس پر ایمان لایا ہے اس کی کسی سے شکایت کرے۔ اسے تو ہر حال میں راضی برضا ہونا چاہئے۔ اگر ہم جائزہ لیں تو معلوم ہو گا کہ بہت سے لوگوں میں ابھی اسلام پوری طرح داخل نہیں ہوا۔ وہ ہر وقت اپنی مصیبتوں اور دکھوں کا رونا دوسروں کے سامنے روتے رہتے ہیں۔ اگر تنگی سے وقت گزر رہا ہو تو دل میں کڑھتے ہیں کہ ہمیں دوسروں کی طرح فراخی کیوں نصیب نہیں۔ ہمیں ان جیسے مکانات یا کاروبار کی سہولتیں کیوں میسر نہیں۔ مگر یہ نہیں سوچتے کہ اس میں خدا تعالیٰ کی کونسی مصلحت ہے۔ اپنی قسمت کو کوستا اور دوسروں پر حسد

کرنا ایمان کے سراسر خلاف ہے۔ تنگی اور فراخی تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اپنی محتاجی بیان کرتا ہے وہ ہمیشہ محتاج ہی رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس سے نظریں ہٹا لیتی ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم ہر حال میں 'عسر و یسر میں' رنج و راحت میں 'نعمت و بلا میں راضی برضا رہیں اور جو کچھ اس کی طرف سے ملے اسے خوشی سے قبول کریں کیونکہ

ہر چہ از دوست رسد نیکوست

اور یہ سچ ہے کہ جہاں محبت ہو وہاں جفائیں بھی مزا دیتی ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایمان کامل کا مزا تو ہم و غم کے ایام میں ملتا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں سچا مسلمان بننے اور ایمان پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور راضی برضا رہ کر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کی مزید توفیق بخشے۔

متاع ایمان کے رہزن

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ایک صفت یہ بتلائی ہے کہ وہ لغو کاموں سے اعراض کرتے ہیں والذین ھم عن اللغو معرضون لیکن آج کا انسان ان لغویات میں اتنا مشغول ہے کہ شاید اسے اور کام ہی نہیں۔ وہ دن رات لغو کاموں میں مصروف رہتا ہے۔ اسے اس بات کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ میں جن کاموں میں مصروف ہوں وہ سراسر لغو اور فضول ہیں۔ اور میری روحانیت کو برباد کر رہے ہیں۔ ان لغویات میں سینما اور ریڈیو' ٹی۔ وی کے گانے اور دیگر فضول پروگرام سرفہرست ہیں۔ ان سے استفادہ کرنا تو کجا وہ ان سے اپنی بربادی کا سامان کر رہا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا کہ ایک وقت آئے گا کہ میری امت کے بہت سے لوگ شرابوں کے نام تبدیل کر کے استعمال کریں گے ان کے سروں پر طبلے۔ ستار اور سارنگیاں بجتی ہوں گی اور ان کی محفلیں گانے والیوں سے گرم ہوں گی۔ جب یہ حالت ہوگی۔ تو ان پر مصائب آئیں گے۔ مثلاً طوفان زلزلے آگ اور جنگیں۔

حضور کی یہ پیشگوئی حرف بحرف پوری ہو گئی ہے۔ یہی وہ وقت ہے جس کے متعلق مخبر صادق نے خبر دی تھی۔ لوگ گانے بجانے کے اس قدر شائق ہو گئے ہیں کہ وہ اب اس کے بغیر زندگی گذار نہیں سکتے۔ گانا بجانا جزو زندگی ہو گیا ہے اور اس کے بغیر زندگی زندگی نہیں رہی۔ لوگ سارا دن فرمائشی گانے اور ریکارڈ سنتے ہیں۔ کھانا کھاتے ہیں تو ریڈیو چلتا ہے۔ پڑھ رہے ہیں تو ریڈیو چلتا ہے۔ کام کر رہے ہیں تو ریڈیو بج رہا ہے۔ غرض اٹھتے ہیں تو طبلے کی تھاپ پر اور سوتے ہیں تو سنگیت کی آواز پر۔ اب تو بسوں میں بھی ریڈیو لگ گئے ہیں۔ گویا سفر کرتے وقت بھی لوگ اس نعمت سے محروم نہ رہیں۔ انکی توجہ گانے کے سوا اور کسی طرف کیوں جائے خدا رسول کو کون یاد کرے۔ ذکر اللہ کون کرے۔ اگر بس بدقسمتی سے کسی حادثہ کا شکار ہو جائے تو توبہ کا وقت کیوں ملے۔ بس ریکارڈ سنتے سنتے ہی جان نکل جائے۔ اب تو ہسپتالوں میں ریڈیو آ گیا ہے۔ انسان مصائب اور بیماری میں مبتلاء ہو کر خدا کو یاد کرتا ہے اور اپنے گناہوں سے شرمندہ ہو تو اس کی

رحمت کے دروازے کو کھٹکھٹاتا ہے۔ لیکن اب ہسپتال ہو کر بھی گانا ہی سنتا ہے۔ خدا کو یاد کرنے کا اسے وقت ہی نہیں۔ نہ خدا کی طرف رجوع ہو اور نہ توبہ کا خیال دل میں آئے۔ جب یہ حالت ہو چکی ہو۔ خود اندازہ لگایئے کہ انسان کی روحانی ہلاکت کی اور کیا حد ہو سکتی ہے۔ لیکن آج کا انسان اسے لغو سمجھتا ہی نہیں بلکہ وہ اسے جزو زندگی سمجھتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ اس کے بغیر زندگی زندگی نہیں اور یہ صحیح ہے کہ جب انسان کے دل سے احساس زیاں مٹ جائے اور وہ بیماری کو بیماری نہ سمجھے تو اس سے بچنے کی کب امید کرے گا۔ لہٰذا اس کی بربادی اور تباہی میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ اس احساس زیاں کے مٹ جانے کے نتیجہ میں اب اس نے اپنی اقدار ہی بدل دی ہیں۔ آج کا مہذب انسان رقص و سرود کو ثقافت سمجھتا ہے۔ اس نے فحاشی کو آرٹ 'ناچنے والی کو آرٹسٹ' فلم میں کام کرنے والی کو اداکارہ یا فن کارہ کے مہذب نام دے دیئے ہیں۔ تہذیب کا مطلب اس کے نزدیک یہ ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کو بھول جائے اور دنیا کا کیڑا بن کر ظاہری اسباب کی پرستش میں لگ جائے۔ دوسرے لفظوں میں دنیا کے جوڑ توڑ اور مکرو فریب کا نام اس نے تہذیب رکھ دیا ہے۔ جب حالت اس حد تک گر چکی ہو تو اس کا خیال خدا کی طرف کیسے جائے وہ ان لغویات کو گناہ سمجھتا ہی نہیں۔ جب گناہ کو گناہ نہ سمجھے گا تو اسے یہ خیال کب آئے گا۔ پس شیطان نے اس پر پورا تسلط جما رکھا ہے اور یہ سچ ہے کہ جب انسان خدا کو بھول جائے اور اس کے حکموں کی کھلم کھلا نافرمانی کرنے لگے۔ تو اس پر شیطان مسلط ہو جاتا ہے۔ ومن یعش عن ذکر الرحمان نقیض لہ شیطانا فھو لہ قرین اور جب کسی کا دوست شیطان بن جائے تو اس کی ہلاکت میں کسے شک ہو سکتا ہے۔

کہتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں شیطان نے اپنے لشکر کو چاروں طرف بھیجا وہ سب کے سب پھر پھرا کر نہایت پریشان اور تھکے ہوئے واپس آئے۔ شیطان نے پوچھا کیا بات ہے۔ کہنے لگے کہ ان لوگوں نے ہمیں بہت پریشان کر دیا ہے ہمارا کوئی بھی ان پر اثر نہیں ہوتا۔ ہم بہت مشقت میں پڑ گئے ہیں۔ شیطان نے کہا عنقریب ایسے لوگ آئیں گے جن سے تمہارے مقاصد پورے ہوں گے اس کے بعد اس نے تابعین کے زمانہ میں اپنے لشکروں کو سب طرف پھیلا دیا۔ وہ سب کے سب اس وقت بھی پریشان حال واپس آئے ابلیس نے پوچھا کیا حال ہے۔ کہنے لگے ان لوگوں نے تو ہمیں دق کر دیا ہے۔ یہ عجیب قسم کے لوگ ہیں کہ ہماری اغراض ان سے کچھ

پوری ہوتی ہیں۔ مگر جب شام ہوتی ہے تو اپنے گناہوں سے ایسی توبہ کرتے ہیں کہ ہمارا کیا کرایا برباد ہو جاتا ہے۔ شیطان نے کہا گھبراؤ نہیں عنقریب ایسے لوگ آئیں گے۔ جن سے تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ وہ اپنی خواہشات میں ایسے گرفتار ہوں گے کہ ان کو توبہ کی بھی توفیق نہ ہوگی۔ وہ بے دینی کو دین سمجھیں گے اور اپنی خواہشات کے پیچھے لگ جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ بعد میں شیطان نے ان میں ایسی بدعات نکال دیں۔ جن کو وہ دین سمجھنے لگے۔ اور ایسی خواہشات پیدا کر دیں جن کو وہ جزو زندگی سمجھنے لگے۔ پس ایسی صورت میں توبہ کی توفیق کب نصیب ہو۔

خلاصہ کلام یہ کہ آج کا انسان لہو ولعب اور لغویات میں اتنا گرفتار ہے کہ اس کی رہائی ناممکن نظر آتی ہے وہ اپنی تباہی کی طرف سرپٹ دوڑتا چلا جاتا ہے۔ اور اس وقت وہ اسفل السافلین میں گر چکا ہے۔ اب سوائے اللہ تعالیٰ کے فضل کے اسے کوئی اور چیز نہیں بچا سکتی وہ اس خود فریبی میں مبتلا ہے کہ میں ترقی کی منازل طے کر رہا ہوں لیکن وہ روحانیت سے خالی ہو چکا ہے۔ اب اس میں اخلاق فاضلہ تو کجا۔ انسانیت بھی اس پر توجہ کناں ہے اور یہ سچ ہے کہ جب انسان کھلم کھلا اللہ تعالیٰ کے احکام کی توہین کرنے لگے۔ سراسر فسق وفجور اور لغویات میں غرق ہو جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کو تحقیر کی نظر سے دیکھے تو خدا کا عذاب بھی اس کی تاک میں رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب ہر طرف سے مصائب آرہے ہیں کہیں طوفان ہیں تو کہیں آگ۔ کہیں زلزلے ہیں تو کہیں جنگیں غرض مخبر صادق کی پیشگوئی حرف بحرف پوری ہو رہی ہے اور اب بچاؤ کی صورت صرف یہی ہے کہ وہ لغویات سے پرہیز کرے۔ گناہوں سے تائب ہو کر اپنے رب کی رحمت کا دروازہ کھٹکھٹائے اور پھر یہ کہ وقت کے مامور کو شناخت کرکے اس کی آواز پر کان دھرے اور اس کی حصار عافیت میں آجائے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

ایک طوفان ہے خدا کے قہر کا اب جوش پر
نوح کی کشتی میں جو بیٹھے وہی ہو رستگار
صدق سے میری طرف آؤ اسی میں خیر ہے
ہیں درندے ہر طرف میں عافیت کا ہوں حصار

متاع ایمان کے رہزن

گزشتہ مضمون میں بتایا گیا تھا کہ انسان کے نفس میں بغض اور کینہ کا جو مادہ پایا جاتا ہے اس سے انسان بہت جلد مغلوب ہو جاتا ہے اور یہ ایک ایسی برائی ہے جس نے انسان کے صبر و سکون کو برباد کر رکھا ہے۔ بہت ہی کم ہیں وہ لوگ جو غصہ کو دبا سکتے ہیں ورنہ عام حالات میں غصہ کو دبانا آسان امر نہیں۔ غصہ کبر کی ایک شاخ ہے اور اسی نے انسان کو بہت سی نیکیوں سے محروم کر رکھا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ شیطان انسان پر سب سے پہلے انانیت کے تیروں سے حملہ کرتا ہے۔ اسے کہتا ہے کہ تو بڑی شان والا ہے۔ تیرا مقام بہت بلند ہے۔ وہ کون ہے جس نے ترے خلاف یہ بات کہی ہے۔ اس کی کیا مجال تھی کہ تیرے سامنے یوں پیش آوے۔ بس اسی روز سے شیطان انسان کے اندر گھس جاتا ہے۔ اور پھر اپنا ڈیرہ بنا لیتا ہے۔ پھر اس کے ہر فعل کو حق بجانب قرار دیتا ہے۔ اور اس کے حق میں دلائل پر دلائل دیتا چلا جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے غصہ میں ایسے ناجائز اور ناروا افعال سرزد کراتا ہے جس سے بعد میں سوائے پچھتانے کے اسے اور کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"کوئی سچا مومن نہیں بن سکتا جب تک اس کا دل نرم نہ ہو جب تک وہ اپنے تئیں ہر ایک سے ذلیل تر نہ سمجھے۔ اور ساری شیخیاں دور نہ ہو جائیں۔ خادم القوم ہونا مخدوم بننے کی نشانی ہے اور غریبوں سے نرم ہو کر بات کرنا مقبول الٰہی بننے کی علامت ہے اور بدی کا نیکی سے جواب دینا سعادت کے آثار ہیں اور غصہ کو کھا لینا اور تلخ بات کو پی جانا نہایت درجہ کی جوانمردی ہے"۔

پس اس سے کسی کو انکار نہیں کہ ہماری روحانی ترقی کی راہ میں یہ ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ جب تک غیظ و غصہ کی بجائے ہم میں فروتنی اور انکساری نہ آئے گی۔ اس وقت تک قلب کی صفائی نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ کو وہی دل پسند ہے۔ جس میں سرکشی اور رعونت نہ ہو۔ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کو ایک شخص دعوت کے بہانے گھر لے گیا۔ وہاں جا کر

بے عزت کیا۔ اور کہا کہ تو ٹھگ ہے اور تقدس کے نام پر لوگوں کو لوٹتا ہے۔ یہاں کیوں آیا ہے۔ کیسی دعوت بس نکل جا یہاں سے۔ جنید چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر ان کے پاس گیا اور کہا کہ حضرت مجھ سے غلطی ہو گئی ہے۔ میں دماغی توازن کھو بیٹھا تھا۔ مجھے معاف کر دیں۔ دعوت تیار ہے۔ تشریف لے چلیں۔ شیخ پھر ساتھ ہو لئے۔ گھر جا کر پھر بے عزت کیا۔ بے نقط سنائیں۔ اور کہا تجھے شرم نہیں آتی۔ پھر دعوت کے لئے آگیا ہے۔ زردہ پلاؤ کھانے کے لئے ہر وقت تیار ہے۔ نکل جا یہاں سے۔ شیخ چلے گئے تھوڑی دیر کے بعد پھر گیا منت کی شیخ کو پھر لایا۔ تیسری بار جب گیا تو ان کے اس تحمل اور بردباری کو دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔ ڈبڈباتی ہوئی آنکھوں سے جنید کی طرف دیکھتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں بولا کہ آپ واقعی خدا رسیدہ انسان ہیں۔ میں بدبخت اور مصیبت زدہ ہوں۔ شیخ نے کہا کہ تمہیں کسی چیز نے غلط فہمی میں مبتلاء کر دیا ہے کہ میں خدا کا نیک بندہ ہوں۔

یہ ہے نیک اور خدا رسیدہ انسان کا حسن اخلاق۔ تحمل اور بردباری کا کتنا ارفع اور اعلیٰ نمونہ ہے جو حضرت جنید نے دکھلایا۔ اسی طرح ایک اور واقعہ بھی ہے کہ

ایک شخص نے ایک بزرگ کو گالیاں دیں۔ نوکر اس کی طرف لپکے۔ آپ نے ان کو منع فرمایا اور اس شخص کو بلا کر کہا کہ میاں ابھی ہماری بہت سی خرابیاں تجھ سے پوشیدہ ہیں۔ وہ شخص بہت شرمندہ ہوا۔ پھر آپ نے اپنی چادر اور ایک ہزار درہم دے کر اسے روانہ کیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی ہمارے سامنے ہے حضور کی سیرت میں ایسے اخلاق کے نمونے بے شمار ہیں ماموریں کے آنے کی غرض ہی یہ ہوتی ہے کہ وہ خلق خدا کو کتاب و حکمت سکھائیں اور ان کے قلوب کا تزکیہ کریں۔ کیونکہ تزکیہ کے بغیر انسان اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں کر سکتا۔ لیکن تزکیہ کے لئے بھی بہت بڑے مجاہدے کی ضرورت ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ۔

"تزکیہ کرنا بھی ایک موت ہے۔ جب تک کل اخلاق رزیلہ کو ترک نہ کیا جائے تزکیہ نفس کہاں ہو سکتا ہے"۔

انسانی نفس میں اور بھی بہت سی برائیاں ہیں۔ جن کے ہم ہر وقت مرتکب ہوتے ہیں۔ اور وہ ہم میں اتنی عام ہو گئی ہیں کہ ہم ان کو برائی نہیں سمجھتے۔ مثلاً غیبت اور بدظنی' غیبت روزمرہ کا

مشغلہ بن گیا ہے۔ جہاں کہیں بیٹھیں گے دوسروں کے متعلق بات ہوگی اور تنقید ہوگی۔ اسے ہم گناہ ہی نہیں سمجھتے یہ چیز اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی آتا اور وہ کسی کے متعلق بات کرتا تو حضور ﷺ فرماتے۔ کہ اس کے متعلق مجھے کوئی بات نہ کہو۔ اس کے متعلق میرا سینہ صاف رہنے دو۔ صرف اپنی بات کہو سبحان اللہ یہ ہے ہمارے لئے اسوۂ حسنہ۔ مثنوی میں ایک حکایت لکھی ہے۔

"ہم اپنے کوٹھے میں غلہ بھرتے رہے۔ بھرتے رہے مگر وہ بھرنے میں نہ آتا تھا۔ جب دیکھا خالی نظر آیا۔ سوچا۔ کوئی چوہا ہے جو اناج کو لے جاتا ہے۔ ہم بھرتے ہیں۔ وہ خالی کرتا ہے۔ آخر کار دروازہ کھول کر دیکھا تو واقعی ایک چوہا تھا کہ اس غلہ کو کھا جاتا تھا اور کوٹھہ خالی تھا۔"

یہی حال ہمارے اعمال کا ہے ہم سمجھتے ہیں۔ کہ ہم نمازیں پڑھتے ہیں روزے رکھتے ہیں زکوۃ اور چندے دیتے ہیں اور دوسرے نیک کام کرتے ہیں یہ سارے حساب میں جمع ہوں گے مگر ہمیں کیا معلوم کہ بعض بدیاں ہمارے اعمال کو حبط کر دیتی ہے اور ہمیں پتہ بھی نہیں لگتا۔ جب روز جزا آئے گا اس وقت پتہ لگے گا کہ نیک اعمال کی تعداد کتنی ہے۔ پس مقام خوف ہے۔ ہمیں اپنے اعمال پر مطمئن نہ ہونا چاہئے اپنے نفس کا مقابلہ کرکے تمام اخلاق رزیلہ کو ترک کرنا چاہئے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم ہر روز اپنے مولا سے نفس اور شیطان کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے دعا کیا کرو۔ کیونکہ بغیر اس کے فضل کے انسان کچھ نہیں کر سکتا۔ وہ دعا یہ ہے۔

اللھم انی اعوذ بک من شر نفسی ومن شر الشیطان و شرکہ

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ کم از کم تین مرتبہ دن میں یہ دعا کیا کرو تاکہ اللہ تعالیٰ شیطان اور نفس کے شر سے محفوظ رہنے کی توفیق دے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تزکیہ نفس کے تین طریق بتلائے ہیں۔ صحبت صالحین، استغفار اور دعا۔ پس ہر احمدی کو چاہئے کہ وہ ان ہدایات کو ہر وقت مد نظر رکھے۔ اور ان پر عمل کرکے دل کی پاکیزگی حاصل کرے۔ کیونکہ دل کی پاکیزگی کے بغیر نجات مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسا کرنے کی توفیق دے۔

حضرت مسیح موعودؑ کا عشق رسول ﷺ

دنیا میں حضرت نبی کریم ﷺ سے عشق کرنے والے بہت سے بزرگ گزرے ہیں اور انہوں نے اپنے طور پر جذبات کا اظہار تحریر و تقریر اور اشعار میں کیا ہے اگر ان سب کو جمع کیا جائے اور ان کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صرف ایک شعر سے مقابلہ کیا جائے تو لامحالہ وہ تمام اس ایک شعر کے برابر بھی نہیں ہو سکتے۔ وہ شعر یہ ہے۔

بعد از خدا بعشق محمد مخمرم
گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

غور فرمایئے کہ اس میں کس والہانہ انداز میں آپؑ نے اپنے دلی جذبات کی ترجمانی کی ہے اور کہا ہے کہ اگر عشق محمدی ﷺ کفر ہے تو واللہ میں سب سے بڑا کافر ہوں۔ کیونکہ میں ان کے عشق میں مست و بے خود ہو گیا ہوں۔ قیامت تک آنے والے لوگ عشق رسول ﷺ کا دعویٰ کرتے رہیں گے اور اس کی تعریف میں مدح سرائی کریں گے۔ لیکن جو عشق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اپنا آقاؐ سے تھا وہ اس مقام تک نہیں پہنچ سکیں گے۔

پھر یہ بھی ضروری ہے کہ کامل محبت کامل اطاعت کو چاہتی ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ اسلام کی کامل محبت اور کامل اطاعت کے نتیجہ میں شرف مکالمہ و مخاطبہ کے ساتھ مقام مسیح موعود اور مہدی عطا فرمایا۔ حضرت مسیح موعود علیہ اسلام کی کتب کا مطالعہ کرو تو آپ کو ہر ہر مقام پر عشق رسول ﷺ چھلکتا ہوا نظر آئے گا۔ اور یہ صحیح ہے کہ عاشق اپنے معشوق کی پیروی اور اطاعت کو اپنا جزو ایمان سمجھتا ہے اور اس کے رنگ میں رنگین ہونا چاہتا ہے اور یہی کمال عشق ہے۔

فرمایا۔

بسکہ من در عشق او ہستم نہاں
من ہمونم من ہمونم من ہمو

یہ کہ میں سراسر اس کے عشق میں ڈوب کر نہاں ہو گیا ہوں۔ اور اس کے رنگ میں

رنگین ہوں۔ نیاز فتحپوری نے کہا تھا کہ لوگوں کا یہ اعتراض کہ مرزا صاحب نے اپنے آپ کو ظلی نبی کہا کوئی اعتراض نہیں ہے۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نبی کے قدم بہ قدم چلے اور سایہ کی طرح ساتھ رہے۔ بلاشبہ وہ عاشق رسول ؐ تھے۔" (ملاحظات نیاز)

پھر محبت اپنے اندر محبوب کے لئے غیرت بھی رکھتی ہے۔ ایک موقعہ پر لیکھرام نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو لاہور سٹیشن پر سلام کیا تو آپ نے منہ پھیر لیا اور کچھ جواب نہ دیا اور فرمایا۔

"وہ ہمارے آقا ؐ کو تو گالیاں دیتا ہے اور ہمیں سلام کرتا ہے۔ ہم یہ برداشت نہیں کر سکتے۔"

پھر فرمایا کہ:

"ہم شورہ زمین کے سانپوں اور بیابانوں کے بھیڑیوں سے صلح کر سکتے ہیں۔ لیکن ان لوگوں سے صلح نہیں کر سکتے جو ہمارے پیارے نبی پر جو ہمیں اپنی جان' اور ماں باپ سے بھی زیادہ پیارا ہے ناپاک حملہ کرتے ہیں"۔

پھر محبت میں محب اپنے محبوب کی چھوٹی سے چھوٹی بات کی تعمیل اپنا فرض سمجھتا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ ایک بار حضور علیہ السلام جہلم سفر پر تشریف لے گئے۔ وہاں رات کو آپ کی چارپائی چھت پر بچھادی گئی رہیں آپ آرام کے لئے تشریف لے گئے۔ تو دیکھا کہ چھت پر منڈیر نہیں ہے۔ فوراً واپس تشریف لائے اور فرمایا کہ کیا معلوم نہیں کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا ہے جس کی منڈیر نہ ہو۔ یہ ہے کمال اطاعت۔

پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی ساری زندگی حضرت رسول کے اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین کی اشاعت میں صرف کردی اور یہی آرزو تھی کہ اسلام کا بول بالا ہو اور ایک جماعت پیدا کردی جو اسلام کی اشاعت کا جھنڈا اٹھائے ہوئے رواں دواں ہے۔ یہ سب اس محبت کا نتیجہ ہے جو آپ کو اپنے آقائے نامدارؐ سے تھی اور یہی مقصود و مطلوب تھا کہ کسی طرح میرے آقا کا نام بلند ہو اور دین اسلام دنیا پر غالب آجائے اور یہ فیصلہ دیا کہ:

"اب آسمان کے نیچے کوئی کتاب نہیں مگر قرآن اور دنیا کے لئے کوئی رسول اور شفیع

نہیں مگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا سارا فارسی' عربی اور اردو کلام جو شعروں میں ہے الفت رسولؐ سے بھرا پڑا ہے صرف اردو کے دو شعر ہدیہ قارئین ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

وہ پیشوا ہمارا جس سے نور سارا
نام اس کا ہے محمد دلبر مرا یہی ہے

اس نور پر فدا ہوں اس کا ہی میں ہوا ہوں
وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے

فیصلے کا اظہار فرمایا ہے کہ:۔

وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے

آخر میں عربی کا ایک شعر درج کرتا ہوں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ۔ اے میرے محبوب میں تو مر جاؤں گا۔ لیکن تیری محبت میرے دل سے نہ مٹ سکے گی۔ بلکہ مرنے کے بعد بھی میری خاک کے ہر ذرہ سے تیری محبت کی خوشبو اور صدا آئے گی۔

انی اموت ولاتموت محبتی
یدری بذکرک فی التراب ندائی

یہ انتہائے عشق ہے اب بتاؤ کہ دنیا میں کوئی ایسا عاشق پیدا ہوا ہے؟ یا دنیا اس ایک شعر کی مثال پیدا کر سکتی؟ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔

اللھم صلی علی محمد وعلی آل محمد و علی عبدک المسیح الموعود وبارک وسلم

رفقاء حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اخلاص اور فدائیت کے نظارے

حضرت مسیح موعودؑ کا الہام ہے

القیت علیک محبۃ منی و لتصنع علی عینی میں تیری محبت لوگوں کے دلوں میں بٹھاؤں گا اور اپنی آنکھوں کے سامنے تیری پرورش کروں گا۔

یہ الہام حضور کے دعویٰ ماموریت سے بہت پہلے ہوا۔ اور حرف بحرف پورا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی محبت لوگوں کے دلوں میں بٹھائی اور حضور کو ایسے ایسے محبت کرنے والے دیئے کہ ان کی محبت واخلاص اور جذبہ وفاداری کے حالات پڑھ کر رشک آنے لگتا ہے (کہ کاش ہمیں بھی حضور کی صحبت کا زمانہ ملتا اور ہم بھی اسی طرح محبت کرتے اور اپنے اموال اور جانیں حضور کے قدموں پر نثار کرتے)۔ دراصل یہ وہی لوگ تھے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے مسیح کی خدمت کے لئے چن لیا تھا اور ان کے دلوں میں ایسی محبت ڈال دی تھی کہ وہ غیروں سے کٹ گئے تھے اور وہ اس مصرع کا مصداق تھے کہ۔

"صحبتے بعد از لقائے تو حرام"

اس میں شک نہیں کہ حضور سے محبت کرنے والے بہت بہت پیدا ہوتے رہیں گے لیکن وہ ان لوگوں کا مقام حاصل نہ کر سکیں گے جو حضور کے صحابہ کو ملا السابقون السابقون اولئک المقربون حضور فرماتے ہیں کہ یہ الہام پورا ہوا۔ بعضوں نے جان دے دی۔ بعض وطن سے نکالے گئے بعض مالی تباہی سے دوچار ہوئے۔ بعض دکھ دیئے گئے اور ستائے گئے اور ہزارہا ایسے ہیں کہ وہ اپنے نفس کی حاجات پر مجھے مقدم رکھ کر اپنے عزیز مال میرے آگے رکھتے ہیں۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ ان کے دل محبت سے پر ہیں اور بہتیرے ایسے ہیں کہ اگر میں کہوں کہ وہ اپنے مالوں سے بکلی دستبردار ہو جائیں یا اپنی جانوں کو میرے لئے فدا کریں تو وہ تیار

ہیں۔ ان میں سے ایک عاشق زار حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی تھے۔ جو گھر بار چھوڑ کر در حبیب پر دھونی رما کر بیٹھ گئے اور اس عہد کو اپنے آخری سانس تک نبھایا۔

زہے نصیب مدینہ مقام ہو جائے

در حبیب پہ قصہ تمام ہو جائے

والی بات ان کو نصیب ہوئی اور وہ بہشتی مقبرہ میں دفن ہوئے۔ جہاں ان کی پہلی قبر تھی حضور کو بھی ان سے خاص محبت تھی اور وہ سفرو حضر میں ساتھ رہے۔ ان کی وفات کے بعد ایک موقعہ پر جب حضرت مولوی صاحب کا ذکر آیا تو حضور نے فرمایا کہ اوائل میں ان کے ساتھ بعض اختلافی قسم کی گفتگو ہوتی رہتی تھی وہ نیچری خیال کے آدمی تھے۔ "پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کی معرفت زیادہ کی۔ تو ایک دن کہنے لگے آپ گواہ رہیں۔ آج سے میں نے سب گفتگوئیں ترک کر دیں اس کے بعد موت تک بجز تسلیم اور کچھ نہ ہوگا اور پھر میں نے دیکھا کہ اس دن کے بعد موت تک واقعی یہی حالت رہی کہ رضا اور تسلیم کے سوا اور کوئی بات تھی ہی نہیں میں نے دیکھا ہے کہ جن لوگوں نے ان کے خطبات سنے ہیں وہ یہ بات جانتے ہیں کہ ان میں بجز میرے حالات اور ذکر کے اور کچھ نہ ہوتا تھا بلکہ بعض اوقات میں نے سنا کہ بعض آدمی اس امر کو کسی حد تک پسند نہیں کرتے تھے مگر وہ بجز اس کے اور کچھ کہنا نہ چاہتے تھے اس مقام پر میں نے عرض کی (ایڈیٹر الحکم) کہ

حضرت مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ وہ تقریر اور کلام میرے نزدیک حرام ہے جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سچائی کا ذکر نہ ہو۔ یہ الفاظ سن کر میں نے دیکھا کہ حضور کی آنکھیں پرنم ہو گئی تھیں لیکن ان لوگوں کا ضبط اور صبر بے نظیر ہوتا ہے اس لئے ضبط کا نمونہ دکھلایا مگر چہرہ روشن تھا اور اس میں خاص قسم کی درخشندگی پائی جاتی تھی"۔ (ملفوظات جلد ہشتم صفحہ 265۔ 267)

پس کیا ہی خوش قسمت تھے وہ لوگ جن کا حضور سے خاص تعلق تھا اور وہ حضور کی محبت میں سرشار تھے اور جن کی جدائی پر حضور کی آنکھیں پرنم ہوئیں۔ اور ان کے لئے دعائیں کیں۔ یہی مولوی صاحب ہی تھے جن کو حضور سے بے تکلفی بھی تھی حضور کی محفل میں باقی سب دوست پاس ادب سے چپ کر کے بیٹھ رہتے تھے لیکن مولوی صاحب موصوف کوئی نہ کوئی موضوع حضور سے گفتگو کا نکال لیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے مامور تو ایک ساز ہوتے ہیں اور جب تک ان کو چھیڑا نہ جائے ان سے نغمے کیسے نکل سکتے ہیں۔

اسی طرح کپور تھلہ کے دوستوں کا حضور سے ایک خاص اور قلبی تعلق تھا۔ یہ لوگ وفا' اخلاص اور محبت میں بہت بڑھے ہوئے تھے۔ ان میں منشی ظفر احمد صاحب' منشی اروڑہ خان صاحب اور منشی محمد خان صاحب سرفہرست تھے۔ ان لوگوں نے وفا اور اخلاص دکھایا۔ اس کی مثال کم ملے گی۔ حضور فرمایا کرتے تھے کہ کپور تھلہ کی جماعت جس طرح اس جہان میں میرے قریب ہے۔ اسی طرح دوسرے جہان میں بھی قریب ہوگی۔ دراصل ان لوگوں کو حضور سے عشق تھا اور جب آپس میں مل بیٹھتے تو ان کی محفل میں تذکرہ ہی حضور کا ہوتا۔ ہر ایک اپنے اپنے ربط کا ذکر کرتا اور اپنے اپنے تعلق کا ذکر چھڑتا جب مخالفین سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام بحث مباحثات اور مباہلہ کا ذکر ہوتا۔ تو خوش ہو جاتے کہ فلاں کو حضور نے یوں پکڑا۔ فلاں کو یوں رگیدا اور فلاں کو یوں شکست اور ذلت نصیب ہوئی اور فلاں کو یوں اپنے کیفر کردار کو پہنچایا اور جب حضور کی التفات کریمانہ اور شفقت بے پایاں کا ذکر کرتے اور اس محبت کو جو حضور ان سے رکھتے تھے محسوس کرتے تو بے اختیار رو پڑتے غرض ان کی ہر محفل اسی طرح ہنستے اور روتے گزرتی اور ان کے شب و روز تذکرہ دوست میں گزر جاتے۔ یہ سچ ہے کہ جب عاشق کو جدائی ستاتی ہے تو وہ اپنے محبوب کے گھر کا رخ کرتا ہے اسی طرح یہ لوگ دل کی لگی بجھانے کے لئے کسی نہ کسی بہانہ سے قادیان پہنچ جاتے۔ وہاں سے پھر جانے کا نام نہ لیتے۔ حضور کی پاک صحبت میں بیٹھ کر ہم غم سے بے نیاز ہو جاتے جیسے ان کو دونوں جہان کی نعمتیں مل گئی ہوں۔

تم کیا ملے کہ دونوں جہاں مل گئے مجھے

والا معاملہ ہوتا۔ کسی نے اس بارہ میں کیا خوب کہا ہے۔

میں کیا کہوں ترے ملنے سے کیا ملا
عرفان غم ہوا مجھے دل کا پتہ ملا
منزل ملی' مراد ملی' مدعا ملا
سب کچھ مجھے ملا' جو ترا نقش پا ملا

حضرت منشی ظفر احمد صاحب ذکر کرتے ہیں کہ ایک بار جب میں قادیان گیا تو مجھے بہت دن لگ گئے۔ عید بھی سر پر آگئی۔ میرا صافہ میلا ہو گیا میں اس خیال سے بازار چلا کہ نیا صافہ لے آؤں۔ اتفاقاً راستہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام مل گئے۔ فرمایا منشی صاحب آپ کہاں جا رہے ہیں۔

میں نے عرض کی حضور پگڑی میلی ہے۔ دھلانے کا وقت نہیں۔ نئی پگڑی بازار سے لینے جا رہا ہوں۔ اس پر حضور نے فرمایا کہ کیا آپ کو یہ پگڑی پسند ہے۔ یہی رکھ لیں۔ اس پر حضور نے اپنے سر سے پگڑی اتار کر میرے سر پر رکھ دی۔ میں اس شفقت بے پایاں کو دیکھ کر آبدیدہ ہو گیا اور صافہ کو آنکھوں اور سینہ سے لگایا اور سمجھا کہ مجھے ایک دولت بے بہا مل گئی ہے۔ کہتے ہیں کہ جب میں قادیان جاتا تو حضور ڈاک کا کام میرے سپرد کر دیتے۔ ایک بار حضور نے مجھے ڈاک دی اور فرمایا کہ خط کھول کر سناتے جاؤ۔ میں کھولتا گیا۔ اور سناتا گیا۔ ایک خط تھا جس پر لکھا تھا کہ اسے حضور کے سوا اور کوئی نہ کھولے میں نے وہ خط آگے رکھ دیا۔ فرمایا کھولو میں نے عرض کی کہ بات یہ ہے کہ اسے حضور کے سوا اور کسی کو کھولنے کی اجازت نہیں آپ نے فرمایا۔ کھول لو۔ کیا آپ اور میں کوئی دو ہیں۔ جب حضرت منشی صاحب اس واقعہ کا ذکر کرتے۔ تو رو پڑتے اور کہتے کہ کہاں خدا کا پیارا مسیح اور کہاں یہ گنہگار اور اس پر نوازش یہ کہ ہم اور آپ کوئی دو ہیں۔

کہاں ہم اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی

اسی طرح یہی عاشق مسیح ایک اور موقعہ پر چند دوسرے مشتاقان دید کے ساتھ مسجد مبارک میں صبح چار بجے نماز کی انتظار میں بیٹھے تھے کہ کسی نے خوش الحانی سے اذان دی تو اس پر سراج الحق صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے یہ شعر گنگنانے شروع کئے۔

چوں مرا نورے پئے قوم مسیحی داد اند
مصلحت را ابن مریم نام من بنہادہ اند
مے درخشم چوں قمر تابم چوں قرص آفتاب
کور چشم آں کہ در انکار استاد اند

اس پر حضرت منشی ظفر احمد صاحب نے زور سے پڑھنے کو کہا تو پیر صاحب نے زور سے یہ اشعار خوش الحانی سے کہنا شروع کئے ہم سب مست تھے کہ حضور بیت الفکر کے دریچے سے لالٹین لے کر بر آمد ہوئے اور چہرہ آفتاب کی مانند چمک رہا تھا۔ یعنی۔

مے درخشم چوں قمر تابم چوں قرص آفتاب

والی بات تھی۔ ایک لیمپ مسجد میں روشن تھا۔ عجیب کیفیت تھی جونہی حضور جلوہ فرما ہوئے ہم پر وجد کی حالت طاری ہو گئی۔ ادھر استیلائے محبت اور ادھر جلوہ گری ۔

وہ آئے بزم میں اتنا تو میر نے دیکھا

کہ اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

پھر نہ سنانے والے میں ہوش تھا اور نہ سننے والوں میں سننے کی طاقت تھی۔ سب اپنی اپنی جگہ مست و بے خود تھے۔ حضور آکر بیٹھ گئے اور تھوڑی دیر توقف کے بعد فرمایا کہ صاحبزادہ صاحب چپ کیوں ہو گئے پڑھو میں نے ہوش سنبھالا اور تعمیل حکم میں مکرر سہ کرر اشعار کو پڑھا۔ حضور سن کر بہت محظوظ ہوئے۔ اور پھر فرمایا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء

غرض عشق و محبت کی داستان رنگین بھی ہے اور دلنواز بھی اور یہ سچ ہے کہ جو مزا عشق میں ہے وہ کسی اور شے میں نہیں۔ دنیا کی کل نعمتیں اس کے سامنے ہیچ ہیں جنھوں نے اس نعمت کا مزا چکھا۔ یہ تو وہی جانتے ہیں کہ عشق کیا شے ہے۔ دنیا والے عبث دولت دنیا کی تلاش میں سرگرداں ہیں لیکن حقیقی مسرت تو دید دوست ہی میں ہے اور یہ زندگی بھی ہے اور حاصل زندگی بھی۔

آدمی دید است باقی پوست است

دیدآں باشد کہ دید دوست است

زتن را در گزر اندر نظر

در نظر رو در نظر رو در نظر

پس اللہ تعالیٰ ان عاشقان مسیح پر اپنی رحمت کے سائے لیے کرتا چلا جائے اور انہیں اپنے خاص انعامات سے نوازے۔ یہی وہ لوگ تھے جو اس الہام الٰہی کا مورد ہوئے۔ الصفۃ ۔ ایک مجمہ منسی ان کا سرمایہ زندگی صرف اور صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی محبت ہی تھی اور یہی سرمایہ وہ ساتھ لے کر اب اپنے محبوب کے پاس پہنچ چکے ہیں۔ جہاں ان کے لئے وصال ہی وصال ہے جدائی نہیں۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے رفقاء اور ان کا عشق و فدائیت

اللہ تعالیٰ جب کسی مامور کو اصلاح خلق کے لئے بھیجتا ہے تو اس سے محبت کرنے والے لوگ بھی پیدا کر دیتا ہے جو اس کی مدد کرتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام ہے القیت علیک محبۃ منی ولتصنع علی عینی میں تیری محبت لوگوں کے دلوں میں بٹھاؤں گا اور اپنی آنکھوں کے سامنے تیری پرورش کروں گا۔ الہام دعویٰ ماموریت سے پہلے کا ہے جو حرف بحرف پورا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی محبت لوگوں کے دلوں میں بٹھائی اور حضور کو ایسے محبت کرنے والے دیئے جن کا جذبہ وفاداری اور اخلاص پڑھ کر رشک آنے لگتا ہے۔ کہ کاش ہم بھی انہیں لوگوں میں سے ہوتے اس میں شک نہیں حضور سے محبت کرنے والے بہت پیدا ہوتے رہیں گے۔ لیکن وہ ان لوگوں کا مقام حاصل نہ کر سکیں گے۔
جو حضور کے رفقاء کو ملا السابقون السابقون اولئک هم المقربون ایک بار حضور نے فرمایا کہ یہ الہام پورا ہوا۔ بعضوں نے جان دے دی۔ بعض وطن سے نکالے گئے۔ بعض مالی تباہی سے دو چار ہوئے۔ بعض دکھ دیئے گئے اور ستائے گئے اور ہزارہا ایسے ہیں کہ وہ اپنے نفس کی حاجات پر مجھے مقدم رکھ کر اپنے عزیز مال میرے آگے رکھتے ہیں اور میں دیکھتا ہوں کہ ان کے دل محبت سے پر ہیں اور بہتیرے ایسے ہیں کہ اگر میں کہوں کہ وہ اپنے مالوں سے بکلی دستبردار ہو جائیں یا اپنی جانوں کو میرے لئے فدا کریں تو وہ طیار ہیں"۔
ان میں سے ایک عاشق زار حضرت مولوی نورالدینؓ تھے۔ جو کاروبار گھربار چھوڑ کر در حبیب پر دھونی رما کر بیٹھ گئے اور اس عہد کو اپنے آخری سانس تک نبھایا اور اپنے حال و قال سے ثابت کر دیا کہ ان کی آرزو یہی تھی۔

"در حبیب پہ قصہ تمام ہو جائے"

چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پہلو میں دفن ہوئے۔ فرمایا کرتے تھے

"مجھے وہ ملا ہے جو تیرہ سو برس آرزو کرتے والوں کو نہیں ملا۔ پھر میں ایسی بے بہا دولت کو چھوڑ کر چند روزہ دنیا کے لئے مارا مارا پھروں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر مجھے کوئی ایک لاکھ یا ایک کروڑ روپیہ بھی یومیہ دے اور قادیان سے باہر رکھنا چاہئے۔ میں نہیں رہ سکتا اب میں اپنی تمام ضرورتوں کو صرف ایک وجود پر قربان کرتا ہوں۔"

۱۹۰۰ء کی بات ہے کہ کسی ریاست کے ایک نواب صاحب قادیان میں حضرت حکیم الامت کی خدمت میں علاج کے لئے آئے تھے۔ وہ ایک الگ مکان میں رہتے تھے۔ ایک دن نواب صاحب کے اہلکار حضرت مولوی صاحب کے پاس آئے۔ جن میں سے ایک مسلمان اور ایک سکھ تھا۔ عرض کیا کہ آپ نواب صاحب کے ہمراہ ان کی ریاست میں جائیں وہاں لاٹ صاحب آنے والے ہیں۔ ان کا منشا ہے وہیں علاج کرواتے رہیں دورے کے بعد واپس آ جائیں گے۔ حضرت مولوی صاحب نے فرمایا کہ میں اپنی جان کا مالک نہیں۔ میرا ایک آقا ہے اگر وہ مجھے بھیج دے تو مجھے کیا انکار ہے۔ ظہر کے وقت وہ اہلکار مسجد میں گئے۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام تشریف لائے تو انہوں نے اپنا مدعا بیان کیا۔ حضور نے فرمایا اس میں شک نہیں کہ اگر ہم مولوی صاحب کو آگ میں کودنے یا پانی میں چھلانگ لگانے کے لئے کہیں تو وہ انکار نہ کریں گے لیکن مولوی صاحب کے وجود سے یہاں ہر وقت ہزاروں لوگوں کو فیض پہنچتا رہتا ہے۔ قرآن و حدیث کا درس دیتے ہیں اس کے علاوہ سینکڑوں بیماروں کا علاج کرتے ہیں۔ ایک دنیا داری کے کام کے لئے ہم اتنا فیض بند نہیں کر سکتے۔...... اس دن عصر کے وقت جب مولوی صاحب درس قرآن دینے لگے تو خوشی کی وجہ سے منہ سے الفاظ نہ نکلتے تھے۔ فرمایا مجھے آج اس قدر خوشی ہے کہ بولنا محال ہے اور وہ یہ کہ میں ہر وقت اس کوشش میں لگا رہتا ہوں کہ میرا آقا مجھ سے خوش ہو جائے۔ آج میرے لئے کس قدر خوشی کا مقام ہے کہ میرے آقا نے میری نسبت اس قسم کے خیال کا اظہار کیا ہے۔ کہ ہم اگر نور الدین کو آگ میں جلائیں یا پانی میں ڈبو دیں تو پھر بھی وہ انکار نہ کرے گا۔ اللہ اللہ۔ محبت بھی کیا شے ہے کہ اسے لٹ کر اور مٹ کر مزا آتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اکثر فرمایا کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعاؤں کے نتیجہ

میں مولوی نور الدین کی صورت میں مجھے ایک مددگار عطا فرمایا ہے۔ مجھے ان کے اخلاص اور جذبہ وفاداری کو دیکھ کر رشک آنے لگتا ہے کہ کاش ہم میں سے ہر ایک نور الدین ہوتا۔

خوش بودے اگر ہر یک زامت نوردیں بودے

اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے اخلاص اور فدائیت کی قدر کی اور ان کو اول المومنین اور اول المہاجرین بنادیا۔ اور پھر حضرت مسیح موعود کے بعد خلافت کی نعمت سے نوازا۔ وہ خلیفہ اول بنے اور جنت میں بھی صدیق اکبرؓ کی طرح اپنے آقا کی معیت میں ہوں گے۔ اللہ اکبر صدیق ثانی کے بخت بلند کی عظمتیں۔

اسی طرح کپور تھلہ کے دوستوں کا حضور سے ایک خاص اور قلبی تعلق تھا۔ یہ لوگ وفا، اخلاق اور محبت میں بہت بڑھے ہوئے تھے ان میں منشی ظفر احمد صاحب، منشی اروڑہ خان صاحب اور منشی محمد خان صاحب سر فہرست تھے۔ حضور فرمایا کرتے کہ کپور تھلہ کی جماعت جس طرح اس جہان میں میرے قریب ہے اسی طرح دوسرے جہان میں بھی قریب ہوگی۔ دراصل ان لوگوں کو حضور سے عشق تھا۔ اور جب آپس میں مل بیٹھتے تو ان کی محفل میں تذکرہ ہی حضور کا ہوتا ہر ایک اپنے اپنے تعلق کا ذکر کرتا اور جب مخالفین کی ذلت ان کی ناکامی اور ان کے کیفر کردار کا ذکر کرتے تو خوش ہو جاتے۔ اور جب حضور کی التفات کریمانہ اور شفقت بے پایاں کا ذکر کرتے اور اس محبت کو جو حضور ان سے رکھتے تھے محسوس کرتے تو بے اختیار رو پڑتے اور جدائی کا احساس انہیں رلا دیتا۔ غرض ان کی ہر محفل اسی طرح ہنستے اور روتے گزرتی اور ان کے شب و روز تذکرہ دوست میں گزرتے...... یہ سچ ہے کہ جب عاشق کو جدائی ستاتی ہے تو اپنے محبوب کے گھر کا رخ کرتا ہے۔ اس طرح یہ لوگ دل کی لگی بجھانے کے لئے کسی نہ کسی بہانے سے قادیان پہنچ جایا جاتے اور پھر وہاں سے جانے کا نام نہ لیتے۔ غرض حضور پاک کی صحبت میں بیٹھ کر ہر غم سے بے نیاز ہو جاتے۔

حضرت منشی ظفر احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں عدالت میں سر رشتہ دار ہو گیا۔ پیشی کا کام کرتا تھا۔ ایک دفعہ مسلیں بند کر کے قادیان چلا آیا۔ تین رخصتیں تھیں۔ تیسرے دن جانے کی اجازت چاہی حضور نے فرمایا۔ ابھی ٹھہریں۔ پھر عرض کرنا مناسب نہ سمجھا کہ آپ ہی فرما دیں گے۔ اس پر ایک مہینہ گزر گیا۔ ادھر مسلیں میرے گھر تھیں۔ کام بند ہو گیا اور سخت خطوط

آنے لگے۔ مگر یہاں یہ حالت تھی کہ ان خطوط کے متعلق وہم بھی نہ آتا تھا...... حضور کی صحبت میں ایک ایسا لطف اور محویت تھی کہ نہ تو نوکری کے جانے کا خیال تھا اور نہ کسی باز پرس کا اندیشہ۔ آخر ایک نہایت ہی سخت خط حضرت صاحب کے سامنے رکھ دیا۔ پڑھا اور فرمایا لکھ دو۔ "ہم نہیں آسکتے"۔ میں نے وہی فقرہ "ہم نہیں آسکتے" مجسٹریٹ کو لکھ دیا۔ اس پر ایک مہینہ اور گزر گیا تو ایک دن فرمایا کتنے دن ہو گئے پھر آپ ہی کہنے لگے اور فرمایا۔ اب چلے جائیں میں چلا گیا اور کپور تھلہ پہنچ کر لالہ ہرچند اس مجسٹریٹ کے مکان پر گیا تاکہ معلوم کروں کہ کیا فیصلہ ہوا ہے۔ انہوں نے کہا۔ منشی جی! آپ کو مرزا صاحب نے نہ آنے دیا ہو گا۔ میں نے کہا ہاں! تو فرمایا کہ ان کا حکم مقدم ہے......

ایک اور موقعہ پر کہتے ہیں کہ میں قادیان گیا تو مجھے بہت دن لگ گئے عید بھی سر پر آگئی۔ میرا صافہ میلا ہو گیا۔ میں اس خیال سے بازار چلا کہ نیا صافہ لے آؤں۔ اتفاقاً راستہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام مل گئے۔ فرمایا منشی صاحب آپ کہاں جا رہے ہیں۔ میں نے عرض کی۔ حضور پگڑی میلی ہے دھلانے کا وقت نہیں۔ نئی پگڑی بازار سے لینے جا رہا ہوں۔ اس پر حضور نے فرمایا کہ کیا آپ کو یہ پگڑی پسند ہے۔ یہی رکھ لیں۔ اس پر حضور نے اپنے سر سے پگڑی اتار کر میرے سر پر رکھ دی۔ میں اس شفقت بے پایاں کو دیکھ کر آبدیدہ ہو گیا اور صافہ کو آنکھوں اور سینہ سے لگایا اور سمجھا کہ مجھے دولت بے بہا مل گئی ہے۔ کہتے ہیں کہ جب میں قادیان جاتا تو حضور ڈاک کا کام میرے سپرد کر دیتے۔ ایک بار حضور نے مجھے ڈاک دی اور فرمایا خط کھول کر سناتے جاؤ۔ میں کھولتا گیا اور سناتا گیا۔ ایک خط تھا اس پر لکھا تھا کہ اسے حضور کے سوا کوئی اور نہ کھولے۔ میں نے وہ خط آگے رکھ دیا۔ فرمایا کھولو۔ میں نے عرض کی کہ بات یہ ہے۔ فرمایا۔ کھول لو۔ کیا میں اور آپ کوئی دو ہیں۔ حضرت منشی صاحب جب اس واقعہ کا ذکر کرتے تو رو پڑتے اور کہتے کہ کہاں خدا کا پیارا مسیح اور کہاں یہ گنہگار۔ اور اس پر نوازش یہ کہ ہم اور آپ کوئی دو ہیں۔ اللہ اللہ

ہم کہاں اور آپ کی محفل کہاں ایک اور عاشق حضرت منشی ارڑہ خان صاحب تھے۔ ملازمت سے فارغ ہو کر قادیان آکر ڈیرہ لگا لیا اور بقیہ ایام زندگی وہاں گزار دیئے۔ جو نماز عشق شروع کی اس کا اختتام بھی وہیں ہوا۔

وہ نماز عشق کیا ہے جو نہ وقف سجدہ کر دے
تیرے در سے سر نہ اٹھے یہی عین بندگی ہے

کھانا لنگر سے لیتے لیکن قیمت ادا کر دیتے اور مسجد مبارک میں جا کر صف اول میں بیٹھ کر حضور کی پر لطف صحبت سے فیض حاصل کرتے اور دیدار سے مشرف ہوتے ایک بار حضور نے فرمایا کہ ہر دوست جو آتا ہے وہ کسی نہ کسی دعا کے لئے کہتا ہے۔ کوئی نہ کوئی غرض لے کر آتا ہے۔ لیکن منشی اروڑہ خان صاحب نے کبھی کسی دعا کے لئے نہیں کہا۔ وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ منشی صاحب کہنے لگے۔ حضور میری تمنا تو آپ ہیں۔ جب آپ مل گئے ہیں اور آپ کی دید حاصل ہے تو مجھے سب کچھ مل گیا ہے۔ اب کسی اور چیز کی ضرورت ہی کیا ہے۔ واقعی ان کی حالت اس شعر کے مصداق تھی۔

منزل ملی، مراد ملی، مدعا ملا
سب کچھ مجھے ملا جو تیرا نقش پا ملا

پس دید دوست زندگی بھی ہے اور حاصل زندگی بھی اور وہی ان کو حاصل تھی۔ اللہ تعالیٰ ان عاشقان مسیح موعود علیہ السلام پر بے شمار رحمتیں برسائے اور ان کی ذریت کو بھی انہیں الحالات سے نوازے۔ ان لوگوں کا سرمایہ اور زندگی صرف اور صرف مسیح موعود علیہ السلام کی محبت تھی اور یہی سرمایہ لے کر وہ اپنے حبیب کے پاس پہنچ چکے ہیں۔ جہاں وصال ہی وصال ہے۔ جدائی نہیں۔ کیونکہ محب اپنے محبوب سے جدا نہیں۔

حقوق العباد اور خدمت والدین

دین کی دو شاخیں ہیں۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق تو ظاہر ہیں۔ شرک نہ کیا جائے اور اس کی عبادت صدق اور اخلاص سے کی جائے۔ حقوق العباد میں سب سے اول نمبر والدین کے حقوق کا آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وقضی ربک الا تعبدوا الا ایاہ وبالوالدین احسانا یعنی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اس کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو۔ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو۔ دوسری جگہ فرمایا ان اشکرلی ولوالدیک یعنی شکر کرو میرا اور اپنے والدین کا۔ گویا دوسرے لفظوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کے بعد والدین کی فرمانبرداری اور ان سے احسان کا ذکر فرمایا اور اپنے شکر کے ساتھ ماں باپ کے شکر کو ملا دیا۔ اگر غور کیا جائے تو ان احکامات سے والدین کی عظمت اور برتری کا پتہ چلتا ہے۔ پھر ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ان سے ادب اور احترام سے پیش آؤ۔ ان کے حکموں کی تعمیل کرو۔ جب وہ بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے سامنے اف تک نہ کرو۔ کوئی ایسی بات نہ کرو جو ان کو رنجیدہ کرنے والی ہو۔ گستاخی سے پیش نہ آؤ۔ ان کو مت جھڑکو۔ خواہ ان سے کوئی ایسا فعل ہی سرزد کیوں نہ ہو جائے۔ جو تم پر گراں گزرے۔ ان کو دھمکی نہ دو۔ تواضع اور انکسار سے پیش آؤ۔ اور ان کی نسبت اپنے پروردگار سے دعا طلب کرتے رہو۔ کہ مولا کریم! ان پر رحم فرما۔ جیسا کہ وہ بچپن میں مجھ پر رحم اور شفقت کرتے تھے۔

دیکھو اللہ تعالیٰ نے خدمت والدین کے متعلق کس طرح کھول کھول کر اپنے احکامات بیان کر دیئے ہیں تاکہ ایک مومن بندہ یہ نہ کہہ سکے کہ یہ احکامات مجھ پر واضح نہ تھے اس لئے ان کی تعمیل میں کوتاہی ہوئی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ سے والدین سے حسن سلوک کی سفارش کی ہے پس جن وجودوں کے متعلق اللہ تعالیٰ خود سفارش کرے ان سے لاپرواہی کرنے والا کتنا ہی بدنصیب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی نسبت صرف یہ احکامات دے کر بس نہیں کر دی بلکہ اپنے پیغمبر کو بتایا کہ والدین کی رضا میں میری رضا اور ان کی ناراضگی میں میری

ناراضگی پوشیدہ ہے۔

پس جو کوئی ان کو دکھ دیگا۔ اس کا رب اس پر ناراض ہو جائے گا اسی لئے حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ دوسرے گناہوں کی سزا اگر چاہیں تو قیامت تک اٹھا رکھیں گے لیکن ماں باپ کو دکھ دینے والے کو سزا اسی دنیا میں ضرور دے دیتے ہیں۔ اس میں تاخیر نہیں کی جاتی۔ پس کتنا خوش نصیب ہے وہ آدمی جو اپنے والدین کی خدمت میں لگا رہتا ہے لیکن عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ بہت کم لوگ ہیں جو اپنے ماں باپ کی خدمت پوری طرح کرتے ہیں جب کسی کی شادی ہو جاتی ہے اور بچے پیدا ہونے لگتے ہیں تو وہ ایک ابتلاء میں آجاتا ہے۔ اس کی ساری توجہ بیوی بچوں کی طرف پھر جاتی ہے۔ ماں' باپ کی طرف توجہ کم ہو جاتی ہے۔ گھر میں بہو کا راج ہوتا ہے۔ والدین کے آرام کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ اور نہ ان کی ضروریات کو پورا کیا جاتا ہے۔ اگر بہو کی بے رخی اور بے التفاتی کی شکایت بھی کرتے ہیں تو شنوائی نہیں ہوتی۔ بلکہ دوسری طرف بہو کی ہر بات کو درست تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ غرض ان کی آخری زندگی بے کسی اور کسمپرسی کی حالت میں گزرتی ہے۔ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن والا معاملہ ہوتا ہے۔ آخری عمر میں سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر سہارا ہی نہ ملے یا ملے تو اس میں کرب کی اذیت ملی ہوئی ہو تو اس کا کیا فائدہ اس لئے اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر اس عمر میں ان سے حسن سلوک کی سفارش کی ہے۔ اور فرمایا کہ ان کی خدمت میں کوتاہی نہ کرو۔ اگر بڑھاپے کی وجہ سے کوئی ناگوار بات بھی کریں۔ تو اف تک نہ کرو۔ گستاخی سے پیش نہ آؤ۔ ان کو مت جھڑکو بلکہ اللہ تعالیٰ سے ان کی نسبت رحم کی دعا کرتے رہو۔ یہ عمر تو ان کی خدمت کرنے کی ہے خوش نصیب آدمی کا کام یہ ہے کہ وہ اس عمر میں ان کی طرف خاص توجہ کرے اور ان کی خدمت کرکے اللہ تعالیٰ کو راضی کرے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص بڑا بد نصیب ہے جس نے بوڑھے والدین کو پایا۔ لیکن ان کی خدمت کرکے جنت حاصل نہ کرسکا۔ لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ پروردگار بتا۔ تیرا سب سے پیارا بندہ کون ہے؟ موسیٰ کا خیال تھا کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کا راز و نیاز مجھ سے ہوتا ہے اس لئے میں ہی اللہ تعالیٰ کو زیادہ پیارا ہوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ موسیٰ! اس وقت مجھے سب سے پیارا ایک قصاب ہے جو تیرے شہر میں رہتا

ہے۔ موسیٰ حیرت میں پڑ گئے۔ حق تعالیٰ سے دریافت کیا۔ پھر اس پتہ کی مدد سے موسیٰ اس قصاب تک پہنچ گئے۔ موسیٰ کا خیال تھا کہ دیکھوں کہ اس قصاب میں کون سی ایسی خوبی ہے۔ جو اسے اللہ تعالیٰ کا مقرب بنا گئی ہے۔ غرض قصاب کے نزدیک جا کر موسیٰ اس کے اعمال و افعال کا بغور مطالعہ کرنے لگے۔ اس میں انہیں کوئی خاص بات نظر نہ آئی۔ کسی کو چھیچھڑے کسی کو ہڈیاں۔ غرض اسی طرح یہ کام ہوتا رہا۔ جب دکان بند کی اور گھر کو چلا تو موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے چلے اور اس کے گھر کو دیکھ لیا۔ رات ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام نے قصاب کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ قصاب باہر نکلا اس سے کہا کہ میں مسافر ہوں۔ اس شہر میں رات پڑ گئی ہے۔ آج کی رات میں آپ کا مہمان ہوں۔ قصاب قدرے تامل کے بعد موسیٰ کو اندر لے گیا۔ اور کمرہ کے ایک طرف اس کی رہائش کا بندوبست کر دیا۔ اب موسیٰ علیہ السلام اس کی حرکات و سکنات دیکھتے رہے۔ قصاب کی بیوی نے گوشت سے سالن تیار کیا۔ گرم گرم روٹیاں اور سالن لے کر قصاب اپنی بوڑھی اور ضعیف والدہ کے پاس لے گیا۔ اس کے ہاتھ دھلائے' کھانا کھلایا' پھر اس کو دبانے بیٹھ گیا۔ جب کافی وقت گزر گیا تو ماں نے کہا کہ بیٹا رات زیادہ ہو گئی ہے اب جا کر آرام کرو۔ قصاب نے کہا ماں! اب تو راضی ہے۔ کہنے لگی بیٹا! میں راضی ہوں۔ میرا رب بھی تم پر راضی ہو۔ فارغ ہونے کے بعد کھانا کھایا اور سو رہا۔ موسیٰ علیہ السلام یہ سارا معاملہ دیکھتے رہے اور دل میں کہا کہ واقعی قصاب کی یہی ایک خوبی ہے جو اسے اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ محبوب بنا سکتی ہے۔ تو دیکھو کہ کتنا بلند اور عظیم ہے رتبہ اس شخص کا جو والدین کی خدمت کرتا ہے۔

پس حق تو یہ ہے کہ انسان اپنے والدین کے احسانات کا بدلہ اس دنیا میں دے ہی نہیں سکتا گو ساری عمر ہی ان کی خدمت میں کیوں نہ گزر جائے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک شخص حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ بہت بوڑھے ہیں۔ میں ہر طرح ان کی خدمت کرتا ہوں۔ حتیٰ کہ بستر پر ہی ان کو کھلاتا پلاتا ہوں' رفع حاجت بھی وہیں کرتے ہیں۔ نئے کپڑے بدلواتا ہوں' بستر بھی خود صاف کرتا ہوں۔ بالکل اسی طرح جس طرح وہ مجھے بچپن میں پالتے تھے۔ کیا میں نے ان کی خدمت کا حق ادا کر دیا ہے۔ حضورؐ نے سن کر فیصلہ کن لہجہ میں فرمایا کہ تجھے پالتے وقت وہ تیری حیات کی تمنا کرتے تھے۔ اور آج تو ان کی موت کے انتظار میں

ہے۔ کہ کب مرتے ہیں اور میں چھٹکارا حاصل کرتا ہوں۔ بھلا حق کیسے ادا ہوا؟۔

پس دنیا میں انسان کے لئے سب سے زیادہ قیمتی وجود اس کے والدین ہیں۔ جو ہر وقت اس کی بہتری اور خیر و برکت کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں۔ دنیا میں ان سے زیادہ خیر خواہ۔ ان سے زیادہ ہمدرد۔ ان سے زیادہ ایثار اور قربانی کرنے والا اور کوئی نہیں۔ اولاد کی طرف سے اگر ان کو دکھ بھی ملیں تو بھی ان کی خیر خواہی میں کمی نہیں آتی۔ اپنے رب سے ان کی اصلاح اور بہتری کے لئے ہر وقت دست بدعا رہتے ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ ان کو دکھ میں پڑا ہوا دیکھ کر برداشت نہیں کر سکتے۔ ذرا اپنی بے چارگی' عجز اور بے بسی کا اظہار ان کے سامنے کر کے تو دیکھو کہ کس طرح ان کے دلوں میں شفقت اور محبت کا دریا جوش مارنے لگ جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ کونسا گناہ ہے جو ماں معاف نہیں کر سکتی۔ اور یہ صحیح ہے کہ ماں خدا کا جلوہ ہے' خدا کا پیار ہے' خدا کی خوشنودی ہے۔ اسے خوش رکھنا لازمی ہے۔ پس انسان کی سعادت اسی میں ہے کہ وہ اپنے والدین کی خدمت میں لگ جائے۔ اور جو کچھ اس سے کوتاہیاں ہو چکی ہیں ان کی تلافی کر کے اپنے رب کو راضی کرے کہ یہ ایک آسان راستہ اللہ تعالیٰ کی بخشش حاصل کرنے کا ہے۔

اسلام کا ایک تاکیدی حکم خدمت والدین

حضرت نبی کریم نے فرمایا کہ وہ شخص بڑا بد نصیب ہے جس نے بوڑھے والدین کو پایا لیکن ان کی خدمت کر کے جنت کو حاصل نہ کر سکا۔ ایک اور موقع پر فرمایا کہ جنت ماں کے پاؤں کے نیچے ہے۔ یعنی اس کی خدمت تجھے جنت میں لے جائے گی۔ ایک شخص آپ کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ ﷺ میں آپ سے ہجرت کی بیعت کرتا ہوں اور خدا کی راہ میں جہاد کی بیعت کرتا ہوں کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ میرا خدا مجھ سے راضی ہو جائے۔ آپ نے فرمایا تمہارے والدین زندہ ہیں؟ اس نے کہا دونوں زندہ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم چاہتے ہو کہ خدا تم سے راضی ہو جائے۔ اس نے کہا ہاں یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے فرمایا واپس جاؤ اور خوب خدمت کرو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد اس بارہ میں یہ ہے کہ وقضی ربک الا تعبدوا الا ایاہ و بالوالدین احسانا تیرے رب کا حکم ہے کہ اس کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو۔ دوسری جگہ فرمایا ان اشکرلی والوالدیک یعنی شکر کرو میرا اور اپنے والدین کا۔ گویا دوسرے لفظوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کے بعد والدین کی فرمانبرداری اور ان سے احسان کا ذکر فرمایا اور اپنے شکر کے ساتھ ماں باپ کے شکر کو ملا دیا۔ اگر غور کیا جائے تو ان احکامات سے والدین کی عظمت اور برتری کا پتہ چلتا ہے۔ پھر ساتھ ہی یہ فرمایا کہ ان سے ادب و احترام سے پیش آؤ۔ ان کے حکموں کی تعمیل کرو۔ جب وہ بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے سامنے اف تک نہ کہو۔ کوئی ایسی بات نہ کرو جو ان کو رنجیدہ کرنے والی ہو۔ گستاخی سے پیش نہ آؤ۔ ان کو مت جھڑکو خواہ ان سے کوئی ایسا فعل ہی سرزد کیوں نہ ہو جائے جو تم پر گراں گزرے۔ ان کو دھتکی نہ دو۔ تواضع اور انکسار سے پیش آؤ اور ان کی نسبت اپنے پروردگار سے دعا کرتے رہو کہ مولا کریم ان پر رحم فرما۔ جیسا کہ وہ بچپن میں مجھ پر رحم اور شفقت کرتے تھے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے خدمت والدین کے متعلق کس طرح کھول کھول کر اپنے

احکامات بیان کر دیئے ہیں تاکہ مومن بندہ یہ نہ کہہ سکے کہ یہ احکامات مجھ پر واضح نہ تھے۔ اس لئے ان کی تعمیل میں کوتاہی ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ کو والدین سے حسن سلوک کی تاکید کی ہے۔ پس جن وجودوں کے متعلق اللہ تعالیٰ خود تاکید کرے ان سے لاپرواہی کرنے والا کتنا بدنصیب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی نسبت یہ احکامات دے کر بس نہیں کی بلکہ اپنے پیغمبر کو بتایا کہ والدین کی رضا میں میری رضا اور ان کی ناراضگی میں میری ناراضگی پوشیدہ ہے۔ پس جو کوئی ان کو دکھ دے گا اس کا رب اس پر ناراض ہو جائے گا۔ اس لئے حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ دوسرے گناہوں کی سزا اگر چاہے قیامت پر اٹھا رکھے لیکن ماں باپ کو دکھ دینے والے کو سزا اسی دنیا میں ضرور دے دیتا ہے۔ اس میں تاخیر نہیں کی جاتی۔ پس کتنا خوش نصیب ہے وہ آدمی جو اپنے والدین کی خدمت میں لگا رہتا ہے۔

عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ بہت کم لوگ ہیں جو اپنے ماں باپ کی خدمت پوری طرح کرتے ہیں۔ جب کسی کی شادی ہو جاتی ہے اور بچے پیدا ہونا شروع ہو جاتے ہیں تو ایک ابتلاء میں آ جاتا ہے۔ اس کی ساری توجہ بیوی بچوں کی طرف ہو جاتی ہے۔ ماں باپ کی طرف توجہ کم ہو جاتی ہے۔ گھر میں بہو کا راج ہوتا ہے۔ والدین کے آرام کا خیال نہیں رکھا جاتا اور نہ ان کی ضروریات کو پورا کیا جاتا ہے۔ اگر بہو کی بے رخی اور بے اتفاقی کی شکایت بھی ہو تو شنوائی نہیں ہوتی بلکہ بہو کی ہربات کو درست تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ غرض بوڑھے والدین کی آخری عمر بے کسی اور کسمپرسی کی حالت میں گزرتی ہے۔ "نہ جائے رفتن نہ جائے ماندن" والا معاملہ ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر اس عمر میں ان سے حسن سلوک کی سفارش کی اور فرمایا کہ ان کی خدمت میں کوتاہی نہ کرو۔ اگر بڑھاپے کی وجہ سے کوئی ناگوار بات بھی کریں تو اف تک نہ کہو۔ اللہ تعالیٰ سے ان کی نسبت رحم کی دعا کرتے رہو۔ یہی عمر تو ان کی خدمت کرنے کی ہے۔ خوش نصیب آدمی کا کام یہ ہے کہ وہ اس عمر میں ان کی خاص توجہ کرے اور ان کی خدمت کر کے اللہ تعالیٰ کو راضی کرے۔

روایت ہے کہ حضرت علقمہ بیمار ہو گئے۔ کئی دن جان کندن کے عذاب میں مبتلاء تھے۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے دریافت فرمایا کہ علقمہ کہاں ہے۔ علالت کی خبر دی گئی اور ساتھ ہی جان کندن میں گرفتاری کی اطلاع ہوئی۔ حضورؐ نے اس کی ماں کو بلا بھیجا۔ وہ

آئیں۔ حضور ﷺ نے اس کے اخلاق کا حال دریافت کیا۔ کہنے لگیں شرع کا پابند تھا۔ نماز' روزہ' زکوٰۃ سب کچھ ٹھیک تھا۔ یہ کہنے کے بعد آبدیدہ ہو گئیں۔ حضورؐ نے فرمایا آپ کو ناراض رکھتا تھا۔ کہنے لگیں کہ اپنی بیوی کو خوش رکھنے کی خاطر اکثر میری مخالفت کرتا رہتا تھا۔ میں اسے ناپسند کرتی تھی۔ لیکن میری ناراضگی کی اس کو کچھ پرواہ نہ تھی۔ حالات کا علم ہو چکا تھا۔ حضور ﷺ نے اس کے متعلق سخت وعید کی خبر سنائی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا غضب اس کی ناک میں ہے۔ ماں سن کر رو پڑی۔ فرمایا کہ اگر ایک بات ہو تو معاملہ ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ یہ کہ آپ انہیں معاف کر دیں۔ تب جان کی رہائی ہو گی۔ کہنے لگیں میں نے بخش دیا۔ واپس گئی۔ حضور ﷺ بھی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ دیکھا علقمہ اپنی ماں سے معافی مانگ رہا ہے۔ ماں رو رہی ہے۔ دن پورے ہو چکے تھے۔ وفات ہو گئی۔ حضور ﷺ نے جنازہ پڑھایا اور دعا کی۔ پس یاد رکھو کہ والدین کی ناراضگی اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔

حق تو یہ ہے کہ انسان اپنے والدین کے احسانات کا بدلہ اس دنیا میں دے ہی نہیں سکتا اگرچہ ساری عمر ہی ان کی خدمت میں کیوں نہ گزاری جائے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک شخص حضرت رسول کریم ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہا یا رسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ بہت بوڑھے ہیں۔ میں ہر طرح ان کی خدمت کرتا ہوں۔ حتیٰ کہ بستر پر ہی ان کو کھلاتا پلاتا ہوں۔ رفع حاجت بھی کرتے ہیں۔ نئے کپڑے پہنواتا ہوں۔ بستر بھی خود صاف کرتا ہوں۔ بالکل اسی طرح جس طرح وہ مجھے بچپن میں پالتے تھے۔ کیا میں نے ان کی خدمت کا حق ادا کر دیا ہے۔ حضورؐ نے سن کر فیصلہ کن لہجہ میں فرمایا کہ تجھے پالتے وقت وہ تیری حیات کی تمنا کرتے تھے اور آج تو ان کی موت کی انتظار میں ہے کہ کب مرتے ہیں اور میں چھٹکارا حاصل کرتا ہوں۔ بھلا حق کیسے ادا ہوا۔

پس دنیا میں انسان کے لئے سب سے زیادہ قیمتی وجود اس کے والدین ہیں جو ہر وقت اس کی بہتری اور خیر و برکت کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں۔ دنیا میں ان سے زیادہ خیر خواہ' ان سے زیادہ ہمدرد' ان سے زیادہ ایثار اور قربانی کرنے والا اور کوئی نہیں۔ اولاد کی طرف سے اگر ان کو دکھ بھی ملیں تو بھی ان کی خیر خواہی میں کمی نہیں آتی۔ اپنے رب سے ان کی اصلاح اور بہتری کے لئے ہر وقت دست بدعا رہتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ ان کو دکھ میں پڑا ہوا دیکھ کر برداشت نہیں کر سکتے۔ ذرا اپنی بے چارگی' عجز اور بے بسی کا اظہار ان کے سامنے کر کے تو دیکھو کہ کس طرح ان

کے دلوں میں شفقت اور محبت کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ وہ کون سا گناہ ہے جو ماں معاف نہیں کر سکتی اور یہ صحیح ہے کہ ماں خدا کا جلوہ ہے۔ خدا کا پیار ہے۔ خدا کی خوشنودی ہے۔ پس وہ شخص یقیناً بڑا خوش نصیب ہے جسے والدین کی خدمت کے عوض ان سے پیار محبت اور دعائیں ملیں۔

انسان کا شرف خدا کی حمد اور مخلوق کی خدمت

خدائے رحمٰن کے اپنے بندوں پر اتنے احسانات ہیں کہ ہم ان کو شمار بھی نہیں کر سکتے اور جو کچھ بھی بندہ اس سے مانگتا ہے اسے مل جاتا ہے۔ فرمایا و اتاکم من کل ما سألتموہ (قرآن)۔ ماں باپ کی طرف اس کی پرورش اور نگرانی ہر وقت جاری رہتی ہے اور جو کچھ بھی اس کی روزانہ ضروریات ہیں اسے مل جاتی ہیں۔ وہ بھوکا اٹھاتا ہے بھوکا سلاتا نہیں۔ اس کی رحمت یہ الزام لینے کے لئے تیار نہیں کہ میرے بندے کو اپنی بقاء کے لئے کسی چیز کی ضرورت تھی اور وہ اسے نہ ملی۔ غرض عطاء اور بخشش میں اس نے کافر اور مومن کی تمیز نہیں رکھی بلکہ بعض صورتوں میں اس نے نافرمانوں کو مومنوں کی نسبت زیادہ دنیاوی انعامات دے رکھے ہیں۔ کسی نے سچ کہا ہے۔

عطا میں کافر و مومن کا امتیاز نہیں
ادائے خاص سے یہ فیض عام ہے تیرا

غرض مومن بندہ اگر اس محسن ذات کا شکر گزار نہیں تو وہ اس کی نظروں سے گر جاتا ہے۔ نہ خدا اسے پاک کرتا ہے نہ اپنے نیک بندوں میں شامل کرتا ہے۔ غرض اس سے پیار کرنے والے تو وہ ہوتے ہیں جو ہر حال میں راضی برضا رہتے ہیں۔ ان کی نظر مادی انعامات کی طرف نہیں منتہم ہوتی۔ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی انہی کے متعلق کہا گیا ہے۔ خدا ان سے راضی اور وہ اپنے رب سے راضی رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ۔ لیکن انسان اکثر اوقات ناشکرا بن جاتا ہے۔ اسے خدا کے احسانات اور انعامات دکھائی نہیں دیتے۔ وہ اہل نعمت کو دیکھتا ہے۔ اپنے سے کمتر درجہ والوں کو نہیں دیکھتا۔ وہ دیکھتا ہے کہ دنیا دار بڑے عیش اور ٹھاٹھ سے زندگی گزار رہے ہیں۔ ان کے پاس دنیاوی سامانوں کی کثرت ہے۔ مال و دولت کی ریل پیل ہے۔ رہنے کے لئے آرام دہ کوٹھیاں اور سواری کے لئے کاریں اور کھانے پینے کے لئے انواع و اقسام کے کھانے اور مشروب غرض وہ یہ دیکھ کر ہی اپنی قسمت کو کوستا ہے کہ میں اس سلسلہ میں

بد نصیب ہوں۔ دن رات کام اور محنت ' آمد قلیل ' پھر خوراک بھی معمولی اور سادہ۔ رہنے کو مکان نہیں یا کرایہ کا مکان۔ غرض اس پر ناشکری کا جذبہ غالب رہتا ہے لیکن محسن کائنات حضرت رسول کریم ﷺ نے اپنی امت کو نصیحت فرمائی ہے کہ دنیاوی معاملات میں تم اپنے سے نیچے والے کو دیکھو پھر تمہیں اللہ تعالیٰ کے انعامات کا پتہ لگے گا کہ تم پر کیا کیا اور کیسے کیسے انعامات ہیں۔ تیرا رواں رواں احسانات کے نیچے دبا ہوا ہے۔ بیمار کو دیکھے گا اور اس کی بے بسی کو نوٹ کرے گا۔ تو کہے گا کہ خدایا تیرا شکر ہے تو نے مجھے صحت کی دولت سے مالا مال کیا ہے۔ کسی نابینا کو دیکھے گا تو اپنی آنکھوں کی قدر کرے گا کہ میں دنیا کو دیکھ رہا ہوں۔ کسی کو نادار اور مفلس دیکھے گا تو اپنے ذرائع معاش کی قدر کرے گا۔ کسی کو بے گھر بے اولاد اور اپاہج دیکھے گا تو اپنے حال پر شکر کرے گا کہ خدا نے ان مصائب سے محفوظ رکھا ہے۔ غرض اس طرح اس کا جذبہ شکر اور سپاس گزاری بیدار ہو گا اور اپنے رب کے احسانوں کو دیکھ کر اور محسوس کر کے اس کا شکر کرے گا۔ تو دیکھو حضور کی نصیحت میں کتنی حکمت پوشیدہ ہے۔ اگر یہ نصیحت ہر وقت مدنظر رہے تو انسان کا دل شاکر اور زبان ذاکر رہے اور وہ خدا کو اپنے سامنے موجود پائے۔

حضرت مصلح موعودؓ نے تفسیر کبیر جلد پنجم حصہ دوم میں ذکر کیا ہے کہ:۔

"حضرت مصلح مولوی نورالدین سنایا کرتے تھے کہ ایک بڑھیا تھی جو بڑی نیک اور عبادت گزار تھی۔ میں نے ایک دفعہ اس سے کہا کہ مائی مجھے کوئی خدمت بتاؤ۔ میں چاہتا ہوں کہ اگر تمہاری کوئی خواہش ہو تو اس کو پورا کر کے ثواب حاصل کروں۔ وہ کہنے لگی کہ اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ میں نے پھر اصرار کیا اور کہا کہ کچھ تو بتاؤ۔ میری بڑی خواہش ہے کہ میں تمہاری خدمت کروں۔ وہ کہنے لگی نورالدین! مجھے اور کیا چاہئے۔ کھانے کے لئے روٹی اور اوڑھنے کے لئے لحاف کی ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے دو روٹیاں بھجوا دیتا ہے۔ ایک میں کھا لیتی ہوں ایک میرا بیٹا کھا لیتا ہے اور ایک لحاف میرے پاس موجود ہے جس میں ہم دونوں ماں بیٹا سو رہتے ہیں۔ جب میں ایک پہلو پر سوئے ہوئے تھک جاتی ہوں تو کہتی ہوں کہ بیٹا اپنا پہلو بدل لے اور میں دوسرے پہلو پر لیٹ جاتی ہوں۔ اس کا ایک پہلو تھک جاتا ہے تو وہ مجھے کہتا ہے اور میں اپنا پہلو بدل لیتی ہوں۔ بس بڑے مزے سے عمر بسر ہو رہی ہے اور کسی چیز کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے پھر

آئیں۔ حضور ﷺ نے اس کے اخلاق کا حال دریافت کیا۔ کہنے لگیں شرع کا پابند تھا۔ نماز' روزہ' زکوٰۃ سب کچھ ٹھیک تھا۔ یہ کہنے کے بعد آبدیدہ ہوگئیں۔ حضورؐ نے فرمایا آپ کو ناراض رکھتا تھا۔ کہنے لگیں کہ اپنی بیوی کو خوش رکھنے کی خاطر اکثر میری مخالفت کرتا رہتا تھا۔ میں اسے ناپسند کرتی تھی۔ لیکن میری ناراضگی کی اس کو کچھ پرواہ نہ تھی۔ حالات کا علم ہوچکا تھا۔ حضور ﷺ نے اس کے متعلق سخت وعید کی خبر سنائی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا غضب اس کی ناک میں ہے۔ ماں سن کر رو پڑی۔ فرمایا کہ اگر ایک بات ہو تو معاملہ ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ یہ کہ آپ انہیں معاف کردیں۔ تب جان کی رہائی ہوگی۔ کہنے لگیں میں نے بخش دیا۔ واپس گئی۔ حضور ﷺ بھی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ دیکھا علقمہ اپنی ماں سے معافی مانگ رہا ہے۔ ماں رو رہی ہے۔ دن پورے ہو چکے تھے۔ وفات ہوگئی۔ حضور ﷺ نے جنازہ پڑھایا اور دعا کی۔ پس یاد رکھو کہ والدین کی ناراضگی اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔

حق تو یہ ہے کہ انسان اپنے والدین کے احسانات کا بدلہ اس دنیا میں دے ہی نہیں سکتا اگرچہ ساری عمر ہی ان کی خدمت میں کیوں نہ گزاری جائے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک شخص حضرت رسول کریم ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہا یا رسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ بہت بوڑھے ہیں۔ میں ہر طرح ان کی خدمت کرتا ہوں۔ حتیٰ کہ بستر پر ہی ان کو کھلاتا پلاتا ہوں۔ رفع حاجت بھی کرتے ہیں۔ نئے کپڑے پہنواتا ہوں۔ بستر بھی خود صاف کرتا ہوں۔ بالکل اسی طرح جس طرح وہ مجھے بچپن میں پالتے تھے۔ کیا میں نے ان کی خدمت کا حق ادا کردیا ہے۔ حضورؐ نے سن کر فیصلہ کن لہجہ میں فرمایا کہ تجھے پالتے وقت وہ تیری حیات کی تمنا کرتے تھے اور آج تو ان کی موت کی انتظار میں ہے کہ کب مرتے ہیں اور میں چھٹکارا حاصل کرتا ہوں۔ بھلا حق کیسے ادا ہوا۔

پس دنیا میں انسان کے لئے سب سے زیادہ قیمتی وجود اس کے والدین ہیں جو ہر وقت اس کی بہتری اور خیر و برکت کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں۔ دنیا میں ان سے زیادہ خیر خواہ' ان سے زیادہ ہمدرد' ان سے زیادہ ایثار اور قربانی کرنے والا اور کوئی نہیں۔ اولاد کی طرف سے اگر ان کو دکھ بھی ملیں تو بھی ان کی خیر خواہی میں کمی نہیں آتی۔ اپنے رب سے ان کی اصلاح اور بہتری کے لئے ہر وقت دست بدعا رہتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ ان کو دکھ میں پڑا ہوا دیکھ کر برداشت نہیں کر سکتے۔ ذرا اپنی بے چارگی' عجز اور بے بسی کا اظہار ان کے سامنے کرکے تو دیکھو کہ کس طرح لمحہ

کے دلوں میں شفقت اور محبت کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ وہ کون سا گناہ ہے جو ماں معاف نہیں کر سکتی اور یہ صحیح ہے کہ ماں خدا کا جلوہ ہے۔ خدا کا پیار ہے۔ خدا کی خوشنودی ہے۔ پس وہ شخص یقیناً بڑا خوش نصیب ہے جسے والدین کی خدمت کے عوض ان سے پیار محبت اور دعائیں ملیں۔

اصرار کیا تو کہنے لگی اچھا اگر تم بہت ہی اصرار کرتے ہو تو مجھے ایک موٹے حرفوں والا قرآن مجید لادو۔ میری نظر اب کمزور ہو گئی ہے اور باریک حرف اب نظر نہیں آتے۔ موٹے حرفوں کا قرآن مجید مل جائے تو میں آسانی سے قرآن پڑھ سکوں گی۔ اب ایک طرف اس بڑھیا کی حالت کو دیکھو اور دوسری طرف اس امر کو سوچو کہ اب اگر کوئی چار سو روپیہ ماہوار کماتا ہے تو وہ بھی بے چین ہے۔ پانچ سو روپیہ کماتا ہے تو وہ بھی بے چین، دو ہزار روپیہ کماتا ہے تو وہ بھی بے چین ہے۔ حالانکہ مال حاصل کرنا اصل مقصود نہیں بلکہ اصل مقصود راحت اور چین ہوتا ہے۔ اگر یہی حاصل نہ ہو تو روپیہ لے کر کسی نے کیا کرنا ہے؟ لیکن اگر انسان اپنے دل میں شکر گزاری کا جذبہ پیدا کرلے تو اسے عالم کا ذرہ ذرہ اپنا محسن دکھائی دیتا ہے اور چونکہ عالم کا ذرہ ذرہ خدا تعالیٰ کے احسانوں کے نیچے ہے اس لئے اسے خدا ہی اپنا محسن حقیقی نظر آتا ہے"۔ (صفحہ ۲۰۷، ۲۰۸)

لیکن اس کے برخلاف مغربی تہذیب نے جس کی بنیاد کفر اور الحاد پر ہے دنیا کو ایک نعرہ دیا ہے کہ اپنا معیار زندگی بڑھاؤ۔ بظاہر یہ نہایت ہی خوبصورت اور پرکشش نعرہ ہے اور کون نہیں چاہتا کہ اس کا معیار زندگی بلند نہ ہو لیکن اسی نعرہ نے ساری دنیا کو گمراہ کر دیا ہے اور اسی کی وجہ سے دنیا تباہی کے کنارے پہنچ گئی ہے۔ انسان کو تو چاہئے تھا کہ وہ انسانیت کا معیار بلند کرتا۔ خلق خدا کی خدمت کرتا۔ ایثار کرتا اور لوگوں کے کام آتا کہ اسی میں اس کا شرف ہے۔ مگر وہ دنیاوی معیار زندگی بلند کرنے کی فکر میں ہے اور اسی فکر اور احساس محرومی میں اس کا معیار انسانیت پست ہو گیا ہے۔ وہ اپنے آپ کو مفلوک الحال اور بدنصیب خیال کرتا ہے اور اسی خیال نے اسے لالچی حریص اور حاسد بنا دیا ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ دنیا کے اکثر لوگ ٹھاٹھ سے زندگی گزار رہے ہیں میں کیوں محروم رہوں۔ پس اس خیال کی تکمیل کے لئے وہ ہر جائز و ناجائز وسائل اختیار کرتا ہے اور اسی میں الجھ کر رہ گیا ہے۔ انسانیت اس کے سامنے کوئی چیز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں ڈاکے، چور بازاری، ذخیرہ اندوزی، سمگلنگ اور لوٹ کھسوٹ کے واقعات بڑھ گئے ہیں۔ خوف خدا اور ایمان دلوں سے نکل گیا ہے۔ انسان اپنی حالت پر مطمئن نہیں اور اپنے حال پر شاکر نہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مصلحتوں کی وجہ سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور یہ نظام قیامت تک رہے گا اس کے بغیر دنیا کا کام نہیں چل سکتا۔ خدا نے جس کسی کو جس حال میں

دکھا ہے اس پر اسے راضی رہنا چاہئے۔ عبودیت کا دوسرا نام تسلیم و رضا ہے اور جو کچھ ازل سے اس کی قسمت میں لکھ دیا ہے وہ مل کر رہے گا و فی السماء رزقکم و ما توعدون (الذاریات) نئی کوششیں بے کار ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی نہ ہو تو کچھ بھی نہیں ملتا بلکہ ملی ہوئی دولت بھی چھن جاتی ہے۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا سلوک ہر ایک سے یکساں ہے۔ کسی کے ساتھ اس نے زیادتی نہیں کی۔ جس کو جس کے قابل سمجھا اسی کے مطابق اس سے معاملہ کیا لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا بالکل صحیح ہے۔ باقی سب فریب نفس اور فریب نظر ہے۔ دنیا تو محض کھیل کود اور تماشا ہے۔ کھیل میں ہر ایک کو اس کی حیثیت کے مطابق کردار دیا جاتا ہے۔ ان میں کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اسے بادشاہ کا ہی کردار ملے۔ یہی حال دنیا کا ہے۔ جس کسی کو جس کے مطابق سمجھا اسی کے مطابق اس سے معاملہ کیا۔ یہاں تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ انسان اپنے ماحول میں رہ کر کتنی خدمت خلق کرتا ہے اور کتنے فرائض انجام دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں خدمت خلق کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

پردہ کے متعلق قرآنی احکام

اور ان کی حکمتیں

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کر کے اسے حسب حال صلاحیتیں بھی بخشی ہیں۔ بحیثیت انسان عورت اور مرد ایک ہی نوع سے تعلق رکھتے ہیں لیکن دونوں کا دائرہ کار جدا جدا ہیں۔ دونوں کے لئے احکامات بھی جدا جدا ہے۔ مرد کو سخت جان (یعنی قوام) بنایا کہ وہ روزی کمانے اور دنیا کا کاروبار سنبھالنے کا کام کرے۔ اور عورت کو صنف نازک بنا کر اس میں لطیف کام کرنے کی صلاحیت رکھ دی۔ غرض ہر ایک کی صلاحیتیں الگ الگ اور قویٰ بھی الگ الگ ہیں۔ جس طرح ظاہری بناوٹ میں فرق ہے اسی طرح ان کی فطرت اور صفات میں بھی فرق رکھ دیا ہے۔ چونکہ عورت کمزور ہے اس لئے اس کی حفاظت مرد کے ذمہ لگا دی ہے اور خود عورت کو بھی پردہ کا حکم دے کر اس کے لئے خود حفاظتی کا سامان مہیا کر دیا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا حکم پردہ کے متعلق ان الفاظ میں آیا ہے:

یاایھا النبی قل لا زواجک و بناتک ونساء المومنین یدنین علیھن من جلابیبھن۔ ذلک ادنی ان یعرفن فلا یوذین۔ وکان اللہ غفورا رحیما ٥

"اے پیغمبر! اپنی بیویوں' لڑکیوں اور مسلمان عورتوں کو کہہ دے کہ وہ پردہ کی غرض سے اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا دیں تا وہ پہچانی جائیں کہ وہ شریف مسلمان عورتیں ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ بدکردار لوگوں کی ایذاء سے محفوظ رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے"۔

یعنی یہ حکم اس نے محض اپنی بخشش اور رحمت کے تقاضا سے دیا ہے۔ تاکہ عورتیں امن اور عافیت کی زندگی بسر کرکے اپنے دائرۂ کار میں ترقی کر سکیں۔

یہ حکم دے کر اللہ تعالیٰ نے عورت کی ذات پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ وہی اس کی فطرت کو جانتا ہے کہ دنیا میں وہ کس طریق پر ایک کار آمد اور صالح زندگی گزار سکے گی۔ پھر پردہ کی حکمت کو ان الفاظ سے ظاہر فرمایا :۔

"فیطمع الذی فی قلبہ مرض"

کہ برا آدمی جس کے دل میں بدی کا مرض ہے وہ طمع نہ کرے۔ کیونکہ جس کی نیت خراب ہوگی وہ طمع کرکے بدنظری سے ایک قسم کا حملہ کرے گا۔ اور یہی بدنظری ایذاء دہی ہے۔ چونکہ عورت مرد سے کمزور واقع ہوئی ہے اس لئے جب ایک مرد کی ایک عورت سے جنگ ہو تو عموماً مرد ہی غالب آیا کرتا ہے۔ پس کمزور جنس کو بدارادہ آدمی کی ایذاء سے بچنے کے لئے پردہ کا حکم دیا۔ تاکہ مفسد آدمی نہ اسے دیکھے نہ ایذاء پہنچائے۔

جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک جاندار کو خود حفاظتی کا سامان بخشا ہے۔ عورت چونکہ کمزور ہے اس لئے اسے پردہ کا حکم دیا تاکہ وہ بدفطرت آدمی کی ایذاء سے بچ سکے۔ پس پردہ عورت کی ذات پر ظلم نہیں بلکہ احسان ہے جو خالق کائنات نے اس پر کیا ہے۔ اگر وہ اس احسان کی قدر نہیں کرتی تو یہ اس کی سمجھ کا قصور ہے اور ناشکرے پن کا اظہار ہے۔

دوسرا حکم اس سلسلہ میں یہ ہے کہ عورتیں غض بصر کریں۔ فرمایا :۔

"یغضضن من ابصارھن"

یعنی ملاقات کے وقت نظریں نیچی رکھا کریں خواہ چادر ہو یا برقعہ ہو تاکہ نامحرم پر نظر نہ پڑے۔ صرف یہی خیال نہ ہو کہ ہمارا تو برقعہ ہے لوگ نہیں دیکھتے۔ بے شک لوگ نہیں دیکھتے مگر خدا تو دیکھتا ہے کہ تمہاری نظریں نامحرم پر پڑتی ہیں۔ پردہ اس لئے نہیں ہے کہ غیر نہ دیکھے بلکہ اس لئے بھی ہے کہ غیر کو نہ دیکھو۔

ایک دفعہ ایک نابینا صحابی حضور ﷺ کے گھر آیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ عائشہ! پردہ کرو۔ پردہ کرو۔ کہنے لگیں حضور ﷺ یہ تو نابینا ہے۔ فرمایا۔ یہ نابینا ہے تم تو نابینا نہیں ہو' تم تو دیکھ سکتی ہو۔ پس پردہ کے ساتھ غض بصر بھی ضروری ہے۔ ورنہ پردہ کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔

ایک اور حکم اس ضمن میں یہ دیا کہ عورتیں اپنی زینت نامحرم پر ظاہر نہ کریں۔ ولا یبدین زینتھن یعنی جب باہر نکلنا پڑے تو پردہ کے ساتھ زینت کا سامان بھی نہ ہو۔ یعنی خوشبو لگا کر نہ چلیں اور نہ آواز دینے والے زیور ہوں اور نہ مزین جوتا ہو اور نہ مزین برقعہ۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ مفسد آدمی نہ پہچان سکے اور نہ اس کے دل میں بدی کا خیال پیدا ہو سکے۔
پس اس کریم ذات کا کتنا بڑا احسان ہے کہ حکم کے ساتھ ساتھ اس کی افادیت بھی ظاہر کر دی۔

بعض مکتبہ خیال کے لوگوں کی طرف سے اس کی تشریح یوں بھی کی جاتی ہے کہ عورت اپنے جسم کا وہ حصہ چھپائے جو زینت والا ہو۔ اس حصہ میں وہ لوگ چہرہ کو شامل نہیں کرتے۔ مگر جاننا چاہئے کہ یہ خیال دھوکہ اور فریب سے کم نہیں۔ حسن کا اصلی مقام تو چہرہ ہے۔ انسان جسے جمالیاتی ذوق دیا گیا ہے' چہرہ ہی سے کسی کے حسن کا علم حاصل کرتا ہے اور اس سے رغبت کرتا ہے۔ اگر چہرہ شامل نہیں تو پردہ کا حکم عبث ہے اور بے مقصد ہے۔ جو چیز وجہ فساد ہے اسے تو چھوڑ دیا جاتا ہے تو پھر فساد کیسے روکا جا سکتا ہے۔ یہ توجیہہ نفس اور شیطان کی طرف سے دھوکہ کے طور پر ہے۔ "الا ما ظھر منھا" کا مطلب تو یہ ہے کہ جو زینت خود بخود بلا کسی عذر کے ظاہر ہو معاف ہے۔ لیکن حیلہ سے بالارادہ زینت کا ظاہر کرنا منع ہے۔ پہلی نظر جو نامحرم پر خود بخود بلا ارادہ پڑے وہ معاف ہے مگر بالارادہ دوسری نظر منع ہے۔

آیئے اب ہم جائزہ لیں کہ اس قرآنی حکم کی جو سراسر احسان اور رحمت کے طور پر ہے۔ کس طرح تعمیل کی جاتی ہے اس میں شک نہیں کہ پردہ کا مطلب تو ستر پوشی ہے مگر آج کل جو برقعہ استعمال کیا جاتا ہے وہ بذات خود زینت ہے۔ بھڑکیلا اور چمکدار کپڑا۔ کشیدہ کاری سے مزین اور اس کی چست وضع اور تراش اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ ستر پوشی کے لئے کم اور زینت کے لئے زیادہ ہے۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ عورت فطرتاً زینت کو زیادہ پسند کرتی ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ زینت کا مظاہرہ بازاروں میں اور نامحرم لوگوں کے سامنے کرے اور اپنے آپ کو بدارادہ اور مفسد لوگوں کی نظروں کا مرکز بنا لے۔ عورت کی توجہ کا مرکز تو اس کا خاوند ہونا چاہئے لہٰذا اس کی زینت بھی اسی کے لئے وقف ہے۔

اس امر سے کسی کو انکار نہیں کہ مغربی تہذیب کے اثر سے ہمارے ملک میں بے پردگی کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ بعض عورتیں اپنی فطرت سے بغاوت کر رہی ہیں۔ وہ گھریلو زندگی کی بجائے

شمع محفل بننا زیادہ پسند کرتی ہیں۔ جہاں شیطان پورے لاؤ لشکر کے ساتھ کارفرما ہے۔ ستم یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو مظلوم نہیں سمجھتیں۔ کیونکہ ترقی' تہذیب اور مساوات کے دبیز پردے ان کی آنکھوں اور دل و دماغ پر پڑے ہوئے ہیں۔ وہ گھر سے باہر کی زندگی کو قابل رشک سمجھ رہی ہیں۔ مگر انہیں معلوم نہیں کہ اس آزادی اور بے پردگی میں ان کی عزت اور عصمت غارت ہو کر رہ گئی ہے۔

یاد رکھیے عورت کا اصلی جوہر شرم و حیا ہے۔ بزرگوں کا مقولہ ہے کہ حجاب اور حیاء عورت کا حسن ہے۔ اگر وہ حجاب و حیاء کو چھوڑ دیتی ہے تو اسے عورت کہلانے کا کوئی حق نہیں۔ اس کی آنکھوں میں شرم و حیاء کی جھلک ہونی چاہئے۔ حسن کی عزت اسی میں ہے کہ وہ پردہ میں رہے۔ مگر اب تو یہ حال ہے کہ بعض عورتیں کہتی ہیں کہ پردہ تو دل کا ہے' اور جب پردہ دل کا ہے تو جسم پر پابندی کس لئے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک مسلمان خدا تعالیٰ کے احکام کی اس قدر بے حرمتی کیسے برداشت کرلیتا ہے۔ اور پھر عذر تراشنے لگ جاتا ہے۔

وكان الانسان اكثر شيء جدلا۔

ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ پردے کی وجہ سے عورت ترقی نہیں کر سکتی۔ یہ بات سراسر نفس کی شرارت پر مبنی ہے۔ عورت کا دائرہ کار تو اس کا گھر ہے اور بچوں کی پرورش اور تربیت ہے اور اسی کام کی صلاحیتیں اس میں رکھی گئی ہیں۔ دیکھنا چاہئے کہ بے پردہ پھرنے والی عورت مختلف النوع مصروفیتوں کی وجہ سے یہ ذمہ داری کس طرح ادا کر سکتی ہے۔ علم حاصل کرنا یا ملازمت کرنا منع نہیں۔ لیکن اگر اس کی راہ میں پردہ اور اس کے تقاضے محفوظ نہیں رہتے تو دین کی رو سے یہ ناجائز ہے۔ ہر چھوٹی چیز کو بڑی چیز پر قربان کر دینا عین انصاف ہے۔ ایک عارضی اور مادی فائدے کے لئے اپنی عزت اور عصمت کو خطرہ میں ڈال دینا کہاں کی دانشمندی ہے۔ ایک حیلہ جو انسان اپنے لئے بے شک وجہ جواز بنا سکتا ہے مگر یاد رہے کہ خدا تعالیٰ کے سامنے حیلہ اور بہانہ سے کام نہیں نکل سکتا۔

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک عورت نے پوچھا کہ حضور ﷺ مردوں کو تو اللہ تعالیٰ نے دین کے کام کرنے کے بہت سے مواقع فراہم کر دیئے ہیں حتیٰ کہ جہاد جیسے متبرک اور بلند کام میں شامل ہو سکتے ہیں لیکن ہم عورتوں کو گھریلو زندگی کی وجہ سے یہ مواقع میسر نہیں ہم کیا

کریں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو عورت اپنے گھر کا کام خود کرتی ہے اور اپنے بچوں کی پرورش اور تربیت کرتی ہے وہ جہاد کر رہی ہے اسے جہاد جتنا ثواب ملے گا۔ گویا اسلام نے عورتوں کے لئے گھرداری کے کام کو جہاد جیسا مقام بخش کر عورت کے جذبات کی قدر کی ہے۔ اب اگر وہ جہاد کے نیک کام کو چھوڑ کر اور بے پردہ ہو کر دوسرے کاموں میں الجھ جاتی ہے تو یہ اس کا اپنا قصور ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"عورتیں یہ نہ سمجھیں کہ ان پر کسی قسم کا ظلم کیا گیا ہے۔ کیونکہ مرد پر بھی اس کے بہت سے حقوق رکھے گئے ہیں بلکہ عورتوں کو گویا بالکل کرسی پر بٹھا دیا ہے اور مرد کو کہا ہے کہ ان کی خبر گیری کر۔ اس کا تمام کپڑا، کھانا اور تمام ضروریات مرد کے ذمہ ہیں۔"

ایک دوسرے موقعہ پر فرمایا کہ :-

"مساوات کا بہانہ کیا جاتا ہے۔ اسلام نے کب منع کیا ہے کہ وہ نیکی میں مشابہت نہ کریں۔ اسلام تو آزادی سلب نہیں کرتا۔ شہوات کی جڑ کاٹتا ہے۔ یورپ میں دیکھو کیا ہو رہا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کتوں اور کتیوں کی طرح زنا ہوتا ہے اور شراب کی اس قدر کثرت ہے کہ تین میل تک دکانیں چلی گئی ہیں۔ کیا یہ پردہ داری کا نتیجہ ہے یا پردہ دری کا؟"

حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں اس وقت فسق و فجور کا جو زور ہے اس کی وجہ عورت کی بے پردگی بھی ہے عورت اور مرد کا آزادانہ اختلاط حد درجہ خطرناک ہے اسی سے برائیاں جنم لیتی ہیں۔ اور یہ سچ ہے کہ انسان دنیا کی ہر چیز پر غالب آ گیا ہے مگر نفس پر غالب نہیں آسکا۔

نفس امارہ کی وجہ سے انسان بدیوں کی طرف جھکا پڑتا ہے۔ نفس اور شیطان نے مل کر دنیا میں وہ بدیاں پھیلائی ہیں جن سے انسانیت شرمندہ ہے۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ اگر مرد اور عورت کو اپنے حدود کے اندر نہ رکھا جائے تو فسق و فجور کا سیلاب آجائے۔

اگر عورت پردہ میں رہے اور غض بصر بھی کرے تو ممکن ہی نہیں کہ مرد کی بد نظری کا شکار ہو سکے۔

پھر نفس امارہ کا مشیر شیطان ہے۔ وہ ایسے طریق بتا دیتا ہے جن سے مرد کے لئے اپنے ذوق کی تسکین کے لئے راہیں کھلتی چلی جاتی ہیں۔ پس خیال تو کرو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عورت کو پردہ کا حکم دینا کتنا مفید اور خیر و برکت کا موجب ہے۔ جس کے باعث وہ بدکردار اور مفسد شخص کی

بدنظری سے محفوظ رہ کر اپنی آبرو بچالیتی ہے۔

یورپ اور امریکہ میں جہاں پردہ کا رواج نہیں جنسی بے راہ روی کے نتائج بڑے ہولناک ظاہر ہوئے ہیں۔ افسوس کا مقام یہ ہے کہ مغربی تہذیب کا اثر ہمارے ملک پر بھی ہے۔ اب پردہ کو غیر ضروری سمجھ کر اس پر مذاق اڑایا جاتا ہے۔ اور زیادہ افسوس تو اس امر پر ہے کہ پردہ پر مذاق اڑانے والے غیر مسلم نہیں' خود مسلمان ہیں۔ یہ کتنی بڑی جسارت ہے کہ ایک شخص مسلمان بھی کہلائے' قرآن کو سرچشمہ ہدایت بھی مانے اور پھر اللہ تعالیٰ کے اس واضح حکم پر اپنی زبان دراز کرے اور گستاخ بن جائے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے احکامات کی توہین ایک مسلمان کی زبان سے سننا برداشت نہیں کرتا۔ ارشاد ربانی ہے :۔

"ومن یکفر بالایمان فقد حبط عملہ وھو فی الاخرۃ من الخسرین"

یعنی جس نے قرآن پر ایمان لانے کے بعد اپنے ذوق کے مطابق کسی حکم کا انکار کیا یا غیر ضروری سمجھا تو ایسے شخص کے اعمال سلب کر دیئے جاتے ہیں اور آخرت میں بھی وہ خسارہ پانے والوں میں ہوگا۔

کیونکہ بے ادبی کی یہی سزا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش سب کے لئے ہے مگر بے ادب اور گستاخ کے لئے نہیں۔ یاد رکھو کہ ایک ذرا سی بے ادبی انسان کے سب کئے کرائے پر پانی پھیر دیتی ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کے غضب کا مورد بنا دیتی ہے۔

پھر یہ بات دیکھ کر اور بھی حیرت ہوتی ہے کہ بعض کالجوں میں یہ مذاکرات ہوتے ہیں کہ "پردہ عورت کی ترقی کی راہ میں حائل ہے" مگر مومن کا یہ کام نہیں کہ قرآن کے اس واضح حکم کے آگے جو ہمارے لئے حرف آخر ہے اور فطرت کے عین مطابق ہے اپنی زبان کھولے۔ اگر اس کی حکمت اسے سمجھ میں نہیں آتی تو نہ سہی مگر اس حکم کو موضوع بحث بنانا اور اس پر تنقید کرنا ایک قسم کا استہزاء اور تمسخر ہے جو اللہ تعالیٰ کے غضب کو بھڑکانے والا ہے۔ ایک مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ مومن بھی بنے اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر اعتراض بھی کرے۔ یہ حکم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مقدس سے بیان ہوا ہے اور اس پر حضور ﷺ کا اسوہ بھی مستزاد ہے ایک مسلمان مرد اور عورت کے لئے کافی ہے کہ وہ اس پر یقین کرلے اور اپنی زبان دراز نہ

کرے۔

حدیث میں ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا بیٹا۔ بچپن میں فوت ہو گیا۔ بچے کے غم میں پریشان رہنے لگیں۔ حضور ؐ نے آپ ؓ کا پژمردہ چہرہ دیکھ کر فرمایا خدیجہ! کیا تو اس بات پر خوش نہیں کہ تیرا بیٹا بہت ہی اچھے مقام پر چلا گیا ہے۔ جنت میں حوریں اسے کھلاتی پلاتی ہیں' حوریں لوریاں دیتی ہیں۔ اس عالم ناسوت کی چند روزہ زندگی کے عوض اللہ تعالیٰ نے اسے جنت کی ابدی زندگی عطا کر دی ہے۔ اس کے باوجود اگر تو چاہے تو میں دعا کروں کہ اللہ تعالیٰ تجھے جنت میں تیرے بچے کا مقام دکھا دے۔ تو اسے اپنی آنکھوں سے جنت میں راحت اور آرام کی زندگی گزارتا دیکھ لے۔ یہ سن کر ام المومنین ؓ نے فرمایا کہ "حضور ﷺ! مجھے اعتبار آ گیا' یقین ہو گیا۔ پاس والوں نے سوال کیا کہ کیوں نہ جنت دنیا میں دیکھ لیتیں؟ کہنے لگیں کہ اس طرح مجھے اپنی آنکھوں پر یقین ہوتا۔ حضور ؐ کی بات پر یقین نہ ہوتا۔

پس اصل ایمان ہی اسی کا نام ہے کہ جو بات زبان مقدس سے نکلے اس پر یقین ہو جائے۔

مومن کی شان ہی یہی ہے کہ پروردگار عالم کے احکام کو حضور ؐ کی زبان سے سن کر سچا یقین کر لے۔ اسی میں اس کی فلاح ہے۔ اسلام لانے کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے احکام کے آگے سر تسلیم خم کر دے اور اطاعت محبت کے رنگ میں کرے۔ بہانہ جو نہ بنے۔ اگر اطاعت خلوص اور محبت سے خالی ہے تو وہ مردود ہے' قابل پذیرائی نہیں کیونکہ محبت کی دنیا میں چون و چرا کی گنجائش نہیں۔ مگر بعض لوگوں نے اس حکم کی اہمیت کو جو سراسر رحمت کے تقاضا سے دیا گیا ہے نہیں سمجھا اور وہ مغربیت کے زیر اثر اس کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ وہ لوگ نافرمانی کے بدنتائج سے نہیں بچ سکتے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے پردہ کے متعلق خطبات دوستوں نے پڑھے ہوں گے۔ عورتوں کی بے پردگی کے متعلق جب بات آئی تو حضور سخت ناراضگی کا اظہار کرتے اور فرماتے کہ...... وہ بزدل اور بے غیرت لوگ جو اپنی عورتوں سے پردہ نہیں کراتے یا ان کو سکنڈ پارٹیوں میں لے جاتے ہیں ان سے احمدیوں کو بالکل قطع تعلق کر لینا چاہیے۔

آخر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک تقریر کا اقتباس دیکر اس مضمون کو ختم کرتا ہوں حضور پردہ کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"یہ زمانہ ایسا نازک زمانہ ہے کہ اگر کسی زمانہ میں پردہ کی رسم نہ ہوتی تو اس زمانہ میں ضرور ہونی چاہئے تھی۔ کیونکہ یہ کلجگ ہے اور زمین پر فسق و فجور اور شراب خوری کا زور ہے اور دلوں پر دہریہ پن کے خیالات پھیل رہے ہیں اور خداتعالیٰ کے احکام کی دلوں سے عظمت اٹھ گئی ہے۔ زبانوں پر سب کچھ ہے اور لیکچر بھی فلسفہ اور منطق سے بھرے ہوئے ہیں مگر دل روحانیت سے خالی ہیں۔ ایسے وقت میں کب مناسب ہے کہ غریب بکریوں کو بھیڑیوں کے بنوں میں چھوڑ دیا جائے۔

مندرجہ بالا تقریر کا حرف حرف صحیح ہے۔ واقعی زبانوں پر سب کچھ ہے مگر دل روحانیت سے خالی ہیں۔ اب کمزور جنس کی عافیت اسی میں ہے کہ وہ پردہ میں رہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی قدر کرے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآنی احکام پر عمل کرنے کی توفیق بخشے جو سراسر رحمت و برکت ہے۔

تربیت اولاد کے متعلق اسلام کی پر حکمت تعلیم

اولاد کی خواہش ایک فطری جذبہ ہے یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اولاد سے محروم ہوتے ہیں وہ ذہنی پریشانی میں مبتلا رہتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو بدقسمت سمجھتے ہیں۔ گو حصول اولاد کے خواہش مند تو سب لوگ ہیں لیکن اولاد کی تربیت بہت کم لوگ کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اولاد سے وہ تمنائیں پوری نہیں ہوتیں جن کی توقع عام طور پر کی جاتی ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اولاد کے ہاتھوں تنگ ہیں اور ان کی زندگی پریشانیوں کا مجموعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ انما اموالکم و اولادکم فتنہ یعنی تمہارے اموال اور اولاد تمہارے لئے آزمائش ہیں۔ اور یہ سچ ہے کہ جہاں یہ دو چیزیں راحت اور آرام کا موجب ہیں وہاں رنج و غم کا باعث بھی بن جاتی ہیں۔ بعض لوگوں کا مال ان کے لئے عذاب کا موجب بن جاتا ہے اور بعض اولاد کی وجہ سے تکلیف پا رہے ہیں۔ اور یہ صحیح ہے کہ اگر اولاد نافرمان ہو یا بے راہ رو ہو تو انسان جیتے جی جہنم میں ہوتا ہے۔

پس سب سے ضروری بات یہ ہے کہ انسان اپنی اولاد کی تربیت کی طرف خاص توجہ کرے۔ اگر تھوڑی سی غفلت اس بارہ میں کرے گا تو پھر اصلاح احوال نہ ہو سکے گی۔ اسلام ایک ایسا نظام ہے جس نے ہر گوشہ زندگی کے متعلق ہدایات دی ہیں۔ تربیت اولاد کے متعلق اسلام نے نہایت قیمتی ہدایات دی ہیں اگر ان پر نظر رکھی جائے تو انسان کامیاب رہتا ہے۔ پیغمبر اسلام حضرت نبی کریم ﷺ نے اس بارہ میں یہ ہدایات فرمائی کہ

1۔ اگر تو شادی کرنا چاہتا ہے تو دیندار عورت سے کر۔ کیونکہ دیندار عورت تیری اولاد کو دیندار بنا دے گی۔

2۔ جب شادی ہو جائے تو میانہ روی اختیار کر اور خدا تعالیٰ سے دعا مانگ کہ وہ ایسی اولاد عنایت فرماوے جو مس شیطانی سے پاک ہو۔ اللھم جنبنا الشیطان اگر اس دعا کو ہر وقت مد نظر رکھے گا تو اللہ تعالیٰ کو سننے والا اور قبول کرنے والا پائے گا۔

3۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے بچہ عطا کرے تو اس کی آمد پر اس کے ایک کان میں اذان اور دوسرے میں تکبیر کہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بچہ کو نفسیاتی طور پر ایسی تعلیم کی ضرورت ہے جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرے اور اس کا عبد بن کر رہے۔ پہلی آواز جو اس کے کان میں پڑے وہ یہی ہو کہ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے اور وہی بندہ کا مقصود اور مطلوب ہے اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بچہ کو سب سے پہلے دین کی طرف بلایا جائے۔ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ بچہ کی تربیت دینی ماحول میں نہیں بلکہ خالص دنیاوی ماحول میں کی جاتی ہے تاکہ دنیا میں وہ اچھے روزگار کا مالک بن جائے اور زندگی آرام سے گزارے۔ چونکہ روحانی تربیت کا انتظام نہیں کیا جاتا اس لئے اس کے نتائج بڑے سنگین نکلتے ہیں۔ اور یہ سچ ہے کہ۔

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا مے رود دیوار کج

اس لئے ایسے بچے جن کو دین سے ناواقف رکھا جاتا ہے دنیا میں پڑ کر دین کی طرف راغب ہی نہیں ہوتے۔ چونکہ یہ دنیا ہوا و ہوس کی دنیا ہے اس لئے اس میں پھنس کر ان کا ذہن کچھ اور سوچ ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا ان کی اصلاح محال ہو جاتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس کی تو ایسی مثال ہے کہ کسی عورت کو پہلے کنچنی بنے دیا جائے اور یہ خیال کیا جائے کہ بعد میں اسے مجبور کر کے اور توبہ کرا کر صالح بنایا جائے گا تو یہ کیسے ممکن ہے بس دین سے بے پرواہی بچہ کی ساری زندگی خراب کر دیتی ہے۔ لیکن اگر اسے پہلے دین مل جائے تو دنیا بھی آجائے گی کیونکہ دنیا دین کی لونڈی ہے اور جب دین آئے گا تو علم بھی آجائے گا کیونکہ دیندار اور متقی بندہ کو علم اللہ تعالیٰ خود سکھاتا ہے۔

واتقوا اللہ۔ یعلمکم اللہ اگر بچہ کو پہلے ابتدائی دینی تعلیم دی جائے اور بعد میں سکول میں داخل کیا جائے تو کوئی زیادہ فرق نہ پڑے گا بلکہ اس کی بنیاد اور پختہ ہو جائے گی اور وہ جلدی جلدی مدرسہ کی تعلیم کو حاصل کر کے کمی کو بھی پورا کر لے گا۔ لیکن عموماً اس خطرہ کا احساس کیا جاتا ہے کہ بچہ دنیاوی تعلیم معیار کے مطابق حاصل نہ کر سکا تو دنیا میں کوئی خاص مقام حاصل نہ کر سکے گا اور اس کی زندگی ذلت سے گزرے گی۔ یہ خیال سراسر غلط ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق کسی دنیاوی علم پر موقوف نہیں اس کی تقسیم تو وہ خود کرتا ہے۔ اگر علم پر منحصر ہوتا تو تم علم

بھوکے مرجاتے۔

پس جب دنیاوی رزق کسی کے اختیار میں نہیں۔ اس کا کھولنا اور تنگ کرنا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے تو کتنا بد قسمت ہے وہ آدمی جو دین کو چھوڑ کر دنیا کے حصول میں لگ جاتا ہے جو سراسر ناپائیدار اور عارضی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل حاصل کرنے والے لوگ تو وہ تھے جو دنیاوی علوم سے ناواقف تھے۔ دنیا میں جتنے اولیاء اور اقطاب گزرے ہیں وہ دنیاوی لحاظ سے نہایت معمولی آدمی تھے۔ اگر وہ دنیا کا کام کرتے تو زیادہ سے زیادہ تیس چالیس روپیہ ماہوار کما لیتے۔ چونکہ وہ دین کی طرف آگئے اللہ تعالیٰ نے دین کے ساتھ دنیا کو بھی ان کے قدموں میں ڈال دیا اور بقائے دوام بخش دی۔ دنیا میں بڑے بڑے بادشاہ اور دولت مند لوگ گزرے ہیں لیکن ان کا کوئی نام بھی نہیں لیتا۔ پس دین کو حاصل کرکے انسان گھاٹے میں نہیں رہتا بلکہ دنیا ہی خسارے کا سودا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک جنتی کے یک دم درجات بلند ہونا شروع ہو جائیں گے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے پوچھے گا کہ میرے رب یہ کس وجہ سے ہیں۔ حق تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ تیرے فلاں بیٹے کی وجہ سے ہیں جسے تو نے دین سکھایا تھا اور اب اس کی نیکیوں سے تجھے بھی حصہ ملتا رہے گا۔ گویا نیک اولاد والدین کے لئے صدقہ جاریہ ہے۔

اب تربیت اولاد کے متعلق چند امور عرض کئے جاتے ہیں۔

1۔ جب بچہ بولنا سیکھ رہا ہو تو اس امر کا خیال رکھا جائے کہ وہ بری باتیں خصوصاً گالیاں نہ سیکھے۔

2۔ کسی بات پر ضد نہ کرے۔ ماں باپ کا کہا فوراً مان لے۔

3۔ لالچ نہ کرے۔ اس کی خواہش اور ضرورت کے مطابق ہر چیز وقت پر مہیا کی جائے۔

4۔ ہر وقت اسے کھانے کو نہ دیا جائے اور نہ ہی اسے کھانے پینے کی چیزیں خریدنے کے لئے رقم دی جائے۔ وقت مقررہ پر اسے کھانے کا عادی بنایا جائے۔ راستہ چلتے ہوئے نہ کھائے۔

5۔ پڑھائی کے لئے اس میں شوق پیدا کیا جائے جاننا چاہئے کہ ہر علم شوق سے حاصل کیا جا سکتا ہے اس کے بغیر ممکن نہیں۔ پس شوق پیدا کرنے کے ذرائع استعمال کئے جائیں۔ شوق پیدا کرنے کی ایک صورت یہ ہے کہ جو چیز وہ پڑھ رہا ہے یا سیکھ رہا ہے وہ اس کے لئے دلچسپ ہو اور اس کے ذوق کے مطابق ہو۔

آج کل یہ شکایت عام ہے کہ بچے والدین کا ادب نہیں کرتے۔ آوارہ اور بے راہ ہو جاتے

ہیں اس کی ذمہ داری والدین پر ہے ارشاد نبوی ہے اکرموا اولادکم کہ اولاد کی تکریم کرو۔ اگر ماں باپ بچہ کی تکریم نہیں کرتے تو بچہ سے تکریم کی توقع عبث ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے مکرم بنایا ہے وہ اپنی تکریم چاہتا ہے۔ بچہ بھی اس فطرت سے خالی نہیں۔ اگر آپ اس کی عزت کریں گے تو اس سے بڑھ کر وہ آپ کی عزت کرے گا۔ اگر آپ اسے سخت سست کہہ کر یا گالیاں دے کر کسی کام پر مجبور کریں گے تو یا تو وہ باول نخواستہ کرے گا یا بے ادب ہو کر انکار کر دے گا کیونکہ اس کا ضمیر فطرتاً سختی کو برداشت نہیں کرتا۔ گالی گلوچ یا سختی سے کوئی بچہ خوش نہیں ہوتا اور نہ کچھ سیکھ سکتا ہے بلکہ اس طریق سے اس کی انفرادیت اسے بغاوت پر ابھارتی ہے اور وہ سرکش ہو جاتا ہے پس صحیح طریق اکرموا اولادکم پر عمل کرنا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اگر حضورؐ کی اس نصیحت پر عمل کیا جائے تو اولاد صحیح معنی میں قرۃ العین بن جائے۔

بچہ کی مربی اور معلم دراصل اس کی ماں ہے۔ باپ کاروبار کے سلسلہ میں بیشتر وقت گھر سے باہر گزارتا ہے۔ بچہ ماں کے پاس ہی رہتا ہے اس لئے جو باتیں سیکھتا ہے وہ ماں کے توسط سے ہی سیکھتا ہے اور وہی اس کے ذہن میں جم جاتی ہے۔ اگر ماں اس کی تربیت اسلامی طریق پر کرے تو وہ اچھا شہری اور دیندار انسان بن سکتا ہے ورنہ مدرسہ کی تربیت کسی کام نہیں آسکتی۔ کیونکہ سکول میں داخلہ سے پہلے وہ سب کچھ سیکھ چکا ہوتا ہے اور وہ عادات راسخ ہو جاتی ہیں۔ پس اگر ماں بچہ کی صحیح رنگ میں تربیت کرے تو واقعی اسی کے پاؤں تلے جنت ہے۔

اس سلسلہ میں دعا کو بھی ہرگز نہ بھولنا چاہئے .... اللہ تعالیٰ کا تصرف ہے۔ اگر دلسوزی سے اولاد کے لئے دعائیں کی جائیں تو انشاء اللہ تعالیٰ ضرور کامیابی ہوگی۔

تحریک جدید اور خدمت دین کے مواقع

اللہ تعالیٰ کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ 1934ء میں جماعت احمدیہ کو ابتلاء آیا۔ اس میں بیرونی ممالک میں تبلیغ کی مہم کے آغاز کردینے کی طرف اشارہ تھا۔ چنانچہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ نے ایک وسیع منصوبہ بنایا جسے تحریک جدید کا نام دیا گیا۔ وہ ابتلاء سراسر اللہ تعالیٰ کا فضل تھا۔ اس کے نتیجہ میں جماعت کو بشاشت سے دین کی اشاعت کے لئے قربانیاں کرنے کی توفیق ملی۔ چنانچہ اس کے بہترین نتائج اس وقت ہم دیکھ رہے ہیں۔ پس ہر وہ احمدی جو کسی نہ کسی طور اس تحریک میں شامل رہا ہے وہ خدا تعالیٰ سے ملنے والے اجر و ثواب میں شریک ہے اور قیامت تک کے لئے صدقہ جاریہ ہے۔ اس تحریک کو چلانے کے لئے حضرت مصلح موعودؓ نے اپنی جماعت کے افراد سے 22 مطالبات کئے تھے۔ جن میں سے بعض مالی قربانیوں کے متعلق تھے اور بعض جسمانی کے متعلق اور یہ صحیح ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان حقیر قربانیوں کو نوازا اور ان میں بے انداز وسعت دے دی۔ کام تو دراصل اس نے اپنے فرشتوں کے ذریعہ کرایا لیکن کریڈٹ جماعت کو دے دیا یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک شخص قیامت کے دن جب قبر سے اٹھے گا تو اس کے سامنے نیکیوں کا ایک پہاڑ کھڑا کر دیا جائے گا اور اسے کہا جائے گا کہ یہ تیری نیکیاں ہیں انہیں لے لے۔ وہ پوچھے گا خدایا میں نے تو کوئی ایسا بڑا کام نہیں کیا تھا۔ جس کا ثمرہ پہاڑ کی صورت میں دیا جا رہا ہے۔ خدا تعالیٰ فرمائے گا کہ تیری فلاں نیکی کو ہم نے پسند کیا اور اسے بڑھایا اور وہ اب پہاڑ کی صورت تیرے سامنے ہے۔ تو دیکھو کہ وہ ذات کتنی ذوالفضل العظیم ہے۔ بندہ کی حقیر نیکی کا کتنا عظیم بدلہ دیتی ہے۔ یہی سلوک تحریک جدید میں حصہ لینے والوں سے ہوگا۔ انشاء اللہ۔ یہ صحیح ہے کہ بندہ کو بار بار یاددہانی کی ضرورت رہتی ہے۔ کیونکہ بعض ضروری کام اور ان کی اہمیت اس کی نظر سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا آج میں حضرت مصلح موعودؓ کے چند مطالبات جو جسمانی قربانی سے تعلق رکھتے ہیں ان کی اہمیت اور ضرورت کا ذکر کرتا ہوں۔

مطالبہ نمبر۳: رخصت کے ایام خدمت دین کے لئے وقف کریں۔

مطالبہ نمبر ۵ : وقف رخصت موسمی میں حصہ لیں۔
مطالبہ نمبر ۷ : پنشنرز احباب اپنے آپ کو خدمت دین کے لئے وقف کریں۔
یہ تین مطالبات جسمانی قربانی سے تعلق رکھتے ہیں۔ انسان چند روپے دیکر مالی قربانی میں تو حصہ لے سکتا ہے لیکن اصل چیز تو جان اور وقت کی قربانی ہے انسان طبعاً آرام پسند واقع ہوا ہے۔ اور اس کا نفس اسے کسی مشقت میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ پس وقت کی قربانی اور جان کی قربانی فضیلت رکھتی ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ جب تک انسان خارزاروں میں سے نہ گزرے۔ خدا تعالیٰ کا ملنا دشوار ہے اس نے اپنے پاس آنے کی راہ تو رکھی ہے۔ لیکن وہ راہ تنگ بنائی ہے۔ اس کو وہی ملتا ہے جو بقول حضرت مسیح موعودؑ تلخیوں کا شربت پی لیوے۔ وصال دوست کے لئے نفس پر موت کو وارد کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ خاک میں ملے بغیر وہ دلدار نہیں ملتا۔

تکبر سے نہیں ملتا وہ دلدار
ملے جو خاک میں اس کو ملے یار

پس چند ٹکے دے کر یہ سمجھ لینا کہ۔۔

"ہم بھی شامل ہیں محبت کے گنہگاروں میں"

صحیح نہیں۔ پس عاشق ہر وہ راہ تلاش کرتا ہے جو اس کے محبوب کے پاس لے جانے والی ہو۔ وہاں تو وفا اور اخلاص کی قدر ہے مالی یا کوئی اور عمل جو محبت کے جذبے سے خالی ہو اس کے ہاں بار نہیں پا سکتا۔ پس اسی جذبہ کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ نے ملازم دوستوں کو بلایا ہے کہ وہ بھی رضائے دوست کے لئے اپنے رخصت کے ایام خدمت دین کے لئے پیش کریں اور عملی طور پر اس جہاد میں شریک ہو کر ثابت کر دیں کہ وہ خدمت دین کی خاطر اپنی جان مال اور اولاد کو نثار کرنے کے لئے تیار ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے وقف عارضی کی تحریک اسی مطالبہ کو مدنظر رکھتے ہوئے جاری فرمائی ہے۔ اس تحریک پر عمل کرنے والوں کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بے شمار روحانی فوائد حاصل کئے ہیں۔ ان کو تزکیہ نفس کرنے میں بڑی مدد ملی ہے۔ واقعی نفس کے تزکیہ کے لئے اس سے بہتر اور کوئی عمل نہیں ہو سکتا۔ اور جب تک تزکیہ نفس نہ ہو۔ دل کو پاکیزگی نہیں ملتی اور دل کی پاکیزگی کے بغیر نجات نہیں۔ پس وقف عارضی پر اپنے گھر سے باہر نکل کر اور اپنے کاروبار چھوڑ کر صرف خدا اور اس کے رسول ﷺ

کی خوشنودی کے لئے ایام کو صرف کرنا اور ان دنوں خدمت دین کرنا۔ دعا اور استغفار سے اپنے رب کو یاد کرنا ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ اور اصل بات تو یہ ہے کہ وہی محب اپنے دعویٰ میں صادق ہے جو اپنے محبوب کو ہر حرکت و عمل سے یہ ثابت کر دے کہ اس کی زندگی اس کی راہ میں وقف ہے اور اس کی محبت کے مقابلے میں باقی حاجات اور ضروریات ہیچ ہیں۔ اس طرح پنشنر احباب سے بھی خلیفہ وقت نے وقف زندگی کا مطالبہ کیا ہے کہ وہ اب زندگی کے آخری ایام بجائے کسی دنیاوی کام میں لگانے یا آرام کرنے کے اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف کر دیں اسی میں ان کی کامیابی ہے۔ ملازمت پیشہ لوگوں کو مدت دراز تک اپنے افسران کو جناب' جناب والا' حضور' حضور والا' سرکار عالی وغیرہ کہتے گزری ہے۔ معلوم نہیں انہوں نے ادنیٰ مخلوق کی خوشنودی کے لئے کیا کیا جتن کئے ہوں گے۔ اب انہیں چاہئے کہ اپنے مالک حقیقی کی ڈیوٹی بھی ادا کریں۔ دین کی خدمت کریں اور عمر کا بقیہ حصہ رب رحیم کی خوشنودی کے لئے صرف کریں۔ وہ لوگ اب روزگار کے فکر سے آزاد ہیں۔ اب یکسوئی سے خدمت دین کر سکتے ہیں۔ انہیں لازم ہے۔ کہ دینی کام کر کے اپنی عاقبت سنواریں۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور سرخرو ہو کر پیش ہوں۔ دنیاوی خدمت کے بدلے انہیں چند پیسے بقیہ عمر گزارنے کے لئے ملے ہیں۔ اب اگر وہ عمر کا باقی حصہ خدمت دین میں صرف کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں ابدی زندگی کے لئے لازوال دولت دے گا۔ انہیں حیات طیبہ ملے گی اور قرب کی نعمت بھی ملے گی۔ پس ایسے احباب جو پنشنر ہوں اور ان کی صحت بھی ٹھیک ہو اور وہ خدمت دین کا جذبہ بھی رکھتے ہوں۔ اپنی زندگی خلیفہ وقت کے ہاتھ پر وقف کر دیں۔ خلیفہ وقت انہیں بار بار بلا رہا ہے کہ وہ آئیں اور اس جہاد میں شامل ہو کر اپنے عمر کے آخری حصہ کو ضائع ہونے سے بچالیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جنتیوں کو بھی بہشت میں ایک حسرت ہوگی وہ کہیں گے کہ کاش! ہم اپنی عمر کا بہت سا حصہ ضائع نہ کرتے اور دین کی خدمت کرتے تو آج جنت میں اعلیٰ مقام پر ہوتے۔

مطالبہ نمبر۲: اپنی اولاد کو دین کے لئے وقف کریں۔ یہ مطالبہ بھی بہت اہم اور بڑی برکات کا موجب ہے۔ انسان بالطبع چاہتا ہے کہ اس کی اولاد دنیوی لحاظ سے بہت اچھی بن جائے اور وہ اسی کوشش میں لگا رہتا ہے کہ ان کی تعلیم و تربیت اس نہج پر ہو کہ وہ جوان ہو کر اعلیٰ منصب پر فائز ہوں اور دنیوی لحاظ سے صاحب ثروت اور صاحب عزت ہوں۔ وہ اولاد کی دین سے بے رغبتی تو

برداشت کر لیتا ہے لیکن دنیوی لحاظ سے بے رغبتی کو برداشت نہیں کرتا لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ اس کی یہ کوشش ضرور بار آور ہوگی اور وہی نتیجہ پیدا کرے گی۔ جس کا تصور اس کے دل میں ہے۔ لیکن اگر وہ اپنی اولاد کو دین کے لئے وقف کر دے تو اسے اگر دین ملے گا تو دنیا بھی خدا تعالیٰ دے گا۔ وہ عزت میں دنیوی لحاظ سے بھی بہتر ہوں گے دین کے ساتھ دنیا مل جائے تو وہ خیرو برکت کا موجب ہوتی ہے۔ لیکن نری دنیا تو اکثر اوقات ہلاکت کا موجب بن جاتی ہے۔ لیکن نادان انسان اکثر اوقات خیرو برکت والی نعمت کو ثمنا قلیلا کے عوض بیچ ڈالتا ہے اور دنیا طلبی میں اپنا اور اپنی اولاد کا فائدہ دیکھتا ہے۔ یاد رکھو کہ جو چیز خدا کے نام پر وقف کر دی جائے اسے بقاء مل جاتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے لڑکے کو خدا کے نام پر قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے باقی رکھا۔ اور بڑھایا اور فرمایا کہ میں تیری ذریت کو اتنا بڑھاؤں گا کہ ریت کے ذرے تو گنے جا سکیں گے لیکن تیری ذریت کو کوئی گن نہیں سکے گا۔ شہداء جو خدا تعالیٰ کی راہ میں جان فدا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان کو وفات یافتہ مت سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں۔ اسی طرح پر جو مال خدا کی راہ میں دیا جائے۔ وہی باقی رہتا ہے باقی سب مال جو اپنے نفس پر خرچ کیا جائے ضائع ہو جاتا ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ اولاد کا خدا کی راہ میں وقف کر دینا ماں باپ کے لئے صدقہ جاریہ کا کام دیتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ایسے لوگ بہت ہی خوش نصیب ہیں جن کے بچے خدا کی راہ میں وقف ہیں اور وہ دین کی خدمت کر رہے ہیں سچ پوچھو تو واقف زندگی کی ہر حرکت و سکون عبادت ہے چاہے وہ سو رہا ہو یا کسی سے محو گفتگو ہو یا کوئی ذاتی کام کر رہا ہو اور ہم نے کسی واقف زندگی کو دنیوی لحاظ سے فرار نہیں دیکھا۔ بلکہ خدا تعالیٰ اپنے خاص بندوں کا خود متکفل اور متولی ہو جاتا ہے اور جو خدا کی کفالت میں آ جائے۔ اسے کسی تشویش کی کیا ضرورت ..... حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"میں...... یہی آرزو رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں زندگی وقف کرنے کے لئے اگر مر کے پھر زندہ ہوں اور پھر مروں اور زندہ ہوں تو ہر بار میرا شوق ایک لذت کے ساتھ بڑھتا ہی جاوے۔ پس تم جو میرے ساتھ تعلق رکھتے ہو تم دیکھتے ہو کہ خدا کے لئے زندگی کا وقف میں اپنی زندگی کی اصل غرض سمجھتا ہوں۔ پھر تم اپنے اندر دیکھو کہ تم میں سے کتنے ہیں جو میرے اس فعل کو پسند کرتے ہیں اور خدا کے لئے زندگی وقف کرنے کو عزیز رکھتے ہیں۔"

پھر فرمایا:۔

"میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اپنی جماعت کو وصیت کروں اور یہ بات پہنچادوں۔ آئندہ ہر ایک کا اختیار ہے کہ وہ سے یا نہ سنے کہ اگر کوئی نجات چاہتا ہے اور حیات طیبہ یا ابدی زندگی کا طلبگار ہے تو وہ اللہ کے لئے زندگی وقف کرے اور ہر ایک اس کوشش اور فکر میں لگ جاوے کہ وہ اس درجہ اور مرتبہ کو حاصل کرے کہ کہہ سکے کہ میری زندگی' میری موت' میری قربانیاں' میری نمازیں اللہ ہی کے لئے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح اس کی روح بول اٹھے اسلمت لرب العلمین جب تک انسان خدا میں کھویا نہیں جاتا خدا میں ہو کر نہیں مرتا۔ وہ نئی زندگی پا نہیں سکتا"۔

(الحکم 31۔ اگست 1900ء)

پس اپنی اولاد کو خدا کی راہ میں وقف کر دینے میں ان کی حیات ہی حیات ہے اور جو ایسا نہیں کرتا وہ ابدی حیات کو اپنے ہاتھوں سے کھوتا ہے۔۔

زیر این موت است پنہاں صد حیات
زندگی خواہی بخور جام ممات

میں دوستوں کی خدمت میں گزارش کروں گا کہ وہ اپنی نرینہ اولاد میں سے کم از کم نصف یا معتدبہ حصہ خدمت دین کے لئے وقف کریں۔ کیونکہ سلسلہ کو اس وقت اشاعت اسلام کے لئے ان کی اشد ضرورت ہے۔ یاد رکھو کہ یہ گھاٹے کا سودا نہیں بلکہ بے قیاس نفع کا سودا ہے۔ کسی نے بالکل سچ کہا ہے۔

محبت میں عجب دستور دیکھا
اسی کی جیت ہے جو ہار جائے

خدا تعالیٰ ہمیں ایسا کرنے کی توفیق دے۔

تحریک جدید اور سادہ زندگی

اسلام سادہ زندگی کی تعلیم دیتا ہے۔ اور میانہ روی سکھاتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ایک صفت یہ بیان فرماتا ہے۔ کہ والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذالک قواما (فرقان) یعنی جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں بلکہ میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خیر الامور اوسطہا ایک اور جگہ فرمایا کہ سادگی ایمان کے اوصاف میں سے ہے۔ اسی تعلیم کو مدنظر رکھ کر حضرت مصلح موعود رضی اللہ نے تحریک جدید میں سب سے پہلا مطالبہ یہی رکھا تھا کہ تکلفات کو چھوڑ دو۔ ایک وقت میں ایک ہی سالن کو استعمال کرو اور اپنی زندگی کو سادہ بنا کر جس قدر بچت ہو سکے خدمت دین کے لئے پیش کرو کیونکہ یہ قربانیوں کا زمانہ ہے۔ عیش و عشرت کا زمانہ نہیں۔

لیکن آج کی دنیا خواہشات اور لذائذ کی دنیا ہے۔ انسان وسیع خواہشات رکھتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کا نفس دنیا کے حظوظ سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائے اور سچ پوچھو تو اس لذت ہی نے اسے تباہ کر دیا ہے اور اسی لذت کی وجہ سے وہ ہر جرم اور گناہ کرنے کو تیار ہو جاتا ہے لیکن اسلام کہتا ہے کہ سادگی اختیار کرو اور اعتدال سے کام لو اور یہ صحیح ہے کہ جو مزا سادگی میں ہے کسی اور چیز میں نہیں۔ انسان خواہ مخواہ کام و دہن کی لذت کے لئے مرتا ہے لیکن یہ تو اس کے لئے زہر ہے۔ اگر غذا زیادہ مرغن اور چٹپٹی ہو تو صحت کو تباہ کر کے رکھ دیتی ہے کسی نے سچ کہا ہے کہ آدھی دنیا پر اٹھا خوری سے بیمار ہے۔ اگر صبح کے ناشتہ میں پراٹھے حلوہ پوری یا اس قبیل کی دوسری چیزیں نہ ہوں تو نفس مانتا ہی نہیں اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے معدہ کو اپنے ہاتھوں سے تباہ کر دیتا ہے اور قبل از وقت بوڑھا ہو جاتا ہے اور طرح طرح کی بیماریاں سہیڑ لیتا ہے ظاہر ہے کہ اگر غذا زیادہ مرغن اور پر تکلف ہو تو انسان عموماً زیادہ کھا لیتا ہے اور پرخوری اس کے لئے طرح طرح کی بیماریوں کا سبب بنتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ نصف سے زیادہ دنیا معدہ کی

امراض میں مبتلاء ہے۔ معدہ خراب ہو تو تبخیر' بلڈ پریشر' فالج' ذیابیطس' امراض دل و گردہ نیز جوڑوں کے امراض لازمی ہیں اور پھر یہ بھی ہے کہ جو پرخوری کرے وہ زیادہ محنت نہیں کر سکتا وہ آرام طلب ہو جاتا ہے اس لئے پرخوری اور آرام طلبی دونوں مل کر اس کی صحت کو تباہ کر دیتی ہیں اور وہ طبعی عمر کو پہنچنے سے پہلے ہی اس جہان سے رخصت ہو جاتا ہے۔ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ جو لوگ پرخور اور آرام طلب ہوں ان کی صحت جسمانی جواب دے دیتی ہے۔ گولی کھائیں تو بھوک لگے۔ گولی کھائیں تو کھانا ہضم ہو۔ گولی کھائیں تو اجابت ہو۔ گولی کھائیں تو نیند آئے۔ گولی کھائیں تو اعضا شکنی دور ہو۔ گولی کھائیں تو چلنے پھرنے کے قابل ہوں۔ غرض سارا دن طرح طرح کی گولیاں ہی کھاتے رہتے ہیں اور بجائے اس کے کہ وہ دنیا میں ایک مفید وجود ثابت ہوں۔ ان کا وجود زمین پر ایک بوجھ بن جاتا ہے۔ بھلا یہ بھی کوئی زندگی ہے کہ دوائی کے بغیر ایک لمحہ بھی نہ گزرے دراصل انہوں نے عمدہ اور مرغن غذا کو حاصل زندگی سمجھ رکھا ہے۔ لیکن ان کے مقابلہ میں جن کی غذا سادہ ہے اور وہ محنت اور مشقت سے روزی کماتے ہیں وہ ہر لحاظ سے بہتر ہیں۔ امراء دولت کے ذریعہ آرام اٹھاتے ہیں۔ لیکن غریب اور سادہ زندگی گزارنے والے صحت سے زندگی کا لطف اٹھاتے ہیں۔ کھانے کا مزہ تو عمدہ بھوک سے اور سونے کا مزہ مشقت کرنے سے ملتا ہے۔ اور یہی دو چیزیں اہل دولت کے پاس نہیں۔ پس سادہ زندگی صحت کے لئے بہت ضروری ہے۔ اور صحت سے ہی انسان حق عبادت ادا کر سکتا ہے دیکھو جو رات کو پیٹ بھر کر سوئے وہ تہجد کے لئے کب اٹھ سکتا ہے۔ جو آرام طلب ہو۔ وہ مسجد میں نماز کے لئے کب جا سکتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اعدلوا ھو اقرب للتقوی کہ ہر کام میں اعتدال رکھو۔ یہی تقویٰ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ :-

"انسان صرف عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے جس قدر چیز اسے درکار ہے اگر اس سے زیادہ لیتا ہے۔ تو گو وہ شے حلال ہی ہو۔ مگر فضول ہونے کی وجہ سے اس کے لئے حرام ہو جاتی ہے۔ جو انسان رات دن نفسانی لذات میں مصروف رہے۔ وہ عبادت کا کیا حق ادا کر سکتا ہے۔ مومن کیلئے ضروری ہے کہ وہ تلخ زندگی بسر کرے"۔

(ملفوظات جلد ہفتم صفحہ 68)

پس سادہ زندگی ہی میں سب بھلائیاں ہیں۔ سوچنا چاہئے کہ اگر انسان کھانے پینے میں اعتدال

کو مد نظر رکھے تو اس کی صحت برقرار رہتی ہے۔ جنہوں نے اعتدال کو چھوڑا وہ گھاٹے میں رہے کیونکہ جب انسان پرخوری اور مرغن غذاؤں سے ایک بار اپنی صحت تباہ کر لیتا ہے۔ تو پھر اسے یہ چیزیں ڈاکٹر کے مشورہ سے چھوڑنا پڑتی ہیں۔ پھر تو اسے عام سادہ غذا کے معیار سے بھی کم تر درجہ پر آنا پڑتا ہے۔ ابلی ہوئی دال' بے نمک کھانا۔ شیرینی سے پرہیز۔ غور کرو کہ نمک کے بغیر بھی کوئی زندگی ہے۔ یا شکر کے بغیر بھی زندگی کا مزہ ہے۔ پھر ایسے لوگ دوسروں کو اچھی غذا کھاتے ہوئے دیکھ کر کڑھتے ہیں۔ اور یہ عذاب سب عذابوں سے بھاری ہے۔ وہ اس طرح کہ ان کے پاس ہر ایک چیز موجود ہے لیکن وہ اس سے محروم ہیں اور دوسرے اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اس جنت کا کیا لطف جس کی چیزوں سے انسان فائدہ نہ اٹھا سکے۔ لیکن اگر وہ لوگ سادہ زندگی رکھتے اور سادہ غذا کھاتے تو آخر وقت تک کسی پرہیز کی ضرورت نہ ہوتی اور ہر ایک نعمت سے لطف اٹھاتے رہتے۔ لیکن چند دن بے اعتدالی کی زندگی گزار کر باقی عمر کے ایام حسرت واندوہ میں کاٹتے ہیں پھر نہ زندوں میں نہ مردوں میں۔ لیکن دوسری طرف خدا تعالیٰ نے محنت کشی اور سادگی سے زندگی گزارنے والوں کی مقدار خوراک بھی بڑھا دی اور لذت بھی بڑھا دی اور ان کے مقابلہ میں ایک دنیادار کی مقدار خوراک بھی کم اور لذت بھی کم۔ پس کون گھاٹے میں رہا۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کے انحطاط کی وجہ صرف یہی ہے کہ وہ اپنا معیار زندگی بلند کرنے کی فکر میں ہیں اور اس جستجو نے انہیں دولت کا غلام بنا کر رکھ دیا ہے ان میں عیش کوشی آگئی ہے۔ وہ لذت کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ حصول مال کی حرص نے انہیں غلط راستہ پر ڈال دیا ہے انہیں چاہئے تھا کہ وہ اپنی زندگیوں کو سادہ بناتے اپنے اموال سے دکھی انسانوں کی خدمت کرتے۔ اور اپنا معیار زندگی بلند کرنے کی بجائے انسانیت کا معیار بلند کرتے کہ یہی سلامتی کی راہ تھی۔

جماعت احمدیہ پر بہت بھاری ذمہ داری عائد ہے اس نے ساری دنیا میں اسلام کو غالب کرنا ہے اور سب کو دین واحد پر جمع کرنا ہے۔ یہ کام آسان نہیں یہ کام مالی قربانیوں کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی زندگیوں کو سادہ بنائیں اور اپنی ضروریات کو کم کرکے اپنے اموال دین کے لئے پیش کردیں۔ حضرت مصلح موعودؓ نے تحریک جدید کی غرض وغایت کو بیان کرتے ہوئے ایک موقع پر فرمایا تھا۔

"آج اسلام کے لئے قربانیوں کا زمانہ ہے اور ایسا زمانہ ہے کہ ہمیں چاہئے کہ اسلام کی خاطر قربانی کرنے کی غرض سے جائز خواہشات کو بھی جہاں تک چھوڑ سکیں چھوڑ دیں جب تک ایسا نہ کیا جائے۔ اسلام کی ترقی نہیں ہو سکتی۔ پس جن لوگوں کے دلوں میں محبت ہے۔ اسلام کی خدمت کا احساس ہے وہ اپنی زندگیاں سادہ بنائیں ایسی سادہ کہ زیادہ سے زیادہ خدمت اسلام بجالانے کا موقع مل سکے۔"

پس اے میرے عزیزو! اور بھائیو اور خصوصاً تحریک جدید میں حصہ لینے والو۔ آپ نے خلیفہ وقت کے ہاتھ پر اطاعت کا عہد باندھ رکھا ہے۔ اگر اطاعت نہیں تو کچھ بھی نہیں ان تطیعوہ تھتدوا (نور : 55) اگر اطاعت کرو گے تو ہدایت ملے گی۔ ورنہ بے نصیب رہو گے۔ سادہ زندگی گزارو جیسے راہ چلتا ہوا مسافر۔ عیش کوشی کو مقصد نہ بناؤ۔ اسی غم میں نہ رہو کہ فلاں فلاں چیز نہ مل سکی۔ تلخ زندگی گزارو کہ یہی رب کریم کو پسند ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کی نصیحت

"کہ مے خواہد نگار من تہی دستان عشرت را"

کہ یاد رکھو ایک وقت میں ایک سالن پر اکتفا کرو، ظلم بینی چھوڑ دو۔ رسم و رسومات اور خلاف شریعت کام ترک کر دو۔ زیادہ سے زیادہ بچت کر کے رقم خدا تعالیٰ کے بینک میں جمع کراؤ۔ تاکہ وہاں کا بینک بیلنس بڑھے اور اخروی زندگی میں آپ کے کام آئے۔ وہاں کسی کی مدد کام نہ آئے گی۔ کوشش کرو کہ آپ کا وعدہ جلد ادا ہو جائے اس معاملہ میں بد عہد نہ ٹھہرو۔ کیونکہ مومن بد عہد نہیں ہوا کرتا۔

حضرت مصلح موعودؓ اور تحریک جدید

حضرت مصلح موعودؓ کے بچپن کے عزائم

حضرت مصلح موعودؓ کے جماعت احمدیہ پر ان گنت احسانات ہیں ان کی ساری زندگی احمدیت کی بقا اس کی ترقی اور غلبہ اسلام سے عبارت تھی۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں چاہتا ہوں کہ اسلام کی ترقی اور غلبہ کے لئے سب سے بڑا رول میرا ہو۔ اور میں اسلام کی ترقی کے لئے ایسی بنیاد رکھ جاؤں جس پر ساری عمارت کھڑی ہو۔ چنانچہ 16۔اپریل 1934ء کو تقریر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"میں چھوٹی عمر میں ایسی دعائیں کرتا تھا اور مجھے ایسی حرص تھی کہ اسلام کا جو بھی کام ہو میرے ہاتھ سے ہو۔ میں اپنی اس خواہش کے زمانہ سے واقف نہیں کہ کب سے ہے۔ میں جب دیکھتا تھا تو اپنے اندر اس جوش کو پاتا تھا اور دعائیں کرتا تھا۔ کہ اسلام کا جو کام ہو میرے ہی ہاتھ سے ہو۔ پھر اتنا ہو' اتنا ہو' اتنا ہو کہ قیامت تک کوئی زمانہ ایسا نہ ہو جس میں اسلام کی خدمت کرنے والے میرے شاگرد نہ ہوں۔ میں نہیں سمجھتا تھا اور نہیں سمجھتا ہوں کہ یہ جوش یہ اُنس اسلام کی خدمت کا میری فطرت میں کیوں ڈالا گیا۔ ہاں اتنا جانتا ہوں کہ یہ جوش بہت پرانا رہا ہے۔ غرض اس جوش اور خواہش کی بناء پر میں نے خدا تعالیٰ کے حضور دعا کی کہ میرے ہاتھ سے تبلیغ اسلام کا کام ہو اور میں خدا تعالیٰ کا شکر کرتا ہوں کہ اس نے میری ان دعاؤں کے جواب میں بڑی بڑی بشارتیں دی ہیں...... اور اب میں یقین رکھتا ہوں کہ دنیا کو ہدایت میرے ہی ذریعہ ہوگی۔ اور قیامت تک کوئی ایسا زمانہ نہ گزرے گا جس میں میرے شاگرد نہ ہونگے۔"

حضرت مصلح موعودؓ کے بعض احسانوں کا تذکرہ

پس اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاؤں کو سنا اور قبول فرمایا۔ اور انہیں وہ مقام دیا کہ قیامت تک آنے والے خلفاء ان کی عظمت و رفعت پر رشک کرتے رہیں گے۔ دراصل ان کا وجود ہی اسلام اور اس کی سربلندی کے لئے ایک نشان تھا۔ اور یہ حقیقت ہر احمدی جانتا ہے کہ جو بنیادی اینٹ احمدیت اور اس کی ترقی کے لئے انہوں نے رکھی وہ صرف انہیں کا حصہ تھی۔ ان کے احسانوں میں سے ایک خاص احسان ربوہ کی بستی کو آباد کر کے ایک الگ مرکز کا قیام تھا اور یہ صحیح ہے کہ اگر جماعت احمدیہ کو تقسیم ملک کے بعد ایک الگ مرکز نہ ملتا تو احمدیت کی ترقی رک جاتی۔ بلکہ ہماری انفرادیت، تنظیم اور عزیمت جو ترقی کے لئے ایک ضروری چیز ہے ختم ہو جاتی۔ پس مصلح موعودؓ کا یہ کارنامہ بھی بڑی عظمت رکھتا ہے۔ اور آنے والی نسلیں ان کے احسان کے زیر بار رہیں گی۔

تحریک جدید کا اجراء

ان کے اور احسانات میں سے ایک بہت بڑا احسان تحریک جدید کا اجراء ہے جو حضور نے 1934ء میں کیا۔ یہ منصوبہ حضور نے اس وقت بنایا جب کہ جملہ مخالفین جماعت احمدیہ کو مٹانے کے لئے صف آراء تھے۔ دوسرے لفظوں میں تحریک جدید کو غلبہ اسلام کے لئے ایک بنیاد کہنا درست ہے۔ اس تحریک کا مطلب یہ ہے کہ برصغیر کے علاوہ بیرونی ممالک میں مساجد اور تبلیغی مراکز قائم کئے جائیں۔ جہاں سے تبلیغی کام شروع کیا جا سکے۔ پھر اسلام کی تبلیغ کے لئے لٹریچر شائع کیا جائے۔ قرآن مجید کے مختلف زبانوں میں تراجم شائع کر کے لوگوں تک پہنچائے جائیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ مراکز اسلام کے قلعے ہوں گے۔ جہاں سے لوگوں کے دلوں کو فتح کیا جائے گا اور پھر یہ کام ایسی بنیاد پر ہو کہ اس میں کمزوری اور ضعف کسی وجہ سے بھی نہ آ سکے۔

پس اس غرض کے لئے حضور نے جماعت احمدیہ سے جانی اور مالی قربانیوں کا مطالبہ کیا۔ اور متواتر اپنے خطبات میں اس تحریک کی اہمیت کو واضح کیا اور متعدد مطالبات پیش کر کے اس بات پر زور دیا کہ سادہ زندگی اختیار کر کے زیادہ سے زیادہ پیسے بچاؤ اور اس تحریک کے لئے دو۔ اور جو دوست تبلیغ اسلام کے لئے بیرونی ممالک جا سکتے ہیں وہ اپنے آپ کو پیش کریں۔ چنانچہ جماعت نے ان مطالبات پر لبیک کہا اور پہلے دس سالہ پروگرام میں شامل ہو کر مطلوبہ تعداد اور رقم پوری

کردی اور ہر سال اپنے وعدے بڑھاتے چلے گئے۔ دس سال گزرنے کے بعد حضور نے تحریک جدید کے دور ثانی میں فرمایا:۔

"ہمیں چاہئے کہ ہمارے سامنے کس قدر مشکلات ہوں۔ ہم اپنے خون کے آخری قطرہ تک خدا تعالیٰ اور اسلام کی راہ میں بہا دیں اور اگر ہم اس کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اگر ہم اس سے ہچکچاتے ہیں اگر ہمیں ایسا کرنے میں تامل ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ ہمارا سلسلہ احمدیہ میں داخل ہونا ایک دکھاوا ہے' فریب ہے' مکاری ہے' دغا بازی ہے۔ بے شک قربانیوں کا راستہ لمبا ہوتا چلا جاتا ہے۔ مگر اچھی طرح یاد رکھو کہ جب تک کوئی قوم زندہ رہنا چاہتی ہے اسے قربانیاں کرنی پڑیں گی۔ قربانی کے بغیر زندگی ممکن نہیں اور جس دن کوئی قوم چاہے کہ خدا تعالیٰ اس سے قربانی کا مطالبہ نہ کرے اس کو ابتلاء میں نہ ڈالے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ وہ چاہتی ہے کہ خدا تعالیٰ اسے چھوڑ دے۔ قربانی کے مطالبہ کے یہ معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ اسے یاد کر رہا ہے۔ اور جو شخص قربانی کے دروازے کو بند کئے جانے کا خیال بھی دل میں لاتا ہے۔ وہ ایمان کی حقیقت سے واقف نہیں۔ جو امید رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دروازے کو بند کر دے۔ وہ دعا کرتا ہے کہ اے خدا مجھے بھول جا۔ اے خدا مجھے یاد نہ کر۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی دعا کرنے والا کبھی مومن نہیں ہو سکتا۔"

(الفضل 28۔ نومبر 1944ء)

تحریک جدید کے ذریعہ کام

چنانچہ تحریک جدید کے منصوبے کے تحت تبلیغی نظام کو مستقل بنیادوں پر وسیع کیا گیا۔ جماعت کے ہر طبقہ کی تربیت کی طرف توجہ کی گئی۔ اور اس کی نگرانی کا انتظام کیا گیا۔ قربانی اور خدمت کو شعار زندگی بنانے کی تلقین پر زور دیا جانے لگا۔ وہ جو سست تھے انہیں چست بنانے اور ان کی ہمت بڑھانے کا انتظام کیا گیا۔ وہ جو پہلے چست اور مضبوط تھے انہیں مزید قربانیوں پر آمادہ کیا گیا محنت اور جفاکشی کے طریقوں کو رائج کیا گیا۔ جماعت کی روحانی زندگی میں ایک نیا جوش پیدا کیا گیا۔ چنانچہ یہ ہوا کہ وہ سیاہ بادل جو بظاہر خطرہ اور تکلیف کا آثار تھے۔ جماعت کو ہراساں اور پریشان کرنے کی بجائے زیادہ جدوجہد اور سخت قربانیوں کے محرک ہو گئے۔

الحمد للہ کہ اب اس تحریک کا چوتھا دور شروع ہے۔ اب یہ تحریک وقتی نہیں دائمی ہے۔ اس

تحریک کے نتیجہ میں اس وقت تک جو کام بیرونی ممالک میں ہوا ہے۔ اس کی تفصیل اجمالاً یوں ہے۔

33 ممالک میں بفضل خدا مضبوط تبلیغی مراکز قائم ہو چکے ہیں۔ قریباً پانچ صد مساجد کا قیام عمل میں آ چکا ہے۔ تعداد مدارس ایک سو سے تجاوز کر گئی ہے۔ تعداد طبی مراکز دو درجن ہیں۔ دو درجن کے قریب غیر ملکی زبانوں میں تراجم مکمل طور پر اور متعدد زبانوں میں جزوی طور پر اشاعت پذیر ہو چکے ہیں۔ اور مختلف زبانوں اور مختلف ممالک میں دو درجن سے زائد اخبار و رسائل خدمت اسلام میں مصروف ہیں۔ (یہ مضمون ۹۔ جولائی ۱۹۷۹ء کا ہے)

اب ایک طرف اس کام کو دیکھو جو ابھی ابتدائی حالت میں ہے اور دوسری طرف جماعت احمدیہ کو دیکھو اور تیسری طرف عام مسلمانوں کو دیکھو جن کا دعویٰ ہے کہ وہ ستر کروڑ ہیں۔ پھر ان میں بادشاہ بھی ہیں، حکومتوں کے صدر بھی ہیں۔ وسیع ریاستوں کے نواب بھی ہیں۔ جاگیردار، زمیندار، کروڑپتی، ارب پتی اور وہ ہیں جو عالم دین ہیں۔ اور پھر وہ بھی ہیں جو دنیا کے علوم و فنون میں خصوصی ماہر ہیں۔ گویا عددی فوقیت کے ساتھ دنیوی سازو سامان بھی ہے۔ اور ادھر ایک چھوٹی سی جماعت نامساعد حالات سے دوچار ہے۔ ان حالات میں اس ننھی سی جان کا یہ کام ایک معجزہ سے کم نہیں۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

تحریک جدید کے مالی وسائل

ایک عرصہ سے تحریک جدید کا بجٹ مظہر ہے۔ کہ اپنے اپنے ملک میں اشاعت اسلام کے اخراجات بیرونی ممالک کی جماعت خود ہی برداشت کر رہی ہیں۔ اب یہ تحریک اپنے پاؤں پر کھڑی ہو گئی ہے۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے مبلغین کی کمی کو اس طرح دور کرنے کے سامان پیدا فرما دیئے کہ بیرونی جماعتوں نے اپنے آدمی مرکز میں تبلیغ کا کام اور تربیت حاصل کرنے کے لئے بھجوانے شروع کر دیئے جو بعد فراغت اپنے اپنے ملکوں میں جا کر تبلیغ کا کام سنبھال چکے ہیں۔

غرض تبلیغ کے میدان میں بھی بیرونی جماعتیں خود کفیل ہو چکی ہیں اور جو منصب خدا کے برگزیدہ نے غلبہ اسلام اور مخلوق کی ہدایت کے لئے بنایا تھا۔ اس کی تکمیل کے سامان اللہ تعالیٰ نے خود کر دیئے ہیں۔ انشاء اللہ العزیز اب یہ تحریک قوت پر قوت پکڑے گی۔ اور کوئی نہیں جو اس میں روک بن سکے۔ اور اس وقت جو روکیں ہیں وہ بھی اٹھا دی جائیں گی۔

اب دیکھ لو کہ جن ممالک میں اس وقت جماعت کے مشن نہیں ہیں یا نہیں بن سکتے۔ وہاں اس دعوت کو پہنچانے کا سامان خدا تعالیٰ خود کر رہا ہے۔ ان میں ایسے حالات پیدا ہو رہے ہیں کہ وہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعوت کو پہنچانے کے راستے صاف ہو جائیں گے۔ ایسے انقلاب آ رہے ہیں جن کے نتیجہ میں کوئی ملک بھی اسلام کی روشنی سے محروم نہ رہے گا۔ اور ہر ملک میں اسلام کے احمدی خدام خدمت دین کر رہے ہوں گے۔ اب خدا تعالیٰ کے زور آور حملے شروع ہو گئے ہیں۔ اور اس کے نتیجہ میں اس کے نذیر کو قبول کیا جائے گا۔ زمین و آسمان ٹل سکتے ہیں لیکن خدا کے وعدے نہیں ٹل سکتے۔

جس بات کو کہے کہ کروں گا میں یہ ضرور
ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے

جماعت احمدیہ کی ذمہ واریاں

1934ء میں حضور ؓ نے جماعت کو اپنی ذمہ واریوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا تھا

"تحریک جدید کے اصول مستقل ہیں یہ عارضی نہیں۔ اور دوستوں کا فرض ہے کہ جبر سے نہیں بلکہ پیار اور محبت سے سمجھا کر دلائل دے کر لوگوں کو قائل کریں۔۔۔۔۔۔ انہیں چاہئے کہ زیادہ تعہد کے ساتھ ان مطالبات پر عمل کریں۔

(خطبہ 4۔ جون 1934ء)

اب میں آخر میں دوستوں کو حضور کے چند اہم مطالبات کی طرف توجہ دلا کر یہ عرض کروں گا کہ ان کو ہر وقت مد نظر رکھیں۔ انہیں اپنی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیں۔ کیونکہ ان پر عمل کر کے ہی ہم دین و دنیا کی فلاح حاصل کر سکتے ہیں۔ احمدی تو خلیفہ وقت کے سچے متبع کا نام ہے۔

2۔ سادہ زندگی بسر کریں اور زیادہ سے زیادہ رقم بچا کر تحریک جدید میں دیں۔ سادگی اعتدال کی راہ ہے اعدلوا ھو اقرب للتقوی خدا کا فرمان ہے۔ اسی میں دین و دنیا کی بھلائی ہے۔

2۔ اپنے بچوں کو تعلیم و تربیت کے لئے مرکز میں بھیجیں۔

3۔ تمدن اسلامی کا قیام کریں۔ دوسرے لفظوں میں قرآنی حکومت کو قائم کریں۔

4۔ قومی دیانت کا قیام کریں۔ یعنی ہر شخص یہ سمجھنے پر مجبور ہو جائے کہ احمدی دیانتدار اور

راستباز ہوتے ہیں۔

5۔ اپنی اولاد کے کچھ حصہ کو دین کے لئے ضرور وقف کریں۔ اس طریق سے اس خاندان کو ہمیشہ کی بقا ملے گی۔

6۔ تبلیغ ممالک بیرونی میں حصہ لیں۔ اس سلسلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

> جو شخص تبلیغ دین کے لئے بیرونی ممالک میں جائے گا خدا اس کو برگزیدہ لوگوں میں شامل کرے گا اور اگر وہاں وفات ہو گئی تو شہید ہو گا۔

خدا کرے کہ ہم ان باتوں کو سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق پائیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ ہی مصلح موعود تھے

دعویٰ ماموریت سے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دل میں اسلام کے لئے بڑی غیرت اور جوش تھا آپ کی یہی خواہش تھی کہ اسلام سربلند ہو اور لوگ اپنے رب کو پہچان لیں۔ یہ لگن آپ کو آٹھوں پہر بے قرار رکھتی تھی مسلمانوں کی دین سے بے رغبتی اور خستہ حالی کو دیکھ کر دل میں کڑھتے تھے۔ ان ایام میں ہر طرف سے اسلام پر حملے ہو رہے تھے۔ عیسائی پادری حکومت کے زور پر مسلمانوں پر یورش کر رہے تھے۔ چار لاکھ کے قریب مسلمانوں کو انہوں نے عیسائی بنا لیا تھا۔ دوسری طرف آریہ سماج اور برہمو سماج اسلام کو مٹانے پر تلے ہوئے تھے۔ مسلمان ہر جگہ پسپا ہو رہے تھے۔ ان حالات کو دیکھ کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دل کو بہت غم لاحق ہوا۔ کہ اب کیا ہوگا۔ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہتے تھے۔ کہ اللہ تعالیٰ اسلام کی سربلندی اور غلبہ کے لئے سامان کرے اور کوئی نشان دکھائے جس کے ذریعہ سے لوگوں پر اسلام کی صداقت کھل جائے۔ حضور نے اسلام کی صداقت پر چند کتابیں لکھیں۔ تقاریر اور مباحثے بھی کئے مگر حالات بگڑتے جاتے تھے۔ چنانچہ یہی بے قراری آپ کو ہوشیار پور لے گئی۔ سوچا کہ وہاں یکسو ہو کر اپنے رب سے التجا کریں گے کہ وہ اسلام کی صداقت کے لئے کوئی نشان دکھلائے۔ جس سے اسلام غالب آئے وہاں چالیس دن کی شبانہ روز دعاؤں کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے جو الہاماً مندرجہ ذیل بشارات دیں۔

"میں نے تیری تضرعات کو سنا اور تیری دعاؤں کو اپنی رحمت سے پایہ قبولیت جگہ دی........

اے مظفر تجھ پر سلام........ فتح و ظفر کی کلید تجھے ملتی ہے........"

اس کے ساتھ بطور ایک خاص نشان کے ایک لڑکے کی پیدائش کی بشارت دی گئی۔

"تجھے ذکی غلام ملے گا وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے تیری ہی ذریت و نسل ہوگا۔ وہ جلد جلد

بڑھے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی"۔
اور بھی بہت سی صفات کا ذکر کیا گیا۔ جو بوجہ طوالت چھوڑتا ہوں۔
چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس پیشگوئی کو 20 فروری 1886ء کو ایک اشتہار کے ذریعہ شائع کردیا۔ اور لکھا کہ جن صفات کے حامل بچہ کی خبر اس پیشگوئی میں دی گئی ہے۔ وہ نو سال کے اندر پیدا ہو جائے گا۔ یعنی 1895ء تک۔ یہ اشتہار ہندوستان میں پھیلایا گیا۔ چنانچہ بعض اطراف سے اس پر اعتراض ہوئے ایک نے لکھا کہ نو سال کی میعاد تو بہت زیادہ ہے اس میں کافی گنجائش ہے۔ یعنی ایک بیوی سے اگر بچہ پیدا نہ ہو تو دوسری شادی سے بچہ پیدا ہو سکتا ہے۔ مگر حضور نے اس پر لکھا کہ جن صفات خاصہ کے ساتھ اس لڑکے کی بشارت دی گئی ہے۔ کسی لمبی میعاد سے اگر وہ چند بھی ہوتی تو پھر بھی اس کی عظمت میں فرق نہ آتا۔ کیونکہ نو برس تک خود اپنے زندہ رہنے کا حال معلوم نہیں اور نہ یہ معلوم ہے کہ اس عرصہ میں کس قسم کی اولاد ہوگی۔ چہ جائیکہ لڑکا پیدا ہونے کا یقین کیا جائے۔ آپ نے فرمایا میں تو بوڑھا ہو چکا ہوں عمر پچاس سال سے تجاوز کر چکی ہے اس پیشگوئی کو تحدی سے کون پیش کر سکتا ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت نہ ملے۔ پھر یہ کہ نو برس کی میعاد تو انتہائی ہے۔ اس سے جلدی بھی پیدا ہو سکتا ہے۔

پس وہ موعود لڑکا 12۔ جنوری 1889ء کو پیدا ہوا۔ یعنی تین سال کے بعد پیدا ہو گیا۔ اور پھر آپ نے اپنی کتاب سراج منیر میں جو 1897ء کو شائع ہوئی۔ صاف طور پر لکھا کہ وہ لڑکا پیشگوئی کی میعاد کے اندر پیدا ہوا۔ اور اب وہ نویں سال میں ہے۔
غرض حضور نے اس عظیم الشان پیشگوئی کا مصداق حضرت خلیفہ المسیح الثانی کو ہی قرار دیا اور حضور اپنی زندگی میں اس بات پر یقین رکھتے تھے۔ ایک بار جب آپ کو مقامی سکول میں داخل کیا گیا اور آپ کتابی علوم میں دلچسپی نہ لیتے تھے۔ تو ایک استاد نے حضور سے شکایت کردی۔ تو حضور نے فرمایا کہ جس حد تک یہ شوق سے پڑھتا ہے پڑھنے دو۔ ہمیں ان پڑھائیوں کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ان کے متعلق الہام تھا۔ کہ وہ ظاہری اور باطنی علوم میں پُر کیا جائیگا۔
دوسری شہادت حضرت خلیفہ اول کی ہے کہ وہ بھی حضرت خلیفہ المسیح الثانیؓ کو اس پیشگوئی کا مصداق سمجھتے تھے۔ اور جب آپ چھوٹے تھے اور مولوی صاحب کے پاس آتے تو حضرت

مولوی صاحب ادب سے کھڑے ہو جاتے سر پر بوسہ دیتے اور اپنے پاس بٹھاتے ہر وقت کہتے رہتے میرا پیارا محمود میرا پیارا محمود۔ چنانچہ ایک بار اپنے ایک خطبہ میں کہہ دیا۔ کہ

"ایک نکتہ قابل یاد سنائے دیتا ہوں۔ جس کے اظہار سے میں باوجود کوشش کے رک نہیں سکا وہ یہ ہے کہ میں نے حضرت خواجہ سلمان تونسوی کو دیکھا۔ ان کو قرآن شریف سے بڑا تعلق تھا۔ ان کے ساتھ مجھے بہت محبت ہے 80 برس تک انہوں نے خلافت کی 22 برس کی عمر میں وہ خلیفہ ہوئے۔ یہ بات یاد رکھو کہ میں نے کسی مصلحت اور خاص بھلائی کے لئے کہا ہے۔ (بدر 10 جنوری 1910ء)

چنانچہ خدا تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی چھوٹی عمر میں ہی مسند خلافت پر بیٹھے اور 78 سال کی عمر تک خلافت کی۔ اور جب آپ مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو آپ کی خلافت کا ایک ایک دن اس بات کا گواہ ہے کہ آپ ہی فرزند موعود تھے۔ اور جو جو صفات اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی تھیں۔ وہ ایک ایک کر کے پوری ہوئیں۔ آپ ہی کے ذریعہ سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اور حضرت مسیح موعود کا نام دنیا کے کناروں تک پہنچا۔ اور آپ ہی ذریعہ سے یورپ' امریکہ' افریقہ اور دیگر ممالک میں اسلام کے غلبہ کی بنیاد رکھی گئی۔ مراکز قائم ہوئے' مساجد تعمیر ہوئیں' قرآن مجید کے تراجم ہوئے' لاکھوں نے آپ ہی کے ذریعہ سے دین حق کو قبول کیا۔ کروڑوں اسیروں کی رستگاری کا موجب بنے قوموں نے ان سے برکت پائی اور اب تو یہ حال ہے کہ احمدیت پر سورج غروب ہی نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ جہاں تک آپ کی ذاتی خوبیوں کے بارہ میں الہامات کا تعلق ہے وہ بڑے آب و تاب سے پورے ہوئے۔ ان کی تقاریر' خطبات' تفاسیر اور دیگر تحریرات کو اگر یکجا کیا جائے تو دفتر کے دفتر بھر جائیں۔ اور ان کے پڑھنے کے لئے ایک عمر درکار ہو گی۔

وہ جلال الٰہی کے ظہور کا موجب بنے پھر اسی پر بس نہیں بلکہ انہوں نے اپنی ہر ایک چیز اسلام کی سربلندی اور عظمت کے لئے قربان کر دی۔ وقت قربان کیا' مال قربان کیا' صحت قربان کی' بیوی بچوں کو قربان کیا' حتیٰ کہ جان تک قربان کر دی۔ بچوں کی قربانی اس طرح کہ ان کو اپنے خرچ پر پڑھایا اور اعلیٰ تعلیم دلوائی۔ اور پھر ان کو حکم دیا۔ کہ وہ سلسلہ کے کام کے سوا اور کوئی کام نہ کریں۔ اگر وہ دنیا کماتے تو لاکھوں روپیہ کما سکتے تھے۔ مالی قربانی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا

ہے کہ جتنا چندہ خدمت دین اور اشاعت اسلام کے لئے وہ خود دیتے تھے۔ جماعت کا مالدار سے مالدار آدمی بھی اتنا نہ دے سکا۔ غرض کام سلسلہ کا کیا اور اپنے اخراجات خود برداشت کئے ایک حبہ تک جماعت سے نہ لیا۔ پس یہ حقائق ہیں ان کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔

ان باتوں کو دیکھ کر دوست کہتے تھے کہ حضور آپ ہی مصلح موعود ہیں مگر حضور کو تامل تھا۔ کہ جب تک اللہ تعالیٰ خود نہ بتائے۔ دعویٰ کرنا مناسب نہیں۔ چنانچہ 5/6 جنوری 1944ء کی شب کو اللہ تعالیٰ نے بمقام لاہور الہام کے ذریعہ خبر دی کہ آپ ہی مصلح موعود ہیں اور اس پیشگوئی کے مصداق ہیں۔ تو پھر آپ نے مختلف شہروں میں جلسے کر کے اس امر کا اعلان کیا۔ لاہور کے جلسہ میں جو اعلان کیا وہ یہ تھا۔

"......... آج اس جلسہ میں اسی واحد اور قہار خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کی جھوٹی قسم کھانا لعنتیوں کا کام ہے اور جس پر افتراء کرنے والا اس کے عذاب سے نہیں بچ سکتا کہ خدا نے مجھے اسی شہر لاہور میں 13۔ ٹیمپل روڈ پر شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کے مکان پر خبر دی کہ میں ہی مصلح موعود کی پیشگوئی کا مصداق ہوں اور میں ہی وہ مصلح موعود ہوں جس کے ذریعہ اسلام دنیا کے کناروں تک پہنچے گا اور توحید دنیا میں قائم ہوگی۔"

فلم بینی' برائیوں کا سرچشمہ

پاکستان کے مسلمانوں میں جہاں اخلاقی انحطاط کے اور بہت سے اسباب ہیں۔ ان میں سے ایک خاص سبب سینما یا فلم بینی بھی ہے۔ یہ شیشہ گران مغرب کا ایک لعنتی عطیہ ہے۔ جس نے قوم اور ملت کی اخلاقی اور معاشرتی بنیادیں کھوکھلی کر دی ہیں۔ ہماری نوجوان نسل جس تیزی سے آوارہ ہو رہی ہے۔ اس کی بڑی وجہ سینما بینی ہے۔ عریانی' بے پردگی اور جنسی بے راہ روی کا سب سے بڑا محرک فتنہ تصویر ہے۔ اس میں شک نہیں کہ انسان طبعی طور پر تفریح کے لئے کوئی نہ کوئی شغل چاہتا ہے۔ لیکن اب تو اس کی تفریح کی تمام تر صورتیں سمٹ سمٹا کر فلم میں آ کر مرکوز ہو گئی ہیں۔ یہ اس کی سب سے بڑی بدقسمتی ہے کہ فلموں سے مثبت فوائد اٹھانے کی بجائے انہیں اپنی تباہی کے لئے استعمال کر رہا ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ انہیں اپنی علمی اور صنعتی ترقی کے لئے استعمال کرتا لیکن دور جدید کا انسان ان تفریحات کو جنسی تسکین کے لئے نکال لایا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ وہ اب دولت اور جنس کے چکر میں پھنس گیا ہے اور اسے وہ اپنا مقصد زندگی سمجھتا ہے۔

عورت کا وجود ایک متبرک وجود تھا۔ لیکن اسے فلم کے ذریعہ سے غلط استعمال کر کے اس کی حیاء اور عفت کو پامال کر دیا ہے۔ وہ نادان یہ نہیں سمجھ سکی کہ چند کھوٹے سکوں کے بدلے میں اپنی عزت نفس اور عظمت نایاب کو داغدار کر رہی ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اس فلم نے کئی خاندان تباہ کر دیئے ہیں۔ حضرت مصلح موعود نے صحیح فرمایا تھا کہ ان فلموں نے بہت سے شریف نوجوانوں کو آوارہ اور شریف گھروں کی لڑکیوں کو کنچنی اور ناچنے والیاں بنا دیا ہے۔ بدقسمتی یہ ہے کہ موجودہ دور میں عفت اور عصمت کو کوئی وقعت نہیں دی جاتی۔ عزت اس کی ہے جو سب سے زیادہ سوشل ہو اور جب یہ صورت ہو تو شرافت اور عصمت کہاں رہ سکتی ہے۔ برائی جب حسین لبادے میں سامنے آئے تو اس وقت لوگوں کی شرافت پیچھے ہٹ جاتی ہے برائی کی کشش اور چمک دمک کے سامنے تو اچھے بھلے باشعور لوگوں کی نظریں بھی چندھیا جاتی ہیں۔ ان حالات

میں دورِ جدید کا انسان ان کا کیا مقابلہ کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان ظلوماً جہولا ہے۔ یعنی ظالم ہونے کے ساتھ ساتھ جاہل بھی ہے اس کی جہالت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ انسان فرضی اور جھوٹی کہانیوں کو بڑے شوق سے پڑھتا ہے اور ان سے متاثر ہوتا ہے فلم بھی بالکل فرضی اور جھوٹ کا پلندہ ہوتی ہے۔ لیکن پھر بھی وہ اسے دیکھنے کے لئے بے تاب رہتا ہے حقیقت ہوتی تو پھر بھی بات تھی لیکن فرضی کہانی' فرضی پلاٹ اور فرضی اداکاری کے باوجود اسے دیکھ کر اپنے وقت اور مال کو ضائع کرتا چلا جاتا ہے نئی نسل کے لئے تو فلم سم قاتل کا حکم رکھتی ہے خام عقل والوں میں اس کا نقش اس شدت سے ثبت ہوتا ہے کہ پھر وہ مٹتا ہی نہیں۔ پس اخلاقی اور معاشرتی برائیاں جو اس وقت معاشرہ میں فروغ پا رہی ہیں ان کا سرچشمہ تصویر خانہ ہی ہے اور یہ صحیح ہے کہ جب تک جڑ رہے گی برائیاں پھلتی پھولتی رہیں گی۔ برائیوں کی اصلاح صرف شاخوں کو کاٹنے اور فروعات کی طرف توجہ دینے سے نہیں ہو سکے گی ضروری ہے کہ منبع کو بند کیا جائے۔

یہ دیکھ کر بہت دکھ ہوتا ہے کہ سرِشام جب مغرب کی نماز کا وقت ہوتا ہے۔ سینما گھروں کے سامنے چھوٹے بچوں اور نوجوانوں کا ایک جم غفیر دکھائی دیتا ہے ننگے سر اور خستہ حال بچے ٹکٹ کی کھڑکی پر یوں ٹوٹے پڑتے ہیں کہ کہیں وہ اس نعمت سے محروم نہ رہ جائیں۔ جب معاشرہ میں نوجوانوں کے شوق کا یہ عالم ہو تو اس قوم کا خدا ہی حافظ ہے۔ اب تو سینما گھروں میں عورتوں کی تعداد مردوں سے کم نہیں ہوتی۔ پس یقین جانئے کہ قوم اپنی ہلاکت کی طرف خود بھاگتی چلی جاتی ہے۔ انسان اتنا نادان ہے کہ اپنا مال خرچ کر کے خود اپنی تباہی کو خرید رہا ہے اور اس میں سکون پاتا ہے۔ اس کا حال اس افیونی کی طرح ہے جو افیون کو زہر سمجھنے کے باوجود کھاتا چلا جاتا ہے اور اس میں راحت پاتا ہے۔ بھلا جس قوم کے ۹۰ فیصد نوجوان فلم بینی کے رسیا ہیں اور دین سے بالکل بیگانہ ہیں تو وہ قوم اگر آج نہ ڈوبی تو کل ضرور ڈوب جائے گی۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا حکم تو یوں ہے کہ اے ایمان لانے والو۔ لا تقربوا الفواحش کہ فواحش کے قریب بھی نہ جاؤ۔ فواحش کو دیکھنا تو درکنار اس کے قریب بھی نہ پھٹکو۔ اگر قریب جاؤ گے تو فحاشی میں ملوث ہو جاؤ گے سینما اخلاق کو بناتے نہیں بگاڑتے ہیں۔ ان سے فسق و فجور کو فروغ ملتا ہے اور یہ صحیح ہے کہ جب کوئی قوم اپنے ایمانی عہد کو اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے توڑتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے

خلاف چلتی ہے تو وہ کشمکش حیات میں اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم رہ جاتی ہے دنیا میں اس پر ذلت اور رسوائی مسلط کر دی جاتی ہے۔ اور یہی حال آج کل کے مسلمان کا ہو رہا ہے۔ مصر میں اس وقت تباہی آئی۔ جب فاطمی بادشاہ رقص و سرود میں مصروف تھا۔ یہی فطرت کا فیصلہ ہے اور اٹل ہے۔ مغربی اقوام جنہوں نے اس لعنت کو ایجاد کیا تھا۔ خود تباہی کے کنارے کھڑی ہیں ان کے معاشرے کی بنیادیں کھوکھلی ہو چکی ہیں۔ ان کی نسبت خدا تعالیٰ کے فیصلے کا وقت قریب آگیا ہے۔ اگر ہم اس وقت نہ سنبھلے تو ہماری بربادی میں شک نہیں ہو سکتا۔ اب یہ حکمران طبقہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ قوم کو اس تباہی سے بچائیں۔ فحش فلموں کی درآمد بالکل بند کر دیں اور اس صنعت سے مثبت فوائد حاصل کرنے کا پروگرام مرتب کریں۔ جس سے قوم اور ملک کو ٹھوس فائدہ پہنچے دانشمندوں نے کہا ہے کہ ہمیشہ چھوٹی چیز کو بڑی چیز پر قربان کر دیا جاتا ہے تفریح کے اور بہت سے طریق ہو سکتے ہیں۔ لیکن جو تفریح' اخلاق عفت اور عصمت کو بیچ کر کی جائے وہ کب جائز ہو سکتی ہے قوم کو اس تباہی سے بچایا جائے۔ خواہ عوام نادانی سے اس کے خلاف احتجاج ہی کیوں نہ کرتے رہیں۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو قیامت کے روز قوم سے زیادہ ارباب اقتدار قابل مواخذہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ حضرت خلیفہ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پوزیشن کو بھانپ کر اپنی جماعت کو یہ حکم دیا تھا کہ:۔

> "میں ساری جماعت کو حکم دیتا ہوں کہ کوئی احمدی کسی سینما' سرکس' تھیٹر وغیرہ غرضیکہ کسی تماشا میں بالکل نہ جائے اور اس سے بکلی پرہیز کرے ہر مخلص احمدی جو میری بیعت کی قدر و قیمت کو سمجھتا ہے۔ اس کے لئے سینما یا کوئی تماشا وغیرہ دیکھنا جائز نہیں۔ سینما کے متعلق میری رائے ہے کہ نقصان دہ چیز ہے۔ موجودہ فلموں کو دیکھنا ملک اور اس کے اخلاق کے لئے مہلک ہے۔"

حضور نے یہ حکم ۱۹۳۴ء میں تحریک جدید کا اجراء کرتے ہوئے دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ جماعت اس پر قائم ہے اور امید ہے آئندہ بھی جماعت اپنے عزم میں کمی نہ آنے دے گی اور اپنے واجب الاطاعت امام کے حکم کی انشراح صدر سے تعمیل کرتی رہے گی۔ مومن کا کام تو سمعنا و اطعنا ہے اور جو لوگ انحراف کریں گے خدا تعالیٰ کا فیصلہ لھم فی الدنیا خزی ان پر صادر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بدیوں سے بچائے۔